ایک دہشت ناک آسیب کی لرزہ خیز داستان
ویران حویلی کا آسیب
اے حمید
2

معیاری اور خوبصورت کتابیں

بااہتمام...... محمد علی قریشی

ایڈیشن 2009ء
مطبع .... نیئر اسد پریس لاہور
ڈیزائن .... ذاکر
کمپوزنگ .... کلاسکس گرافکس
قیمت .... -/225روپے
مکمل سیٹ........ -/450روپے
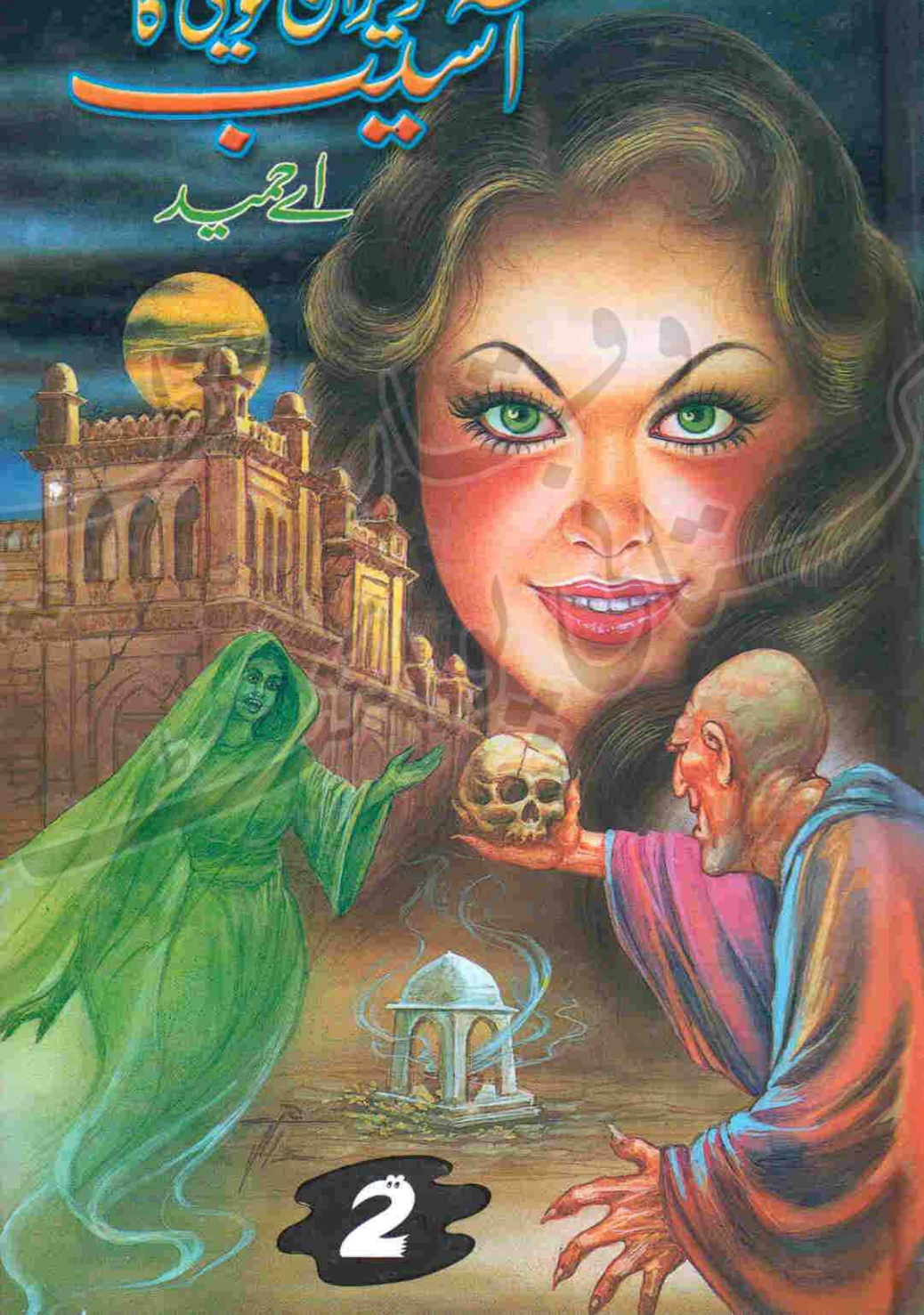
آخر پاکستان کو جانے والے جہاز کی روانگی کا بھی اعلان ہو گیا۔ ہم دوسرے مسافروں کے ساتھ انڈین ایئر لائنز کے جہاز میں سوار ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد جہاز ٹیک آف کر گیا اور اس نے اپنا رُخ پاکستان کے شہر کراچی کی طرف کر لیا۔ پراسرار نتالیا میری ساتھ والی سیٹ پر ہی بیٹھی تھی۔ جہاز میں ہی ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ آخر ہم کراچی پہنچ گئے۔ پاکستان کی سرزمین پر اُتر کر اور ایئرپورٹ پر پاکستان کا ہلالی پرچم لہراتا دیکھ کر میں بیان نہیں کر سکتا کہ مجھے کس قدر خوشی ہوئی۔ مجھے ایسے لگا جیسے میں اپنے بہن بھائیوں کے پاس آ گیا ہوں اور اب کوئی دشمن کوئی بدروح میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ پراسرار نتالیا میرے ساتھ تھی۔ میں نے پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی فرار ہونے کے مواقع تلاش کرنے شروع کر دیئے تھے۔ لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ جلدی میں کوئی غلط قدم اٹھا کر دوبارہ اسی مصیبت میں پھنس جاؤں۔ میں نتالیا سے اس طرح الگ ہونا چاہتا تھا کہ اسے میرے فرار ہونے کا کم از کم دس بارہ گھنٹوں تک علم نہ ہو سکے اور اس دوران مجھے اس سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانے کا موقع مل جائے۔

یہ اس صورت میں ممکن تھا کہ جب وہ رات کو گہری نیند سو رہی ہو تو میں چپکے سے نکل جاؤں۔ لیکن سوال یہ تھا کہ کیا وہ رات کو سوتی بھی تھی؟ شادی کی پہلی رات وہ تقریباً ساری رات مجھ سے باتیں کرتی رہی تھی اور شاید رات کے پچھلے پہر جب میں سو گیا تھا تو وہ لیٹ ضرور گئی تھی مگر مجھے یقین ہے کہ وہ جاگ رہی تھی اور میرے

سو جانے کے بعد وہاں سے چلی گئی تھی۔ یہ بدروحیں اور بھوت پریت سویا نہیں کرتے۔

تجربے نے مجھے یہی بتایا تھا۔ میں نے روہنی بدروح کو کبھی سوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ کسی بہانے میں بدروح نتالیا کو خواب آور گولیاں پیس کر کھلا دوں گا۔ پھر سوچا کہ شاید خواب آور گولیاں کھا کر بھی اسے نیند نہ آئے اور یہ بھی ممکن تھا کہ اسے میرے دل کا حال معلوم ہو جائے۔ پھر تو وہ مجھے ایسا جکڑے گی کہ میں شاید ساری عمر اس کی قید سے آزاد نہ ہو سکوں گا۔ بہر حال مجھے اس سے بھاگنے کی ایک کوشش ہر حالت میں کرنی تھی۔ اس کے بعد جو ہو سو ہو۔ میرے لئے یہی ایک راستہ باقی رہ گیا تھا۔

ایئر پورٹ پر پاکستانی کسٹم پوسٹ پر بھی ہماری پوری چیکنگ ہوئی۔ پراسرار نتالیا نے خود کو بھی اور مجھے بھی ہندو ظاہر کیا ہوا تھا۔ پاسپورٹ پر میرا نام پرکاش کھنہ لکھا ہوا تھا۔ نتالیا مسز پرکاش کھنہ بن گئی تھی۔ ضروری چیکنگ کے بعد ہم سے پوچھا گیا کہ ہم پاکستان میں پہلے کہاں جائیں گے۔ نتالیا نے بتایا کہ ہم پہلے لاہور جائیں گے اور وہاں کانٹی نینٹل ہوٹل میں ایک ہفتہ قیام کر کے لاہور شہر کی سیر کریں گے۔ وہاں سے ہم راولپنڈی جائیں گے۔ نتالیا نے کہا۔ ”وہاں میرے ماتا پتا جی کے ایک پرانے مسلمان دوست راجہ گل زمان ہیں ہم دو دن ان کے پاس ٹھہریں گے اس کے بعد ایبٹ آباد جا کر ویزے کے باقی دن وہیں گزاریں گے۔“

ہمیں کہا گیا کہ لاہور جاتے ہی چیئرنگ کراس تھانے میں رپورٹ کریں۔ اس کے بعد ہم ایئر پورٹ سے باہر آگئے۔ وہاں سے ہم نے ٹیکسی پکڑی اور سیدھے کراچی کے ریلوے سٹیشن پر پہنچ گئے۔ معلوم ہوا کہ شام کے وقت ایک ایکسپریس ٹرین لاہور جا رہی ہے۔ نتالیا نے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔ ٹکٹ لے آتے ہیں۔“

میں نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ مجھے زیادہ سے زیادہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھی۔

بکنگ آفس میں جا کر نتالیا نے فرسٹ کلاس کے دو ٹکٹ لئے اور ہم پلیٹ فارم پر آ کر ایک سٹال پر چائے پینے کے لئے کھڑے ہو گئے۔

نتالیا کہنے لگی۔ ”میں لاہور میں کچھ نئے کپڑے خریدوں گی۔ مجھے پاکستانی عورتوں کا لباس بڑا پسند ہے۔“

میں نے سوچا کہ میں نتالیا کو لاہور کے انار کلی بازار میں شاپنگ کے لئے لے جاؤں گا اور وہیں کسی بہانے غائب ہو جاؤں گا۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے یہ میرے لئے بڑا سنہری موقع بن سکتا تھا۔

جب لاہور جانے والی ٹرین پلیٹ فارم پر آ کر لگی تو دوسرے مسافروں کے ساتھ ہم بھی ٹرین میں سوار ہو گئے۔

ہمارا فرسٹ کلاس کا کمپارٹمنٹ تھا۔ ہمارا سفر بڑا آرام سے کٹا۔ ہم جس وقت لاہور پہنچے دن ڈھلنا شروع ہو گیا تھا۔ ایک مدت بعد اپنے شہر لاہور آ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ سٹیشن سے باہر نکلے تو میں نے نتالیا سے کہا۔ ”ہمیں ہوٹل کانٹی نینٹل میں ٹھہرنا ہے۔ اسی علاقے میں چیئرنگ کراس تھانہ لگتا ہے۔ ہمیں سب سے پہلے وہاں جا کر رپورٹ کرنی ہوگی۔“

نتالیا کہنے لگی۔ ”اس کی ضرورت تو نہیں ہے لیکن تم کہتے ہو تو تھانے چل کر رپورٹ کر دیں گے۔“

مجھے معلوم تھا کہ اس بدروح کو تھانے جانے کی کیا ضرورت ہے لیکن وہ مجھے ابھی تک یہی تاثر دے رہی تھی کہ وہ کوئی بدروح نہیں ہے۔ سٹیشن سے ہم سیدھا چیئرنگ کراس تھانے آ گئے۔ تھانے میں موجود کانسٹیبل محرر نے ہمارے پاسپورٹ بڑے غور سے دیکھے۔ پھر پوچھا کہ ہم پاکستان کیوں آئے ہیں۔ ہوٹل میں کیوں ٹھہرے ہیں، کہاں جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ ہم نے تمام سوالوں کا اُسے تسلی بخش جواب دیا۔

اس نے کہا۔ ”ٹھیک ہے۔ لاہور سے ایبٹ آباد جاتے ہوئے ہمیں رپورٹ کر کے جائیں۔“

نتالیا نے کہا۔ ”شکریہ! ہم ضرور رپورٹ کر کے جائیں گے۔“

وہاں سے ہم ٹیکسی میں سوار ہو کر ہوٹل میں آ گئے۔ یہاں ایک کمرہ ہم نے میاں بیوی یعنی پرکاش کھنہ اور مسز پرکاش کھنہ کے نام سے لے لیا۔ بڑے آرام سے ہم نے غسل کیا۔ تازہ دم ہو کر نیچے لابی میں بیٹھ کر چائے پینے لگے۔

نتالیا کہنے لگی۔ ”ہم ابھی انارکلی جائیں گے۔ میں اپنے لئے گرم جرسی خریدنا چاہتی ہوں۔ ایبٹ آباد میں سردی ہو گی تم بھی سویٹر خرید لینا۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ نئے کپڑے خریدوں گی مگر یہاں زنانہ ریڈی میڈ کپڑے تو ملیں گے نہیں۔ ساڑھیاں پہننے کا یہاں رواج نہیں ہے۔“

ہم چائے پیتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی کچھ فاصلے پر بیٹھا ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہمیں دیکھ لیتا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ سی آئی ڈی کا آدمی ہے۔ ہندوستان سے کوئی بھارتی آتا ہے تو اس کی ضرور نگرانی کی جاتی ہے۔ ہندوستان میں بھی کوئی پاکستانی جاتا ہے تو وہاں کی سی آئی ڈی اس کی نگرانی کرتی ہے۔ میں نے کوئی خیال نہ کیا مگر یہ خیال ضرور آیا کہ جب میں انارکلی بازار نتالیا سے الگ ہو گیا تو ممکن ہے یہ سی آئی ڈی والا نتالیا کو چھوڑ کر میرے پیچھے لگ جائے۔ میرے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی ہو سکتی تھی۔ پھر میں نے سوچا کہ میں اس کو ساری کہانی بیان کر دوں گا اور بتا دوں گا کہ میں ہندوستانی نہیں ہوں اور ہندو بھی نہیں ہوں بلکہ پاکستانی ہوں۔ مسلمان ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اُسے میری بات کا یقین نہ آئے۔ لاہور میں میرا کوئی رشتے دار وغیرہ بھی نہیں تھا۔

میں نے سوچ سوچ کر آخر یہی فیصلہ کیا کہ مجھے لاہور میں نتالیا سے الگ نہیں ہونا چاہئے یہ کام مجھے کسی دوسرے شہر مثلاً راولپنڈی پہنچ کر کرنا چاہئے۔ جب یہ سی آئی

ڈی والا وہاں نہ ہو کیونکہ مجھے یقین تھا کہ یہ خفیہ کا آدمی لاہور میں ہی رہ جائے گا۔

ہم ہوٹل سے نکل کر انارکلی آ گئے۔ یہاں ہم نے اپنے لئے گرم جرسیاں وغیرہ خریدیں۔ نتالیا نے نئے جوتے خریدے۔ وہ بالکل ایسے ظاہر کر رہی تھی جیسے وہ ایک عام گھریلو عورت ہے اور بدروحوں اور بھوت پریت کی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک رات ہم ہوٹل میں رہے۔ دوسرے دن ہم بذریعہ ریل کار صبح صبح راولپنڈی روانہ ہو گئے اس وقت مجھے سی آئی ڈی والا کوئی آدمی اپنے آس پاس نظر نہیں آیا تھا۔ شاید وہ ہمیں سٹیشن پر چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔

راولپنڈی ہم دن کے ایک بجے پہنچے۔ وہیں سٹیشن کے فرسٹ کلاس میں ڈائننگ روم میں بیٹھ کر ہم نے کھانا کھایا۔ وہاں سے ہمیں ایک پرائیویٹ ٹیکسی لے کر ایبٹ آباد پہنچنا تھا۔ راولپنڈی پہنچتے ہی میں نے نتالیا سے بھاگ جانے کے مواقع تلاش کرنے شروع کر دیئے تھے۔ لیکن میں رات کے وقت فرار ہونا چاہتا تھا جس وقت نتالیا بدروح سو رہی ہو تاکہ اسے میرے فرار کا صبح کو علم ہو اور مجھے اس سے دور نکل جانے کا موقع مل جائے۔ اس کے لئے راولپنڈی میں ایک رات قیام کرنا ضروری تھا چنانچہ میں نے نتالیا سے کہا۔ ”نتالیا! میں سفر کی وجہ سے بڑا تھک گیا ہوں۔ آگے بھی ایبٹ آباد تک ٹیکسی کا سفر ہے میں چاہتا ہوں کہ ایک رات راولپنڈی میں آرام کر لوں۔“

نتالیا بدروح کہنے لگی۔ ”اگر تم چاہتے ہو تو کسی ہوٹل میں ایک رات ٹھہر جاتے ہیں۔ کل ایبٹ آباد چلے چلیں گے۔“

میں نے کہا۔ ”یہاں صدر میں شور ہوٹل بڑا اچھا ہوٹل ہے وہاں ٹھہر جائیں گے۔“

اس زمانے میں شور ہوٹل کا شمار پنڈی کے کلاس ون ہوٹلوں میں ہوتا تھا۔ اسلام آباد پاکستان کا نیا دارالحکومت ضرور بن چکا تھا مگر ابھی وہ تکمیل کے آخری مراحل

میں تھا اور نئے ہوٹل بن رہے تھے، نئی عمارتیں بھی بن رہی تھیں۔

ہم نے شور ہوٹل میں ایک ڈبل بیڈ والا کمرہ لے لیا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر شہر کی سیر کرنے نکل گئے۔ شام کو واپس آکر چائے پی اور باتیں کرنے لگے۔ رات ہو گئی تو رات کا کھانا کھا کر ہم آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ میں اب نتالیا بدروح کے سو جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ میں جاگ رہا تھا۔ نتالیا پلنگ پر ہلکا سا کمبل اوپر لئے منہ دوسری طرف کر کے لیٹی ہوئی تھی۔

میں پلنگ پر لیٹا تھوڑی تھوڑی دیر بعد دیوار پر لگے کلاک کو دیکھ لیتا تھا۔ ابھی رات کے دس بجے تھے۔ کمرے میں دھیمی روشنی والا ٹیبل لیمپ روشن تھا۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ میں جاگ رہا تھا۔ مجھے نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جب رات آدھی گزر گئی تو مجھے نتالیا کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز سنائی دی۔ میں بڑی احتیاط کے ساتھ آواز پیدا کئے بغیر پلنگ سے اٹھ کر کلوزٹ روم میں گیا۔ وہاں میں نے پتلون قمیض اور جیکٹ اور بوٹ پہنے اور دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل گیا۔ سردیوں کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ میں نے جیکٹ کے بٹن بند کئے اور ریلوے سٹیشن کی طرف چلنے لگا۔ میں نے اپنی جیب میں سے بٹوہ نکال کر دیکھا۔ میرے پاس نتالیا کے دیئے ہوئے دو ہزار روپے اسی طرح پڑے تھے۔ یہ اُس زمانے میں کافی رقم ہوا کرتی تھی۔

مجھے ہوٹل سے ذرا فاصلے پر ہی ایک ٹیکسی مل گئی۔ میں اس میں بیٹھ کر سٹیشن پر آ گیا۔ سٹیشن پر آکر معلوم ہوا کہ لاہور کی طرف کوئی گاڑی نہیں جا رہی۔ وہاں سے میں ایک اور اڈے پر آگیا۔ لاری اڈے سے لاہور کی طرف رات کے ایک بجے آخری لاری جایا کرتی تھی۔ وہ لاری مجھے مل گئی اور میں اس میں بیٹھ گیا۔ لاری میں بیٹھنے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ ایک آدمی نے مجھے لاری میں سوار ہوتے گھور کر دیکھا تھا اور میرے ساتھ ہی لاری میں سوار ہو گیا تھا۔

مجھے شک ہوا کہ شاید یہ سی آئی ڈی کا آدمی ہے اور چونکہ میں انڈیا سے آیا ہوں اس لئے میرا پیچھا کرنے لگا ہے جو اس کی ڈیوٹی ہے۔ مگر میں اپنے وطن پاکستان میں تھا میں پاکستانی تھا اور مسلمان تھا مجھے کوئی فکر نہیں تھی۔

لاری لاہور کی طرف روانہ ہو گئی۔

لاری جہلم پہنچی تو میں دوسرے مسافروں کے ساتھ چائے پینے کے لئے اُترا۔ وہ آدمی بھی میرے ساتھ ہی اُترا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ مجھے اپنی نظروں میں رکھے ہوئے ہے۔ میں نے کوئی خاص خیال نہ کیا۔ لاری لاہور پہنچی تو صبح ہو رہی تھی۔ میں بڑا مطمئن تھا کہ نتالیا بدروح کو میرے فرار کا ابھی تک علم نہیں ہوا اور اب اگر ہو بھی گیا ہو گا تو میں اس سے بہت دور نکل آیا تھا۔

میرا پروگرام لاہور سے سیدھا کراچی جانے کا تھا تاکہ میں نتالیا سے جتنی دور جا سکتا ہوں چلا جاؤں۔ میں لاری اڈے سے ایک ٹیکسی لے کر سیدھا ریلوے سٹیشن آ گیا۔ کراچی جانے والی گاڑی میں ابھی دیر تھی۔ میں ریفرشمنٹ روم میں آگیا اور ناشتہ کرنے لگا۔ ناشتے کے بعد چائے پی رہا تھا کہ وہی سی آئی ڈی والا آدمی جو پنڈی سے میرے ساتھ لاری میں سوار ہوا تھا دو سپاہیوں کے ساتھ اندر آگیا۔

وہ سیدھا میرے پاس آیا اور بولا۔ ”تمہارا نام کیا ہے؟“

میں نے کہا۔ ”فیروز۔“

اُس نے کہا۔ ”مگر تم انڈیا سے دو روز پہلے پاکستان میں داخل ہوئے ہو اور انڈین پاسپورٹ پر آئے ہو اور تمہارا نام پرکاش کھنہ ہے۔“

میں نے ہنس کر کہا۔ ”بالکل غلط ہے۔ میں پاکستانی ہوں، مسلمان ہوں اور میرا نام فیروز ہے۔“

اُس نے کہا۔ ”تم جھوٹ بولتے ہو۔ تمہارے ساتھ تمہاری بیوی مسز پرکاش کھنہ بھی تھی۔“

میں نے کہا۔ ''میری کوئی بیوی نہیں ہے۔ میں شادی شدہ نہیں ہوں۔''

اس نے ایک سپاہی سے کہا۔ ''اس کی تلاشی لو۔''

سپاہی میری تلاشی لینے لگا۔ میری جیکٹ کی اندر والی جیب میں سے میرا انڈین پاسپورٹ نکل آیا۔ یہ مصیبت نتالیا نے میرے گلے میں ڈال دی تھی۔ اُس نے میرا پاسپورٹ میری جیکٹ میں ڈال کر کہا تھا۔ ''اسے جیکٹ میں ہی رکھنا۔ یہ غیر ملک ہے یہاں کسی وقت بھی یہ دکھانا پڑ سکتا ہے۔''

اور مجھ سے یہ غلطی ہوئی تھی کہ شور ہوٹل سے فرار ہوتے وقت میں نے پاسپورٹ نکال کر وہیں نہیں پھینکا تھا۔ مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا کہ میرا انڈین پاسپورٹ جو نتالیا نے خدا جانے کس جن بھوت کے ذریعے بنوایا تھا میری جیکٹ میں ہی ہے۔ انڈین پاسپورٹ برآمد ہونے کے بعد یہ ثابت ہو گیا تھا کہ میں انڈین نیشنل ہوں۔ ہندو ہوں اور میرا نام پرکاش کھنہ ہے۔ پاسپورٹ پر باقاعدہ میری تصویر لگی ہوئی تھی اور نیچے میرا نام لکھا ہوا تھا۔ وہاں میرے دستخط بھی تھے۔ سی آئی ڈی والے نے سپاہیوں سے کہا۔ ''اسے تھانے لے چلو۔''

میں نے کہا۔ ''آپ میرا میڈیکل معائنہ کروالیں۔ میں ہندو نہیں ہوں۔ میں مسلمان ہوں۔''

اُس نے کہا۔ ''پاکستان میں بھارت کے ایسے جاسوس بھی جاسوسی کرنے آتے ہیں جن کے مسلمانوں کی طرح ہسپتال میں ختنے کرا دیئے جاتے ہیں تاکہ اُن پر ہندو ہونے کا کسی کو یقین ہی نہ آئے۔ تم بھی ان ہی بھارتی جاسوسوں میں سے ہو۔ ہم نے ایسے دو جاسوس پہلے پکڑے تھے۔ تھانے چلو۔''

میں کیا کرتا بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ دونوں سپاہیوں نے مجھے پکڑ رکھا تھا۔ وہ مجھے ریفرشمنٹ روم سے باہر پلیٹ فارم پر لے آئے۔ پلیٹ فارم پر پہلے سے دو سپاہی موجود تھے۔ ان میں سے ایک کے پاس ہتھکڑی تھی۔ اسی وقت مجھے ہتھکڑی لگا دی گئی

اور پولیس مجھے لے کر سٹیشن سے باہر آگئی۔

میں بڑا پریشان ہوا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں کیا نہ کروں۔ پولیس مجھے سیدھی چیئرنگ کراس تھانے لے آئی۔ وہاں میرا پاکستان میں داخلے کا باقاعدہ اندراج ہو چکا تھا۔ مجھے اسی وقت حوالات میں بند کر دیا گیا۔ ایک گھنٹے بعد ایک پولیس انسپکٹر آیا۔ اس نے مجھے حوالات کی سلاخوں میں سے دیکھا اور اپنے ساتھ آئے ہوئے کانسٹیبل سے کہا۔ ''اسے لے آؤ۔''

کانسٹیبل مجھے ہتھکڑی لگا کر تھانے کے ایک کمرے میں لے آیا۔ وہاں پولیس انسپکٹر موجود تھا۔ میں اس کے سامنے میز کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اس نے کانسٹیبل کو باہر بھیج دیا اور مجھ سے کہا۔ ''یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ تم انڈیا کے جاسوس ہو۔ جس عورت کو اپنی بیوی بنا کر اپنے ساتھ لائے تھے ہم نے پنڈی کے ہوٹل میں چھاپہ مار کر گرفتار کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی ہے مگر ہم اسے بہت جلد گرفتار کر لیں گے۔ یہ بتاؤ کہ پاکستان میں تمہارے انڈین جاسوس ساتھی کہاں کہاں پر ہیں؟''

میں نے کہا۔ ''جناب! میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ میں بھارتی جاسوس نہیں ہوں۔ میں مسلمان ہوں، پاکستانی ہوں۔ قیام پاکستان کے وقت مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے لاہور آکر آباد ہو گیا تھا پھر بمبئی اپنے دوست کے پاس کچھ دنوں کے لئے چلا گیا اور وہیں ایک ایسی مصیبت میں پھنس گیا کہ جس کو سن کر آپ کو بھی یقین نہیں آئے گا۔''

پولیس انسپکٹر نے کہا۔ ''اس قسم کی فضول باتیں کرنے میں اپنا اور ہمارا وقت ضائع نہ کرو۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمہارا تعلق انڈیا کے اُن جاسوسوں سے ہے جو ہندو ہوتے ہیں مگر جن کے آپریشن کے ذریعے ختنے کروا دیئے جاتے ہیں اور مسلمان بنا کر پاکستان میں جاسوسی کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''سر! میں انڈین جاسوس نہیں ہوں۔''

پولیس انسپکٹر نے کہا۔ ''جس عورت کے ساتھ تم پاکستان آئے ہو وہ عورت کیا تمہاری بیوی نہیں تھی؟''

میں نے کہا۔ ''نہیں جناب! وہ میری بیوی نہیں تھی۔ یقین کریں وہ ایک بدروح تھی اس نے مجھے اپنے قبضے میں کیا ہوا تھا۔ اُسی نے میرا بھارتی پاسپورٹ بنایا تھا اور وہی مجھے اپنے ساتھ یہاں لائی تھی۔''

پولیس انسپکٹر نے میری طرف جھکتے ہوئے مجھے گھور کر دیکھا اور کہا۔ ''اس قسم کی باتوں سے تم پولیس کو بیوقوف نہیں بنا سکو گے۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ پاکستان میں اپنے بھارتی ساتھیوں کے نام اور پتے ہمیں بتا دو کہ وہ کہاں کہاں پر ہیں؟''

میں نے کہا۔ ''انسپکٹر صاحب! یقین کریں نہ میں انڈین جاسوس ہوں اور نہ میرا انڈیا سے کوئی تعلق ہے۔ میں ایک بڑی بھیانک مصیبت میں پھنس گیا تھا جس سے بڑی مشکل سے نکل کر آ رہا ہوں۔ جو عورت میرے ساتھ تھی وہ ایک چڑیل تھی، بدروح تھی۔ میرا پاسپورٹ اس نے جن بھوتوں کے ذریعے انڈیا میں بنوایا تھا۔ اُس نے مجھ سے زبردستی شادی کر لی تھی کیونکہ میں اُسے پسند آ گیا تھا اور میں نے اُسے کہا تھا کہ شادی کے بعد میں پاکستان میں ہنی مون منانا چاہتا ہوں۔ میں اس بہانے اسے پاکستان لانا چاہتا تھا تاکہ یہاں آ کر میں اُس سے چھٹکارا حاصل کر لوں کیونکہ یہ میرا وطن ہے یہاں مجھے پناہ مل جائے گی۔''

پولیس انسپکٹر پڑھا لکھا نوجوان تھا۔ کہنے لگا۔ ''اگر وہ بدروح تھی تو اسے پاسپورٹ بنوانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو تمہیں غائب کر کے اور خود غائب ہو کر بھی پاکستان آ سکتی تھی کیونکہ جن بھوت تو غائب ہو جاتے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''ایسا وہ اس لئے کر رہی تھی کہ وہ مجھ پر یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ وہ کوئی بدروح نہیں ہے بلکہ ایک نارمل عورت ہے اور نارمل عورت کی طرح میرے

ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔''

پولیس انسپکٹر مسکرایا۔ کہنے لگا۔ ''تمہیں انڈیا کی خفیہ ایجنسی نے ایک دلچسپ مگر بوگس کہانی کے ساتھ پاکستان میں بھیجا ہے۔ تمہارے خیال میں ہم لوگ تمہاری من گھڑت جن بھوت کی کہانی پر اعتبار کر لیں گے؟ ہم مسلمان ہیں۔ پاکستان اسلامی ملک ہے۔ ہم لوگ جن بھوتوں کے قائل نہیں ہے ہم صرف ایک خدا اور اس کے رسول اور قرآن پاک کو ماننے والے ہیں۔ یہ جنوں بھوتوں کی کہانی تم ہندوؤں کو ہی سنا سکتے ہو ہمیں نہیں۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ مجھے سچ سچ بتا دو کہ تم کس مشن پر یہاں بھیجے گئے ہو؟''

میں کیا بتاتا۔ مجھے تو کسی بھی حکومت نے کسی بھی مشن پر نہیں بھیجا تھا۔ مگر میرے بھارتی جاسوس ہونے کے سارے ثبوت پولیس انسپکٹر کے پاس موجود تھے۔ سب سے بڑا ثبوت میرا انڈین پاسپورٹ تھا جس پر میری فوٹو لگی تھی اور نیچے میرا ہندو نام پرکاش کھنہ لکھا تھا۔ مجھے ایک دوسرے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ ظاہر ہے وہاں مجھ پر تھوڑا بہت تشدد تو ہونا ہی تھا۔ ایسا ہر ملک میں ہوتا ہے۔ اگر مجھے بھارت میں پاکستانی جاسوس سمجھ کر پکڑ لیا جاتا تو وہاں بھی مجھ پر لازمی طور پر تشدد ہوتا بلکہ کچھ زیادہ ہی تشدد کیا جاتا۔

رات ہو گئی۔ مجھے تھوڑا بہت کھانے کو دیا گیا۔ پھر اُس کوٹھڑی سے نکال کر ایک دوسری کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا جس کا دروازہ لوہے کی سلاخوں والا تھا اور جس کے باہر ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ میں ایک بات پر ضرور حیران تھا کہ نتالیا ابھی تک میری تلاش میں وہاں نہیں پہنچی تھی۔

اگر وہ آسیبی عورت تھی، بدروح تھی جس کا مجھے یقین تھا تو اُسے تو اب تک میری مدد کرنے اور دوبارہ اپنے قبضے میں کرنے کے لئے پہنچ جانا چاہئے تھا لیکن سارا دن گزر گیا تھا۔ میں گرفتار بھی کر لیا گیا تھا۔ مجھ پر تھوڑا بہت تشدد بھی ہوا تھا اور اب

میں حوالات میں بند تھا مگر نتالیا ابھی تک میری مدد کو نہیں پہنچی تھی۔ مجھے کچھ کچھ یقین ہوتا جا رہا تھا کہ نتالیا بدروح یا آسیبی عورت نہیں تھی۔ اگر وہ آسیبی عورت نہیں تھی تو پھر جو آسیبی عورت مجھے میرا ہاتھ پکڑ کر ہوا میں اڑاتے ہوئے نیم مردہ نیم زندہ لوگوں کی عجیب و غریب دنیا سے انڈیا کے شہر چندی گڑھ کے کرسچین قبرستان کی قدیم خانقاہ میں لائی تھی وہ عورت کون تھی؟ وہ تو یقیناً کوئی بدروح یا آسیبی عورت ہی تھی۔ اُس کے گرم سانس کو میں نے اپنے چہرے پر اُڑنے سے پہلے محسوس کیا تھا اور اُس نے میری گردن کو چوما بھی تھا۔ یہ تو وہی آسیبی لڑکی تھی جس کو روہنی نے متھرا شہر کے ویران شمشان گھاٹ کی کوٹھڑی میں سے غلطی سے آزاد کر دیا تھا اور جس کے بارے میں روہنی نے مجھے بتایا تھا کہ یہ بڑی ہی خطرناک آسیبی بدروح ہے لیکن اگر اس نے تمہاری گردن کو چوم لیا ہے تو سمجھ لو کہ وہ تمہیں پسند کرنے لگی ہے تم اسے پسند آ گئے ہو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر نتالیا وہ آسیبی لڑکی نہیں تھی تو پھر وہ کون تھی اور کس خوشی میں وہ مجھے پہاڑی قبرستان کی قدیم خانقاہ میں لائی تھی اور پھر خفیہ طور پر مجھ سے شادی بھی رچالی تھی۔

یہ ایک ایسا معمہ تھا جو میری سمجھ سے باہر تھا۔ مجھے روہنی کا بھی خیال آیا کہ وہ پجاری رگھو کی قید میں تھی۔ خدا جانے وہ کہاں ہو گی؟ کس حال میں ہو گی؟ روہنی جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کوئی بدروح نہیں تھی۔ وہ ایک بھٹکی ہوئی روح تھی۔ جھانسی کے مسلمان مغل صوبیدار شہزادہ شیروان نے اس سے شادی کر لی تھی اور وہ اپنی رضا مندی سے مسلمان ہو گئی تھی اور شہزادے نے اس کا نام سلطانہ رکھ دیا تھا۔ سلطنت کے کاہن پجاری رگھو نے ایک سازش کے تحت روہنی عرف سلطانہ کو قتل کروا کر اس کی روح کو کالے جادو کے ذریعے ایک مرتبان میں بند کر کے چبوترے کی دیوار میں دفن کر دیا تھا۔ میں نے وہاں سے مرتبان نکال کر روہنی کی روح کو

نادانستگی میں آزاد کر دیا تھا جس کی وجہ سے رگھو پجاری کی بدروح میری جانی دشمن بن گئی تھی۔ وہ روہنی کی روح کو بھی دوبارہ اپنے قبضے میں کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھی اور اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ آخر جیسا کہ آپ کو میں پہلے بیان کر چکا تھا متھرا کے قریب پرانے شمشان گھاٹ پر پجاری رگھو کی بدروح کا مقابلہ کرتے ہوئے روہنی عرف سلطانہ کی روح شکست کھا گئی اور پجاری رگھو نے اسے دوبارہ اپنے قبضے میں کر لیا۔ اسی قدیم شمشان گھاٹ کی ایک کوٹھڑی میں آسیبی لڑکی کی بدروح بھی ایک مٹکے میں بند تھی جس کو روہنی نے غلطی سے آزاد کر دیا۔ یہ لڑکی ایک آسیب تھا یا آسیب لڑکی تھی جس کے بارے میں روہنی نے مجھے بتایا تھا کہ آسیب بدروحوں اور چڑیلوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے مگر اتفاق سے اس آسیبی لڑکی کو میں پسند آ گیا اور بعد میں وہ مجھے آدھے زندہ آدھے مردہ لوگوں کے قبرستان سے اڑا کر بھارت کے شمالی پہاڑی علاقے کی طرف لے گئی۔

O

یہی معمہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اگر نتالیا یہ آسیبی لڑکی نہیں ہے تو پھر یہ کون ہے اور آسیبی لڑکی مجھے اس کرسچین قبرستان کی خانقاہ میں چھوڑنے کے بعد کہاں چلی گئی تھی۔

نتالیا کے بارے میں بھی مجھے یقین تھا کہ یہ بھی ایک بدروح ہے مگر وہ مجھے پسند کرتی ہے اور اسی وجہ سے اُس نے مجھ سے بیاہ رچایا ہے جبکہ میں ہرگز ہرگز اسے اپنی بیوی سمجھنے پر تیار نہ تھا۔ اس نے جو میرا انڈین پاسپورٹ بنوا کر میری جیکٹ کی جیب میں ڈال دیا تھا اس کی وجہ سے میں ایک نئی مصیبت میں گرفتار ہو کر لاہور کے تھانے کی حوالات میں بند کر دیا گیا تھا۔ یہ لوگ مجھے بھارتی جاسوس سمجھنے میں حق بجانب تھے کیونکہ ایک تو میرا پاسپورٹ انڈیا کا تھا دوسرے پاسپورٹ پر میری تصویر کے نیچے میرا ہندو نام پرکاش کھنہ لکھا ہوا تھا۔

میں تو نتالیا کو راولپنڈی کے شور ہوٹل میں چھوڑ کر بھاگ آیا تھا اور انڈیا پاسپورٹ کی وجہ سے پولیس کی قید میں پھنس گیا تھا لیکن اس بات پر بھی مجھے تعجب تھا کہ غیر انسانی طاقت رکھنے کے باوجود نتالیا ابھی تک میرے پاس کیوں نہیں پہنچی۔ وہ تو بدروح تھی بڑی آسانی سے پنڈی سے لاہور اُڑ کر آسکتی تھی اور مجھے اپنے قبضے میں کر کے واپس جہاں چاہے لے جاسکتی تھی۔

دوسری طرف جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں مجھے روہنی عرف سلطانہ کی بھٹکتی روح کا بھی خیال آ رہا تھا۔ روہنی سے مجھے ایک لگاؤ سا ہو گیا تھا۔ وہ کئی سالوں

سے میرے ساتھ تھی اور اُس نے ہر مشکل وقت میں میرا ساتھ دیا تھا اور میری مدد کی تھی مگر اب وہ خود اپنے اور میرے مشترکہ دشمن پجاری رگھو کی بدروح کے قبضے میں تھی وہ بے چاری میری مدد کرنے سے معذور تھی۔

میں ان ہی خیالوں میں گم لاہور کے ایک پولیس سٹیشن کی دوسری منزل کی کوٹھڑی میں قید کی حالت میں پڑا تھا کیونکہ مجھ سے انڈین پاسپورٹ برآمد ہو چکا تھا اور میں اپنے آپ کو بھارتی جاسوس نہ ہونا ثابت نہ کر سکا تھا۔ میرے پاس کوئی ماورائے انسانی طاقت تو تھی نہیں کہ پولیس کی قید سے غائب ہو کر نجات حاصل کر سکتا۔ روہنی بھی میری مدد کو نہیں پہنچ سکتی تھی۔ وہ دشمن رگھو کی قید میں تھی اور اُسے خود مدد کی ضرورت تھی۔ رات ہو گئی تھی۔ کوٹھڑی ایک قسم کی حوالات ہی تھی۔ دروازہ لوہے کی سلاخوں والا تھا جس کے باہر ایک مسلح کانسٹیبل پہرہ دے رہا تھا۔ کوٹھڑی میں کوئی بتی نہیں لگی ہوئی تھی۔ اگر کوئی بلب لگا ہوا بھی تھا تو وہ جل نہیں رہا تھا۔ کوٹھڑی کے باہر برآمدے میں ایک بلب روشن تھا جس کی روشنی سلاخوں میں سے گزر کر کوٹھڑی میں مجھ پر پڑ رہی تھی۔ رات شاید آدھی ہو گئی تھی۔ تھانے کے آگے سے گزرنے والی سڑک بھی خاموش تھی۔ کبھی کبھی کوئی موٹر کار یا کوئی تانگہ گزر جاتا تھا اور پھر وہی خاموشی چھا جاتی۔ ابھی تک مجھے قیدیوں والے کپڑے نہیں پہنائے گئے تھے کیونکہ ابھی میں حوالات میں ہی تھا اور دوسرے دن پولیس نے مجھے عدالت میں پیش کر کے میرا ریمانڈ لینا تھا اس ریمانڈ کے دوران مجھ سے باقاعدہ پوچھ گچھ ہونی تھی اور ظاہر ہے کہ مجھ پر تشدد بھی کیا جانا تھا۔

میں ایک تکلیف دہ چکر میں پھنس گیا تھا اور اُس کا انجام دس پندرہ سال کی قید ہی ہو سکتا تھا یعنی مجھے دس پندرہ سال جیل میں رہ کر بسر کرنے تھے جس کے خیال ہی سے مجھے وحشت ہونے لگتی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر کے خدا سے بڑی دعا مانگی کہ یا اللہ پاک! مجھے کسی وسیلے سے اس عذاب سے نجات عطا فرما۔ میں آئندہ کبھی کوئی ایسی

حرکت نہیں کروں گا جس کے بعد مجھے پچھتانا پڑے۔

خدا کے حضور دُعا مانگنے سے مجھے کچھ حوصلہ ہو گیا اور میں سوچنے لگا کہ میری نجات کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور بن جائے گا۔ میں کوٹھڑی کے کونے میں ایک پرانے کمبل کے اوپر لیٹا ہوا تھا۔ ایک پرانا کمبل میں نے اُوپر لے رکھا تھا۔

نیند غائب تھی۔ دروازے کی سلاخوں کے باہر پہلا مسلح کانسٹیبل جا چکا تھا اس کی جگہ دوسرا کانسٹیبل ڈیوٹی دینے آگیا ہوا تھا۔ وہ رائفل کندھے سے لگائے کھڑا تھا۔

اتنے میں مجھے فضا میں ایک مانوس سی خوشبو محسوس ہوئی۔ میں ٹھٹھک سا گیا۔ یہ خوشبو مجھے اس وقت آئی تھی جب میں نے روہت گڑھ جھانسی کے پرانے قلعے کے ویران محل سے روہنی کی روح کو مرتبان سے آزاد کیا تھا۔

تو کیا روہنی کوٹھڑی میں موجود ہے؟

اس خیال سے میں آہستہ سے اُٹھ کر بیٹھ گیا اور بڑے غور سے کوٹھڑی میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کوٹھڑی خالی اور سنسان پڑی تھی۔ خوشبو برابر آرہی تھی۔ یہ روہنی ہی کی خوشبو ہو سکتی تھی۔ خوشبو مدھم تھی جیسے دُور سے آرہی ہو۔ پھر خوشبو گہری ہونے لگی جیسے دُور سے قریب آرہی ہو۔ میں دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا۔ کانسٹیبل نے سلاخوں میں سے مجھ پر نگاہ ڈالی اور یہ دیکھ کر کہ میں اٹھ کر بیٹھ گیا ہوں منہ دوسری طرف کر لیا۔ اس کے لئے فکر کرنے کی کوئی بات نہیں تھی۔ قیدی کوٹھڑی میں موجود تھا۔

اب خوشبو مجھے بڑے قریب سے آنے لگی تھی۔

میں چوکس اور ہوشیار ہو کر بیٹھا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ اگر یہ خوشبو روہنی ہی کی ہے تو وہ اس وقت کوٹھڑی میں میرے پاس موجود ہے۔ مجھے اپنے قریب ہی کسی کے ریشمی کپڑوں کی سرسراہٹ سی سنائی دی۔ میں بالکل ساکت ہو گیا۔ پھر کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اُس ہاتھ کی نرمی اور محبت بھرے احساس کو میں نے

پہچان لیا۔ یہ روہنی کا ہاتھ تھا۔ وہ کوٹھڑی میں آچکی تھی۔ مگر میں اُسے آواز دے کر بلا نہیں سکتا تھا۔ پھر میرے کان میں روہنی کی سرگوشی سنائی دی۔

”شیروان فکر نہ کرو۔ میں تمہاری مدد کو آگئی ہوں۔“

میں نے سرگوشی میں کہا۔ ”روہنی! روہنی! کیا یہ تم ہو؟“

”ہاں۔“ روہنی نے سرگوشی کی۔ ”میں تمہاری روہنی یعنی شہزادی سلطانہ ہوں۔“

میں نے سرگوشی میں کہا۔ ”خدا کا شکر ہے کہ تم رگھو پجاری کی قید سے آزاد ہونے میں کامیاب ہو گئیں۔“

روہنی نے سرگوشی میں کہا۔ ”یہ لمبی کہانی ہے پھر سناؤں گی۔ اس وقت میں تمہیں یہاں سے نکالنے آئی ہوں۔“

گارڈ کانسٹیبل نے شاید ہماری سرگوشیوں کی آواز سن لی تھی یا اسے کوئی شک سا پڑ گیا تھا اس نے سلاخوں میں سے جھانک کر مجھے دیکھا اور پوچھا۔ ”تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟“

میں نے کہا۔ ”اگر میں کسی سے باتیں کر رہا ہوتا تو دوسرا آدمی تمہیں نظر آجانا چاہئے تھا مگر تم دیکھ رہے ہو کہ میں کوٹھڑی میں اکیلا ہوں۔“

گارڈ نے غور سے کوٹھڑی میں چاروں طرف دیکھا پھر باہر سے سوئچ اون کیا اور کوٹھڑی کا بلب روشن ہو گیا۔ وہ بولا۔ ”مگر یہ آواز سی کیسی آرہی تھی؟“

میں نے کہا۔ ”میں اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔“

گارڈ نے ڈانٹ کر کہا۔ ”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ خاموشی سے لیٹ جاؤ۔“

روہنی نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ”اس کو معلوم ہی نہیں کہ تم ابھی کوٹھڑی سے غائب ہونے والے ہو۔ پھر تو اس کی حیرانی دیکھنے والی ہو گی۔“

میں نے روہنی سے کہا۔ ”جو کرنا ہے خاموشی سے کرو تا کہ یہاں سے ایک بار

باہر نکل جائیں۔"

میری سرگوشی کچھ اونچی ہو گئی تھی۔ "ڈیوٹی گارڈ نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بولا۔ "تم پھر باتیں کرنے لگے؟ تمہیں کہہ دیا ہے کہ خاموشی سے سو جاؤ۔"

خدا جانے روہنی کو کیا مذاق سوجھا اس نے پوری آواز میں کہا۔ "قیدی مجھ سے باتیں کر رہا ہے تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

ایک عورت کی آواز سن کر ڈیوٹی گارڈ کانسٹیبل نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ "یہ کون تھا؟"

میں نے کہا۔ "میں ہی عورت کی آواز میں بول رہا تھا۔"

کانسٹیبل کو میری بات کا یقین کرنا ہی پڑا کیونکہ کوٹھڑی میں اُسے روہنی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے روہنی کو سرگوشی میں کہا۔ "روہنی! خدا کے لئے کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کرنا۔"

روہنی نے پوری آواز میں کہا۔ "کانسٹیبل! میں قیدی کو لے جا رہی ہوں لیکن میں نہیں چاہتی کہ بعد میں تم پر الزام لگے کہ تم نے قیدی کو رشوت لے کر بھگا دیا تھا اس لئے فوراً نیچے سے پولیس انسپکٹر یا تھانیدار کو اُوپر بلاؤ تاکہ میں اُن کی موجودگی میں قیدی کو لے جاؤں۔"

کانسٹیبل پر ایک عجیب خوف طاری ہو گیا تھا۔ وہ ایک عورت کی آواز سن رہا تھا مگر کوٹھڑی میں عورت موجود نہیں تھی۔ اس نے وہیں سے کسی کو آواز دے کر کہا۔ "خداداد! خداداد! ایس ایچ او صاحب کو فوراً اُوپر بھیجو۔ اُوپر گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

نیچے ایک شور سا سنائی دیا۔ میں نے روہنی سے اپنی پوری آواز میں کہا۔ "روہنی! یہاں سے نکل چلو اس کی ضرورت نہیں۔"

روہنی نے کہا۔ "شیروان! میں تمہیں لے کر غائب ہو گئی تو اس کانسٹیبل پر مصیبت آ جائے گی۔ یہ معطل ہو جائے گا اور ایک بھارتی جاسوس کو فرار کرانے کے

الزام میں ہو سکتا ہے بے چارے کو قید بھی ہو جائے اس لئے میں تھانے کے ذمہ دار افسروں کے سامنے تمہیں غائب کرنا چاہتی ہوں تاکہ اس سپاہی کی جان بچ جائے۔"

کوٹھڑی میں سے عورت کی آواز آتی سن کر گارڈ کانسٹیبل آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کوٹھڑی میں دیکھ رہا تھا اور اس نے رائفل اپنے ہاتھوں میں سیدھی کر لی تھی۔

اتنے میں برآمدے میں بہت سے تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر تھانیدار اور چار سپاہی دروازے پر نمودار ہوئے۔

"کیا بات ہے؟" تھانیدار نے گارڈ کانسٹیبل سے پوچھا۔

گارڈ کانسٹیبل نے کہا۔ "سر! کوٹھڑی میں سے کسی غیبی عورت کی آواز آ رہی ہے وہ کہہ رہی ہے میں قیدی کو لینے آئی ہوں۔"

تھانیدار نے پستول نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا اور میری طرف سلاخوں کے پیچھے سے دیکھا اور بولا۔ "اندر تو کوئی عورت نہیں ہے۔ تم سو تو نہیں گئے تھے؟"

کانسٹیبل نے کہا۔ "نہیں سر! میں جاگ رہا ہوں۔ میں نے جاگتے میں عورت کی آواز سنی تھی۔ اُس نے کہا تھا اپنے افسروں کو بلاؤ میں اُن کے سامنے قیدی کو لے جانا چاہتی ہوں۔"

تھانیدار نے کانسٹیبل کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا۔ "تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تم ڈیوٹی دینے کے لائق نہیں رہے۔"

اسی وقت روہنی نے اپنی پوری آواز میں کہا۔ "تھانیدار صاحب! بے چارے کانسٹیبل کو نہ ڈانٹئے۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے خود اُسے کہا تھا کہ اپنے افسروں کو بلاؤ۔"

غیبی عورت کی آواز سن کر تھانیدار بھی ایک بار ہکا بکا سا ہو کر رہ گیا۔ روہنی نے کہا۔ "حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کوٹھڑی میں موجود ہوں مگر تم لوگ مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ جس آدمی کو آپ لوگوں نے پکڑ رکھا ہے وہ بھارتی جاسوس نہیں

ہے۔ وہ پاکستان سے محبت کرنے والا سچا پاکستانی ہے اور مسلمان ہے۔ اسی لئے میں اسے لے جا رہی ہوں۔"

تھانیدار نے بڑی ہمت کر کے پوچھا۔ "کیا تم کوئی جن بھوت ہو؟"

روہنی نے کہا۔ "جی ہاں! جن بھوت ہی سمجھ لیجئے۔ میں اس بے گناہ قیدی کو لے جا رہی ہوں۔ خدا حافظ!"

اس کے ساتھ ہی روہنی نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جیسے ہی اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا مجھے اپنا آپ نظر آنا بند ہو گیا۔ میں اپنے جسم کا وزن باقاعدہ محسوس کر رہا تھا مگر مجھے اپنا جسم نظر نہیں آ رہا تھا۔ روہنی پہلے ہی غائب تھی اب میں بھی اس کے ساتھ غائب ہو گیا تھا۔

اس وقت جس حیرت اور دہشت کے عالم میں کوٹھڑی کے سلاخوں والے دروازے کے باہر کھڑے سپاہی اور تھانیدار کوٹھڑی میں دیکھ رہے تھے میں اسے نہیں بھول سکتا۔ تب روہنی مجھے ساتھ لے کر فرش سے چار پانچ فٹ بلند ہو گئی اور ہم اپنے غیبی جسموں کے ساتھ دروازے کی سلاخوں میں سے اس طرح گزر گئے جس طرح دھواں سلاخوں میں سے گزر جاتا ہے۔

سپاہی اور تھانیدار سلاخوں کے ساتھ لگے ابھی تک کوٹھڑی میں ہی بت بنے دیکھ رہے تھے اور ہم اُن کے درمیان سے اس طرح سلاخوں میں سے نکل گئے تھے جیسے ہوا کا جھونکا نکل جاتا ہے۔ ہمارے جانے کے بعد اُن کا کیا حال ہوا؟ اس کی مجھے خبر نہیں ہے۔ میں روہنی کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے پولیس ہیڈ کوارٹر کی دوسری منزل سے نیچے آنے کی بجائے صحن کے درختوں کے اُوپر سے ہو کر جا رہا تھا۔ میں نے روہنی سے پوچھا۔ "روہنی! تمہیں معلوم ہے میرے ساتھ کیا گزری؟"

روہنی نے کہا۔ "ایک جگہ بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ مجھے معلوم ہے تمہارے ساتھ کیا بیتی تھی۔ کسی جگہ بیٹھ کر میں تمہیں یہ سناؤں گی کہ میرے ساتھ کیا

گزری۔"

میں خاموش ہو گیا۔ روہنی سچ کہہ رہی تھی۔ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ میرے ساتھ کیا گزری ہے اور میں کہاں ہوں۔ اگر وہ میری حالت سے بے خبر ہوتی تو میری مدد کو کیسے پہنچتی۔ رات خاموش تھی۔ ہم لاہور کی مال روڈ کے درختوں کے اُوپر سے ہو کر ٹولنٹن مارکیٹ کی طرف جا رہے تھے۔ مال روڈ سنسان پڑی تھی۔ اُس زمانے میں رات کے وقت لاہور کی سڑکوں پر ٹریفک بالکل نہیں ہوتی تھی۔ سڑک کی بتیاں روشن تھیں۔ ہم ٹولنٹن مارکیٹ کے بھی اوپر سے ہو کر گزر گئے۔

میں نے روہنی سے پوچھا۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

روہنی نے کہا۔ "مجھے لاہور شہر میں شہنشاہ جہانگیر کا مقبرہ بہت پسند ہے۔ ہم جہانگیر کے مقبرے میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

ہم ٹولنٹن مارکیٹ سے گورنمنٹ کالج کے اوپر سے ہوتے ہوئے بھاٹی دروازے کی طرف آ گئے۔ وہاں سے ہم نے دریائے راوی کے پل کی طرف رُخ کر لیا اور شاہدرہ پہنچنے کے بعد مقبرہ جہانگیر کو جانے والی چھوٹی سی سڑک کے اُوپر آ گئے۔ ابھی یہ سڑک پکی نہیں ہوئی تھی۔ مقبرہ جہانگیر کا دروازہ بند تھا اور چوکیدار ایک طرف بنچ پر لیٹا ہوا تھا۔

ہم بند دروازے میں سے گزر کر مقبرے کے اندر آ گئے۔ عجیب تجربہ تھا یہ..... آج اس کا تصور کرتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ شاید میں نے کوئی خواب دیکھا تھا۔ ہم مقبرہ جہانگیر کے بڑے چبوترے پر ایک طرف درختوں کے نیچے بیٹھ گئے۔ روہنی نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور مجھے اپنا جسم پھر سے دکھائی دینے لگا۔ روہنی اسی طرح غائب تھی لیکن میں اپنی انسانی حالت میں واپس آ گیا تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ مقبرے کے چاروں طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ روہنی کہنے لگی۔

"شیروان! کیا تم جے پور کے ویران محل میں میری سہیلی دُرگا کی بدروح کے پاس گئے

تھے؟"

میں نے کہا۔ "روہنی! جب میں نے متھرا شہر کے شمشان گھاٹ پر تمہیں پجاری رگھو کے ہاتھوں قید ہوتے اور اس کے قبضے میں جاتے دیکھا تو تمہاری ہدایت کے مطابق میں اسی وقت اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگ نکلا اور میں سمجھ گیا تھا کہ تمہارا کوئی بھی منتر ہمارے دشمن پجاری رگھو کو ہلاک نہیں کر سکا اور اُس نے تمہیں اپنے قابو میں کر لیا ہے اور اب یقیناً وہ مجھے جان سے مارنے کی کوشش کرے گا تو میں وہاں سے فرار ہو کر سیدھا جے پور کے ویران محل میں پہنچا اور جیسی بھی میری حالت تھی اسی حالت میں جب آدھی رات کو دُرگا کی بدروح ظاہر ہوئی تو میں نے اُسے بتایا کہ روہنی کو پجاری رگھو اغواء کر کے لے گیا ہے اور اُس نے مجھے تمہارے پاس مدد کے لئے بھیجا ہے۔"

روہنی نے پوچھا۔ "پھر دُرگا نے کیا جواب دیا؟"

میں نے کہا۔ "دُرگا نے کہا کہ میں پجاری رگھو کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مجھے افسوس ہے کہ پجاری رگھو نے روہنی کو پھر اپنے قبضے میں کر لیا ہے لیکن افسوس کہ میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ میں نے اُسے کہا کہ مجھے کوئی طریقہ بتاؤ کہ میں روہنی کو پجاری رگھو کی قید سے آزاد کرا سکوں۔"

پھر اُس نے کیا کہا؟" روہنی نے پوچھا۔

میں نے کہا۔ "دُرگا نے کہا تم عام منش یعنی عام انسان ہو۔ تم پجاری رگھو کی جادوئی طاقت کا مقابلہ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ روہنی کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور مجھے یقین ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن پجاری رگھو کی قید سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جائے گی۔ میں کیا کہتا وہیں سے واپس چلا گیا۔"

روہنی کہنے لگی۔ "دُرگا نے صحیح کہا تھا۔ خود مجھے بھی پجاری رگھو کی نئی طاقت کا اندازہ نہیں تھا جو اُس کو شیش ناگن نے دے رکھی تھی۔ پجاری رگھو نے اپنی اُسی

طاقت سے مجھے شکست دی تھی ورنہ میں نے جس طلسمی منتر سے اُس پر حملہ کیا تھا اس کا وار کبھی خالی نہیں جا سکتا تھا۔"

"لیکن پھر تم اُس کی قید سے کیسے فرار ہوئیں روہنی؟"

میرے سوال کے جواب میں روہنی کہنے لگی۔ "یاد رکھو! شیطان کی طاقت کتنی بھی کیوں نہ بڑھ جائے وہ نیکی کی طاقت کا کبھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اگر میں بدروح ہوتی تو شاید میں اپنے دشمن رگھو کی قید سے کبھی رہائی حاصل نہ کر سکتی لیکن شیروان! میں بدروح نہیں ہوں بلکہ ایک بھٹکی ہوئی روح ہوں وہ بھی اس لئے ہوں کہ مجھ سے نادانستگی میں یعنی انجانے پن میں ایک گناہ سرزد ہو گیا تھا میں اُس کی سزا بھگت رہی ہوں۔ چنانچہ قدرت کسی نہ کسی وسیلے سے جب میری مصیبت انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو ضرور میری مدد کرتی ہے۔ تمہیں یاد ہے جب میری اذیت میری برداشت سے باہر ہو گئی تھی تو قدرت نے تمہیں میری مدد کے لئے بھیج دیا تھا اور تم نے مجھے مرتبان سے آزاد کر دیا تھا۔"

میں نے کہا۔ "لیکن اس کے ساتھ ہی میں بھی تو ایک ایسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا تھا کہ جس کو ابھی تک بھگت رہا ہوں۔"

روہنی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے یہ تمہیں کسی تمہارے گناہ کی سزا مل رہی ہو بہر حال میری عقل چھوٹی سی ہے میں یہ مسئلے نہیں سمجھ سکتی۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ انسان کو سخت مصیبتوں میں بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے اور ہمیشہ اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے دعا مانگنی چاہئے۔ سب مصیبتیں انسان کے کسی نہ کسی اپنے برے عمل کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ بہر حال پجاری رگھو نے مجھے ایک ایسی جگہ بند کر دیا جہاں سے اس دنیا کا کوئی انسان مجھے باہر نہیں نکال سکتا تھا۔ جس طرح اپنے محل کی دیوار میں مرتبان میں بند ہونے کے بعد میں ہر وقت خدا کے حضور اپنے گناہوں کی بخشش کی دعا مانگتی رہتی تھی اسی طرح جب رگھو نے مجھے زمین کے اندر پاتال کے سب

سے گھرے غار میں ایک چھپکلی بنا کر پھینک دیا تو میں یعنی میری بھٹکی ہوئی روح سجدہ ریز ہو کر خدا سے اپنے گناہوں کی بخشش کی دعائیں مانگنے لگی۔"

روہنی ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گئی۔ وہ مجھے نظر نہیں آ رہی تھی لیکن اُس کی خوشبو مجھے برابر آ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "پھر کیا ہوا روہنی؟"

اُس نے کہا۔ "آخر خدا نے میری فریاد سن لی اور پھر ایسا ہوا کہ میری مدد کے لئے ایک ذریعہ پیدا کر دیا۔ ہمارے دشمن پجاری رگھو نے مجھے پاتال کے جس گھرے غار میں پھینکا تھا وہاں ایک نہر بہہ رہی تھی۔ اُس نہر کا پانی اتنا گرم تھا کہ اس میں سے بھاپ نکل رہی تھی۔ میں اس نہر کے کنارے گیلی دیوار سے چمٹی ہوئی تھی۔ گرم نہر کے پانی کی بھاپ مجھے جلا رہی تھی مگر میں اپنی جگہ سے حرکت کرنے سے معذور تھی اور دوڑ کر کسی دوسری جگہ نہیں جا سکتی تھی۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ اس عذاب میں مجھے کتنے دن، کتنی راتیں گزر گئیں میں اس قدر تھک گئی تھی کہ لگتا تھا ابھی دیوار سے الگ ہو کر نیچے نہر کے کھولتے ہوئے پانی میں گر پڑوں گی۔

پھر ایسا ہوا کہ میں نے کسی سفید سی چیز کو دیوار پر رینگ کر اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ جب یہ شے میرے قریب آئی تو میں نے دیکھا کہ یہ ایک سفید سانپ تھا۔ میں ٹکٹکی باندھے سہمی ہوئی آنکھوں سے سانپ کو دیکھ رہی تھی۔ سانپ چھپکلی کا دشمن ہوتا ہے۔ میں سمجھ گئی کہ سانپ ابھی اپنا منہ کھول کر مجھ پر حملہ کر کے مجھے نگل جائے گا۔ لیکن سفید سانپ نے ایسا نہ کیا۔ جس طرح انسانوں اور اور زمین کے اُوپر رہنے والے پرندوں اور جانوروں کی اپنی زبان ہوتی ہے اسی طرح زمین کے نیچے رہنے والے حشرات الارض کی بھی اپنی ایک زبان ہوتی ہے جس میں وہ ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں۔ سفید سانپ نے مجھ سے کہا۔ گھبراؤ نہیں میں تمہیں ہڑپ کرنے نہیں بلکہ تمہاری مدد کرنے آیا ہوں۔ میں بڑی حیران ہوئی۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہا تو سفید سانپ نے کہا خاموش رہو تمہاری آواز دوسرے

سانپوں نے سن لی تو تمہارے دشمن کو خبر ہو جائے گی اور پھر میں بھی تمہیں پاتال سے نہیں نکال سکوں گا۔ میں چپ ہو گئی۔ سفید سانپ نے کہا جیسے میں کہتا ہوں ویسے کرتی جاؤ۔ میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ بڑی احتیاط سے میرے جسم کے ساتھ چمٹ جاؤ۔ سفید سانپ یہ کہہ کر رینگ کر میرے بالکل نیچے دیوار پر آ گیا۔ میں ہمت کر کے اپنی جگہ سے تھوڑی سی ہلی اور پھر اُچک کر سانپ کی پشت پر آ کر اُس کے جسم سے چمٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی سانپ دیوار پر آگے کی طرف رینگنے لگا۔ وہ دیوار پر اونچا ہو کر رینگ رہا تھا اور وہاں گرم پانی کی بھاپ کی گرمی کم محسوس ہو رہی تھی۔ نہر آگے جا کر ایک طرف کو گھوم گئی۔ سفید سانپ بھی اُس طرف مڑ گیا۔ یہ غار بہت لمبا تھا۔ خدا جانے سانپ کب تک مجھے اپنے جسم سے چمٹائے دیوار پر رینگتا چلا گیا۔ پھر ایسا ہوا کہ نہر کے پانی سے بھاپ خارج ہونا بند ہو گئی اور شدید گرمی کا احساس ختم ہو گیا۔ کچھ اور آگے جا کر گرمی کا احساس بالکل ہی ختم ہو گیا اس کی بجائے مجھے ہلکی ہلکی خنکی محسوس ہونے لگی۔ سفید سانپ نے کہا ہم منزل کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ ایک جگہ بڑی زبردست گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ سفید سانپ نے کہا گھبرانا نہیں آگے نہر ایک کنوئیں میں گر رہی ہے۔ اس کنوئیں کی کوئی تہہ نہیں ہے۔ اس کنوئیں کا پانی زمین کے اندر ہی اندر سمندر سے جا کر مل جاتا ہے۔ میں خاموشی سے سانپ کی باتیں سن رہی تھی اور خدا سے دعا مانگ رہی تھی کہ وہ مجھے اس مصیبت سے خیر وعافیت کے ساتھ نکال دے۔"

میں بڑی دلچسپی سے روہنی کی داستان سن رہا تھا۔ جب وہ ایک لمحے کے لئے چپ ہو گئی تو میں نے پوچھا۔ "پھر کیا ہوا روہنی؟"

روہنی نے کہا۔ "پھر ایسا ہوا کہ جہاں زمین کے اندر بہنے والی نہر کا پانی ایک گھرے اندھیرے کنوئیں میں خوفناک آواز کے ساتھ گرتا تھا وہاں سے کنوئیں کی گول دیوار اوپر کی طرف بھی جاتی تھی۔ سفید سانپ مجھے لے کر کنوئیں کی دیوار سے

چمٹ گیا اور اوپر کی طرف رینگنے لگا۔ کنوئیں کی دیوار ایسی تھی کہ جگہ جگہ سے بڑے بڑے نوکیلے پتھر باہر کو نکلے ہوئے تھے۔ سفید سانپ بڑی احتیاط کے ساتھ اُن نوکیلے پتھروں کے درمیان سے راستہ بناتا اوپر کنوئیں کے دہانے کی طرف رینگ رہا تھا۔ چونکہ سفید سانپ نے مجھے بولنے سے منع کر دیا تھا اس لئے میں نے اس سے بالکل نہ پوچھا کہ یہ کس قسم کا کنواں ہے کہ جس کی گول دیوار میں سے اتنے خوفناک پتھر باہر کو نکلے ہوئے ہیں۔ کنوئیں کے اندر سے گندھک کی تیز بو آ رہی تھی۔ ایک جگہ دیوار کے پتھروں پر سرخ لاوے کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ سفید سانپ مجھے لے کر اوپر کی طرف رینگتا ہی چلا گیا۔ کافی وقت گزر گیا آخر مجھے اوپر روشنی کا گول نقطہ سا نظر آنے لگا۔ جیسے جیسے ہم اوپر کی طرف رینگ رہے تھے نقطہ بڑا ہوتا جا رہا تھا۔ میں سمجھ گئی کہ یہ اس کنوئیں کا دہانہ ہے۔ جب سفید سانپ دہانے کے قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک طرف دیوار پر جمے ہوئے ٹھنڈے لاوے نے اُوپر جانے کا ایک قدرتی سا راستہ بنا دیا تھا۔ سفید سانپ اُس راستے پر رینگنے لگا۔ آخر ہم کنوئیں کے دہانے سے باہر نکل آئے۔

میں نے پوچھا۔ ”کیا وہ کوئی آسیبی کنواں تھا؟“

روہنی نے کہا۔ ”نہیں۔ وہ ایک آتش فشاں پہاڑ تھا جو ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ آتش فشاں پہاڑ کے دہانے سے باہر آ کر سفید سانپ نے مجھے نیچے اُتار دیا۔ مجھ میں اب حرکت کرنے کی طاقت آ چکی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ہمارے ارد گرد فاصلے فاصلے پر کتنے ہی آتش فشاں پہاڑ تھے جن میں دھماکے ہو رہے تھے اور اُن کے دہانوں سے گرم کھولتا ہوا سرخ رنگ کا لاوا اُبل اُبل کر باہر بہہ رہا تھا۔ اگرچہ یہ آتش فشاں ہم سے کافی فاصلے پر تھے لیکن ان کی تپش وہاں تک ہمیں محسوس ہو رہی تھی۔ سفید سانپ نے کہا یہ وہ جگہ ہے جہاں بدروحوں کے آسیب رہتے ہیں۔ میں نے کہا کیا میں کچھ بول سکتی ہوں۔ سانپ نے کہا اب ہم پاتال سے باہر آ گئے ہیں تم بات کر سکتی ہو۔ میں

نے سفید سانپ سے پوچھا کہ کیا یہ بدروحوں کے آسیب ہمیں کچھ نہیں کہیں گے۔ سفید سانپ نے کہا آسیب بڑے خطرناک اور ظالم ہوتے۔ ہیں وہ انسانوں اور حشرات الارض سب کے دشمن ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں اس لئے کچھ نہیں کہیں گے کہ میرے منہ میں شیش ناگن کا دیا ہوا مہرہ موجود ہے۔ جس کے پاس یہ مہرہ ہو بدروح آسیب اس سے ڈرتے ہیں اور اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ اس لئے میں نے تمہیں اپنی پیٹھ سے چمٹا لیا تھا۔ اب تم ایسا کرو کہ اس سے پہلے کہ کوئی آسیب تم پر حملہ کر دے فوراً میری پیٹھ کے ساتھ چمٹ جاؤ۔ میں نے ایسا ہی کیا اور سفید سانپ کی پیٹھ پر چڑھ کر اُس سے چمٹ گئی۔ سانپ وہاں سے چل پڑا۔ خدا جانے وہ کس طرح دھماکوں کی ڈراؤنی آوازیں پیدا کرتے کھولتا ہوا لاوا اگلتے، چھوٹے بڑے آتش فشاں پہاڑوں کے درمیان سے بچ بچ کر رینگتا، اس علاقے سے آگے نکل گیا۔ اب ہم ایک ایسی جگہ سے گزر رہے تھے جہاں ہمارے ارد گرد نوکیلے ستونوں کی شکل میں سیاہ چٹانیں کھڑی تھیں۔ یہاں ڈراؤنی، پراسرار آوازیں اور کبھی ان آوازوں کی سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں۔ سفید سانپ نے کہا ڈرنا مت یہ بدروحوں کے آسیب کی آوازیں ہیں مگر وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ ہم اُن سیاہ فام خوفناک چٹانوں میں سے بھی گزر گئے۔ پھر ہم ایک ایسے میدان میں آ گئے جہاں پہلی بار مجھے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے محسوس ہوئے۔ میں نے اُوپر دیکھا تو آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ دُور درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ میں نے سفید سانپ سے پوچھا یہ کون سی جگہ ہے؟ اس نے کہا ہم بدروحوں اور آسیبوں کی دنیا سے نکل کر انسانوں کی دنیا میں آ گئے ہیں۔ آگے ایک چھوٹا سا جنگل ہے۔ جنگل کے آگے ایک شہر ہے۔ جنگل کے کنارے میں تم سے جدا ہو جاؤں گا۔ چنانچہ جنگل کے کنارے پر آ کر سفید سانپ نے مجھے زمین پر اُتار دیا اور کہنے لگا میں جانتا ہوں تم ایک اچھی رُوح ہو، مگر اپنے ایک گناہ کی سزا بھگت رہی ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہیں تمہارے دشمن پجاری رگھو نے پاتال

میں پھینک دیا تھا۔ مگر اب تم آزاد ہو۔ میں نے سفید سانپ سے کہا پجاری رگھو تو پھر
مجھے پکڑ کر پاتال میں پھینک دے گا۔ سفید سانپ نے کہا اب وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ میں
جانتا ہوں اس نے تمہیں شیش ناگن کے منتری کے بتائے ہوئے ایک منتر سے شکست
دی تھی اور تمہیں اپنے قبضے میں کر لیا تھا مگر اب وہ ایسا نہیں کر سکے گا میں تمہیں شیش
ناگن کا مہرہ دیتا ہوں اس مہرے کو سنبھال کر اپنے پاس رکھنا اس کو اپنے پاس رکھ کر
جب تم اپنے دشمن اور قاتل پجاری رگھو پر حملہ کرو گی تو تم اس پر فتح پالو گی اور اسے
بڑی آسانی سے ہلاک کر کے اپنے قتل کر بدلہ لے لو گی۔ میں بڑی خوش ہوئی چنانچہ
سفید سانپ نے اپنے منہ کی تھیلی میں سے انار کے دانے کے برابر ایک کالے رنگ کا
مہرہ نکال کر مجھے دیا اور بولا۔ "یہ شیش ناگن کا مہرہ ہے۔ یہ تمہارے پاس ہو گا تو رگھو تو
کیا کسی خطرناک سے خطرناک بدروح کا آسیب بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور
تمہارے قریب بھی نہیں آئے گا۔ میں نے سفید سانپ سے کہا مگر اس کے بغیر
آسیب تم پر حملہ کر دے گے تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا میری فکر نہ کرو۔ میرے پاس
شیش ناگن کا آتش ناک منتر بھی ہے اس کو پڑھ کر پھونکوں گا تو آسیب اور بدروحیں
بھاگ جائیں گے اور پھر میں شیش ناگن سے دوسرا مہرہ بھی لے لوں گا۔ تم اسے اپنے
پاس رکھو اور پجاری رگھو کو بھسم کر کے خلق خدا کو اس کے عذاب سے نجات دلاؤ۔
تمہیں اس کی بہت ضرورت ہے۔ میں نے سفید سانپ کا شکریہ ادا کیا اور آخر میں کہا
کہ میں ابھی تک چھپکلی کے روپ میں ہوں میں ایسے انسانوں کی دنیا میں نہیں جانا
چاہتی اور میرے پاس میری طاقت بھی نہیں ہے۔ سفید سانپ نے کہا میرے سامنے
آ جاؤ۔ میں زمین پر رینگ کر سفید سانپ کے سامنے آ گئی۔ سانپ نے مجھ پر ایک گرم
پھنکار پھینکی اور اس کے ساتھ ہی میں اپنے اصلی عورت کے روپ میں واپس آ گئی۔
مجھے محسوس ہوا کہ میری ساری طاقت بھی واپس آ گئی ہے۔ سفید سانپ نے کہا
انسانوں کی دنیا میں جاؤ اور اپنی طاقت سے دکھی انسانوں کی مدد کرو۔ کبھی کسی انسان کو

تنگ نہ کرنا۔ کوئی مصیبت زدہ ہو تو اس کی مدد کرنا، اس سے تمہارے گناہ کی بخشش ہو
جائے گی۔ یہ کہہ کر سفید سانپ غائب ہو گیا۔ میں رات کے سناٹے میں جنگل کے
کنارے اپنے عورت کے روپ میں ساڑھی میں ملبوس کھڑی تھی اور سفید سانپ کا دیا
ہوا شیش ناگ کا سیاہ مہرہ میری مٹھی میں تھا۔"

روہنی چپ ہو گئی۔ میں اس کی عجیب و غریب حیرت انگیز داستان میں کھو گیا تھا۔

میں نے پوچھا۔ "پھر کیا ہوا؟"

روہنی نے کہا۔ "پھر میں نے ایسا کیا کہ اپنی طاقت کو استعمال کر کے منتر پڑھ کر
غائب ہو گئی کیونکہ آگے کوئی شہر تھا اور رات کے وقت خوبصورت لباس پہن کر اکیلی
عورت شہر کی سڑک پر پھرتی عجیب لگتی ہے اور ویسے بھی میں اس شہر کے بارے میں
معلوم کرنا چاہتی تھی کہ یہ کون سا شہر ہے اور میں کس ملک میں ہوں چنانچہ میں جنگل
میں داخل ہو گئی۔ . . . ."

O

روہنی کی طلسمی داستان میں بڑی توجہ اور گہری دلچسپی سے سن رہا تھا کیونکہ اب یہی عورت مجھے اس مصیبت سے نکال سکتی تھی جس مصیبت میں، میں اور زیادہ پھنس چکا تھا میں نے اُس سے پوچھا۔ ”جنگل کے آگے کون سا شہر تھا؟“

روہنی نے کہا۔ ”وہی میں تمہیں بتانے والی ہوں۔ میں جنگل میں سے گزر گئی۔ اب میرے سامنے ایک شہر کی روشنیاں تھیں۔ میں ایک سڑک پر چلنے لگی۔ سڑک خالی پڑی تھی۔ مجھے وہ سڑک کچھ جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا تم یہ سن کر حیران ہو گے کہ وہ شہر بھارت کا قدیم مندروں کا شہر متھرا تھا۔ یہی وہ شہر تھا جس کے ویران شمشان گھاٹ میں ہمارے دشمن پجاری رگھو نے اپنے ایک خاص خفیہ منتر کو پڑھ کر مجھے اپنے قبضے میں کر لیا تھا اور پاتال میں پھینک دیا تھا۔ مگر اب مجھے اس کے خفیہ منتر کی پرواہ نہیں تھی اس لئے کہ میرے پاس شیش ناگن کا مہرہ تھا جس کے طلسم کا مقابلہ پجاری رگھو کا کوئی منتر نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ سب سے پہلے اس بدکردار پجاری رگھو کا کام تمام کر کے اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھٹکارا حاصل کرنا چاہئے۔ مجھے معلوم تھا کہ پجاری رگھو کی بدروح اماوس کی رات کو شہر سے باہر والے شمشان گھاٹ کی یاترا کرنے آتی ہے۔ ابھی اماوس کی رات میں ایک ہفتہ باقی تھا۔ میں نے شہر کے ایک پرانے قلعے کے کھنڈر میں بسیرا کر لیا اور رات وہیں گزاری۔ دوسرے دن میں عام عورتوں کے حلیے میں متھرا شہر کے صرافہ بازار میں گئی اور وہاں ایک سنار کو شیش ناگن کا مہرہ دے کر کہا کہ اسے چاندی کی انگوٹھی میں

جڑ دے۔ میں نے اپنے سامنے شیش ناگن کا مہرہ چاندی کی انگوٹھی میں جڑوا کر اپنی انگلی میں پہن لیا۔ یہ دیکھو.....“

روہنی نے ہاتھ آگے کر کے مجھے اپنی انگلی دکھائی۔ اُس کے انگلی میں چاندی کی انگوٹھی تھی جس میں انار کے دانے کے برابر سیاہ مہرہ جڑا ہوا تھا۔ کہنے لگی۔ ”اس کی طاقت سے تم واقف نہیں ہو۔ اس کی طاقت کا توڑ تو کوئی بڑے سے بڑا آسیب بھی نہیں کر سکتا۔“

میں نے پوچھا۔ ”پھر کیا ہوا؟ کیا تمہارا اور رگھو کی بدروح کا مقابلہ ہوا؟“

”تم سنو تو سہی۔“ روہنی بولی۔ ”میں نے ایک ہفتہ متھرا شہر کے پرانے کھنڈر میں گزار دینے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ پجاری رگھو کی بدروح کو ایک ہفتہ بعد اماوس کی رات کو اس کھنڈر کے قریب شمشان گھاٹ کی یاترا کو آنا تھا۔ اماوس کی رات آنے میں دو ہی دن باقی تھے کہ مجھے یکایک تمہارا خیال آگیا اور پھر جب میں نے تمہارے حالات معلوم کئے تو مجھے پتہ چلا کہ اس وقت تمہیں میری اشد ضرورت ہے۔ تب میں یہاں تمہارے پاس حوالات میں پہنچ گئی۔

میں نے کہا۔ ”روہنی! تم نے اچھا کیا کہ چلی آئیں ورنہ یہ پولیس والے نہ جانے میرا کیا حشر کرتے۔ اب آگے کا کیا پروگرام ہے؟“

روہنی نے میرا ہاتھ تھام لیا اور بولی۔ ”ابھی پجاری رگھو کی بدروح سے نجات حاصل کرنے کا مرحلہ باقی ہے اور اب یہ بدروح میرا مقابلہ نہیں کر سکتی کیونکہ میرے پاس شیش ناگن کا مہرہ موجود ہے۔ پجاری رگھو کو جہنم واصل کرنے کے بعد ہم دونوں بے فکر اور آزاد ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں گے۔“

میں روہنی کے اس خیال سے متفق نہیں تھا کیونکہ بہر حال روہنی بھی ایک قسم کی بدروح ہی تھی اور وہ انسان نہیں تھی اور میں ایک بھٹکتی روح کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتا تھا۔ مگر ابھی مجھے روہنی کی ضرورت تھی کیونکہ ایک اور آسیب نتالیا کی

صورت میں میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ مجھے اس سے بھی نجات حاصل کرنی تھی جبکہ خود
روہنی کا کہنا تھا کہ آسیب جو ہوتا ہے، وہ بدروح سے زیادہ طاقتور اور زیادہ خطرناک
ہوتا ہے۔ اگرچہ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ شیش ناگن کا مہرہ اس کے پاس ہے اور جس
کے پاس یہ مہرہ ہو کوئی خطرناک اور طاقتور سے طاقتور آسیب بھی اس کے قریب
نہیں پھٹکتا۔ لیکن یہ مہرہ روہنی کی انگوٹھی میں جڑا ہوا تھا اور انگوٹھی روہنی کی انگلی میں
تھی۔ اگر میں یہ انگوٹھی کسی طریقے سے اس سے لے بھی لیتا تو نتالیا کے آسیب کا
خطرہ میرے سر پر ہر وقت تلوار کی طرح لٹکا رہتا۔ اگر کسی وقت انگوٹھی پہننی مجھے یاد
نہیں رہتی تو نتالیا کا آسیب وہ انگوٹھی غائب کر کے مجھے دوبارہ اپنے قبضے میں کر سکتا
تھا۔

یہ اندیشہ مجھے اس لئے تھا کہ میرا دل کہتا تھا کہ نتالیا اسی لڑکی کا آسیب ہے جس کو
روہنی نے شمشان گھاٹ کی کوٹھڑی کے مٹکے سے آزاد کیا تھا اور جس نے مجھے پسند کر
لیا ہوا تھا۔ اس کی تصدیق صرف روہنی ہی کر سکتی تھی چنانچہ میں نے روہنی سے کہا۔
"میں بھی رگھو کی بدروح کی موت سے بڑا خوش ہوں گا۔ روہنی! پھر ہم ہنسی خوشی
ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزار سکیں گے لیکن ابھی ہمارا ایک اور دشمن بھی باقی
ہے مجھے اس کا فکر لگا ہوا ہے۔"

روہنی نے حیران ہو کر پوچھا۔ "وہ کون سا دشمن ہے؟"

میں نے کہا۔ "شمشان گھاٹ کی آسیبی لڑکی۔ اس لڑکی کا آسیب جس کو تم نے
غلطی سے مٹکے کا ڈھکن سرکا کر آزاد کر دیا تھا اور جو مجھ کو پسند کرنے لگی ہے۔ وہ یہ کبھی
برداشت نہیں کرے گی کہ میں کسی دوسری عورت کے ساتھ زندگی بسر کروں اور
روہنی! مجھے یقین ہے کہ جو عورت مجھے مُردہ اور نیم مُردہ لوگوں کی دنیا سے نکال کر
بھارت کے شمالی پہاڑی علاقے کی ویران خانقاہ والے قلعے میں لے گئی تھی اور پھر اس
نے وہاں مجھ سے شادی رچائی تھی وہ وہی شمشان گھاٹ والی آسیبی لڑکی ہی ہے.....

شاید تمہیں میرے ان حالات کا علم نہیں ہے۔ اب میں تمہیں اپنی داستان سناتا ہوں
کہ تم سے جدا ہونے کے بعد مجھ پر کیا گزری....."

پھر میں نے روہنی کو اس غیبی لڑکی کا سارا قصہ سنا دیا جس نے مجھے مردہ اور نیم
مردہ دنیا سے نکالا تھا اور پھر مجھ سے زبردستی شادی کر لی تھی اور جس کا نام نتالیا تھا اور
جس سے بھاگ کر میں پولیس کی قید میں آ گیا تھا۔ روہنی خاموشی سے میری داستان
سنتی رہی۔ جب میں نے اپنی بپتا ختم کی تو اس نے کہا۔ "تمہارا اندازہ بالکل صحیح ہے
شیروان! وہ لڑکی شمشان گھاٹ کی آسیبی لڑکی ہی ہے اور وہ تمہیں نتالیا کے انسانی
روپ میں ملی اور اس نے تم سے بیاہ رچا لیا کیونکہ وہ تمہیں پسند کرتی تھی۔"

میں نے کہا۔ "اگر یہ سچ ہے تو میں پہلے سے زیادہ مشکل میں پھنس گیا ہوں کیونکہ
بقول تمہارے آسیب جو ہوتا ہے وہ بدروح سے زیادہ طاقتور اور خطرناک ہوتا ہے۔
یہ آسیبی لڑکی تو مجھے کبھی نہیں چھوڑے گی اور مجھے بڑی آسانی سے تلاش کر کے اپنے
قبضے میں کر لے گی۔"

روہنی بھی کچھ فکر مند ہو گئی تھی۔ کہنے لگی۔ "اس کا فوری طور پر ایک ہی علاج
ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

روہنی نے کہا۔ "وہ یہ کہ شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی تم اپنی انگلی میں پہن
لو۔ پھر وہ آسیبی لڑکی نتالیا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔"

میں نے کہا۔ "لیکن اس طرح تم خطرے میں ہو گی۔ رگھو پجاری کی بدروح اور
آسیبی لڑکی تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے اور تم شیش ناگن کی انگوٹھی
کے بغیر ان کا مقابلہ نہیں کر سکو گی۔"

روہنی نے کہا۔ "میں اُن سے کسی نہ کسی طرح اپنا بچاؤ کر لوں گی میں ایک روح
ہی تو ہوں، میں غائب ہو سکتی ہوں، کوئی نہ کوئی منتر پھونک کر آسیبی لڑکی کو تھوڑی

دیر کے لئے اپنے سے دُور رکھ سکتی ہوں۔ لیکن تم انسان ہو۔ تمہارے پاس کوئی طلسمی طاقت نہیں ہے وہ بڑی آسانی سے تمہیں اپنے قابو میں کر سکتی ہے اور اگر اُس کے اندر اس خیال سے حسد کی آگ بھڑک اٹھی کہ تم اس کے خاوند ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے پیار کرتے ہو یا کوئی دوسری عورت تم سے پیار کرتی ہے تو ہو سکتا ہے تمہیں ہلاک کر کے تمہاری روح کو اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش کرے اور یہ بڑی خطرناک اور عذاب دینے والی صورت ہو گی۔"

میں ڈر گیا۔ میں نے کہا۔ "اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے انگوٹھی مجھ سے الگ ہو جائے میں اسے پہننا بھول جاؤں یا وہ گم ہو جائے یا آسیبی لڑکی نتالیا ہی کسی ذریعے سے میری انگوٹھی اپنے قبضے میں کر لے، تو میں تو مارا جاؤں گا۔"

روہنی گہری سوچ میں تھی۔ لگتا تھا کہ اُسے حالات کی نزاکت اور سنگینی کا احساس ہو گیا ہے۔ کہنے لگی۔ "اس کا ایک ہی علاج ہے کہ کسی طرح اس آسیبی لڑکی کو بھی ہمیشہ کے لئے جلا کر بھسم کر دیا جائے۔"

"کیا ایسا ممکن ہے؟" میں نے پر امید لہجے میں پوچھا۔

روہنی نے کہا۔ "ایسا ممکن ہو سکتا ہے لیکن کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ ابھی مجھے معلوم نہیں ہے۔ اس کے لئے مجھے جے پور کے ویران محل والی اپنی سہیلی دُرگا کی بدروح سے مشورہ کرنا پڑے گا۔ اس کا کوئی حل وہی بتا سکتی ہے۔"

میں نے روہنی سے کہا۔ "مجھے تو خطرہ ہے کہ آسیبی لڑکی نتالیا اس وقت بھی یہاں نہ آجائے۔"

روہنی نے اپنی انگلی سے شیش ناگن کی انگوٹھی اتار کر اسی وقت میری انگلی میں ڈال دی اور کہا۔ "تمہارا اندیشہ غلط نہیں۔ نتالیا بڑی طاقتور اور خطرناک آسیبی لڑکی ہے۔ ایسی آسیبی لڑکی اگر کسی سے نفرت کرے تو اسے فوراً ہلاک کر ڈالتی ہے اور اگر کسی سے محبت کرے اور وہ آدمی کسی دوسری عورت سے پیار کرنے لگے تو وہ اس

آدمی کو بھی زندہ نہیں چھوڑتی۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ ان جن بھوتوں، بدروحوں اور آسیبوں کی دوستی اور دشمنی دونوں چیزیں خطرناک ہوتی ہیں۔ انسان کو ان دونوں سے بچنا چاہئے۔ اور اللہ کے دکھائے ہوئے راستے پر چل کر سادہ اور قناعت کی زندگی بسر کرنی چاہئے۔

میں نے کہا۔ "لیکن میں تو اپنی حماقت سے تمہیں مرتبان سے آزاد کر کے اس مصیبت میں پھنس چکا ہوں۔ اب تمہیں ہی کسی طرح مجھے اس مصیبت سے نجات دلانی ہو گی۔"

روہنی نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے تسلی دی اور پیار بھرے لہجے میں کہا۔ "شیروان! تم میری زندگی ہو۔ میری محبت ہو۔ تمہاری خاطر میں بڑے سے بڑا خطرہ مول لے سکتی ہوں۔ آگ کے شعلوں میں کود سکتی ہوں اس کی تم فکر نہ کرو۔ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا۔ ابھی شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی تمہارے پاس ہے اور آسیبی لڑکی نتالیا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

میں نے کہا۔ "روہنی! تم ایک بدروح یا بھٹکی ہوئی روح ہو۔ کیا تم یہ پتہ نہیں لگا سکتیں کہ آسیبی لڑکی نتالیا اس وقت کہاں ہے اور میرے فرار ہو جانے کے بعد وہ مجھے پکڑنے کے لئے کیا کچھ کر رہی ہے؟"

روہنی کہنے لگی۔ "میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ ایک بدروح ہوتی ہے، ایک آسیب ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ آسیب بدروحوں کی بدروح ہوتی ہے اور بدروح سے ایک ہزار گنا زیادہ طاقتور اور خطرناک ہوتی ہے۔ اس کی دنیا بدروحوں کی دنیا سے بالکل الگ تھلگ زمین کے نیچے پاتال کی گہرائیوں میں ہوتی ہے۔ آسیب مسلمان نہیں ہوتے۔ یہ کافر ہوتے ہیں۔ ہندو دھرم کے شاستروں میں لکھا ہے کہ یہ ان ہندوؤں کی روحیں ہوتی ہے جو بے گناہ، غریب اور بے سہارا بچوں کو پکڑ کر دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انہیں مورتیوں کے آگے قتل کر کے ان کے

خون سے مورتیوں کو اشنان کراتے ہیں۔ یہ ایک ایسے عذاب کی آگ میں جل رہے ہوتے ہیں کہ جس کے نظر نہ آنے والے شعلے انہیں ہر وقت جلاتے رہتے ہیں اور اس کا انتقام وہ انسانوں سے لیتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو مسلمانوں کے سینے میں ایمان کی شمع روشن ہوتی ہے۔ مسلمان کیسا بھی ہو وہ ایک خدا اور خدا کی آخری کتاب قرآن پاک اور خدا کے نبیؐ آخر الزمان کا ماننے والا ہوتا ہے۔ چنانچہ بدروحیں اور آسیب کبھی کسی مسلمان کو نہیں چمٹتے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے کسی مسلمان کا ایمان کمزور ہو گیا ہو اور شرک میں پڑ گیا ہو اور جادو ٹونہ کرنے لگا ہو تو یہ بدروحیں اور آسیب بڑی آسانی سے اس پر اپنا سایہ ڈال دیتے ہیں اور پھر اس سے اپنی مرضی کے کام کرواتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "لیکن میں نے کبھی جادو ٹونہ نہیں کیا تھا پھر یہ آسیب میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے؟"

روہنی کہنے لگی۔ "اس آسیبی لڑکی کے آسیب نے تم پر اپنا سایہ نہیں ڈالا وہ تمہیں کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا سکا اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ تم مسلمان ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آسیبی لڑکی تمہیں پسند کرنے لگی ہے بس تم سے یہ غلطی ہو گئی کہ تم نے قلعہ روہت گڑھ کے محل میں رات کو میرے قتل ہونے کا منظر دیکھا اور پھر یہ بھی دیکھا کہ میرے قاتل رگھو نے میری روح کو مرتبان میں بند کر دیا ہے تو تم نے ہمارے معاملات میں دخل اندازی کر کے میری روح کو مرتبان کھول کر آزاد کر دیا۔ تمہاری ساری مصیبت اسی وجہ سے شروع ہوئی ہے۔ عقل مندی کا تقاضا یہ تھا کہ جو کچھ تم نے دیکھا تھا اسے دیکھ کر خاموشی کے ساتھ قلعے سے نکل جاتے مگر تم نے مہم جو اور ایڈونچرس بننے کی کوشش کی اور وہ کام کر بیٹھے جو کسی زندہ انسان کو نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بہر حال تمہیں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ایک نہ ایک دن تمہیں تم سے محبت کرنے والی لڑکی نتالیا کے آسیب سے بھی چھٹکارا دلا دوں گی۔ بس اس کے لئے مجھے جے پور کے ویران محل میں جا کر دُرگا کی بدروح سے مشورہ

کرنا ہو گا کیونکہ وہی مجھے کوئی راستہ دکھا سکتی ہے۔"

میں نے کہا۔ "تو پھر ہمیں اسی وقت جے پور روانہ ہو جانا چاہئے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔" روہنی نے کہا۔ "کیونکہ ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے آسیبی لڑکی نتالیا کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہے اور تمہیں دوبارہ اپنے قبضے میں کرنے کے لئے کیا کچھ نہیں کر رہی۔ اس سے پہلے کہ وہ ہمارے خلاف کوئی کارروائی کرے ہمیں اس کا توڑ سوچ لینا چاہئے۔"

مقبرہ جہانگیر کے چبوترہ پر بیٹھے باتیں کرتے ہمیں کافی رات گزر گئی تھی۔ آسمان پر صبح کی سفیدی نمودار ہونے لگی تھی۔ روہنی نے کہا۔ "اپنا ہاتھ مجھے دو۔ ہم اسی وقت جے پور جائیں گے اور دُرگا کی بدروح سے ملاقات کریں گے۔"

ہمیں جے پور جانے کے لئے نہ تو ویزا پاسپورٹ کی ضرورت تھی نہ کسی ہوائی جہاز یا ٹرین کی ضرورت تھی۔ عجیب مسافر تھے، عجیب سفر تھا۔ روہنی غائب ہو گئی۔ اس نے میرا ہاتھ تھاما تو میں بھی غائب ہو گیا۔ ہم مقبرہ جہانگیر سے فضا میں بلند ہوئے اور ہم نے لاہور ریلوے سٹیشن کی طرف رُخ کر لیا۔ ہم اس وقت زمین سے دو ڈھائی سو فٹ کی بلندی پر اُڑ رہے تھے۔ ہماری رفتار بھی اتنی زیادہ نہیں تھی۔ میں نے روہنی سے پوچھا۔ "ہم زیادہ تیز کیوں نہیں اُڑ رہے؟"

روہنی کہنے لگی۔ "جے پور میں ہمیں دُرگا سے رات کو ہی ملنا ہے۔ اتنی جلدی وہاں پہنچ کر کیا کریں گے؟ صبح ہو رہی ہے راستے میں شہروں کی سیر ہی کرتے جائیں گے۔"

اس کا مطلب تھا کہ ہم شہروں کے اُوپر سے گزرتے ہوئے اُن کا نظارہ کرتے جائیں گے۔ مجھے بھی کوئی جلدی نہیں تھی۔ لاہور سٹیشن کے اُوپر سے گزرنے کے بعد ہم امر تسر جانے والی ریلوے لائن کے اُوپر آ گئے۔ ہماری اڑنے کی رفتار اتنی بھی کم نہیں تھی۔ کوئی پندرہ بیس منٹ کے بعد ہم امر تسر کے اُوپر سے گزر رہے تھے۔

پھر امرتسر بھی پیچھے رہ گیا۔ اسی طرح ہم جالندھر اور لدھیانہ اور انبالہ شہروں کے اوپر سے بھی گزر گئے۔ آگے میرٹھ کا شہر تھا وہ بھی آیا اور ہمارے نیچے سے نکل گیا۔ اب دلی کا انتظار تھا۔

دلی اس زمانے میں ابھی اتنا نہیں پھیلا تھا۔ ہم دلی سے بھی گزر گئے۔ دلی سے متھرا کوئی زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ متھرا سے ہم نے راجستھان کی طرف رُخ کر لیا اور جے پور پہنچ گئے۔ اس وقت تک ابھی دن کا پہلا پہر ہی تھا۔ ہم دو تین گھنٹوں میں بہت ہلکی رفتار کے ساتھ اڑتے ہوئے جے پور پہنچ گئے تھے۔ جے پور کے ایک الگ تھلگ علاقے میں جھیل کے پاس ایک باغ میں ہم اترے تھے اور زمین پر اترنے کے بعد اپنی اپنی انسانی شکلوں میں واپس آ گئے تھے۔ غیبی حالت سے انسانی صورت میں واپس آنے کے بعد مجھے بھوک سی محسوس ہونے لگی۔

میں نے روہنی سے کہا۔ "میں کہیں ناشتہ کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ مسکرائی۔ کہنے لگی۔ "ہمیں کم از کم اس مصیبت سے تو چھٹکارا مل گیا ہے۔ نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس لگتی ہے۔ چلو کسی جگہ بیٹھ کر ناشتہ کرتے ہیں۔"

"تم بھی ناشتہ کرو گی؟" میں نے پوچھا۔ مجھے معلوم تھا کہ روہنی کو ضرورت تو نہیں ہے لیکن وہ جب اور جس وقت چاہے کھا پی سکتی ہے۔ کہنے لگی۔ "تمہارا ساتھ دینے کے لئے ناشتہ کروں گی۔"

ہم جے پور کے ایک ہوٹل میں آ کر بیٹھ گئے۔ ناشتہ منگوا کر کھانے پینے میں مصروف ہو گئے۔ روہنی نے کہا۔ "میں نے تمہیں ایک انگوٹھی دی تھی۔ مجھے اچانک اس کا خیال آ گیا ہے وہ تم نے کہاں رکھی ہے؟"

میں نے اسے کہا۔ "جس وقت نتالیا مجھے بدروحوں کی دنیا سے ہوا میں اڑا کر ویران خانقاہ میں لائی تھی تو اسی وقت اس نے میری انگوٹھی میرے ہاتھ سے اُتار کر اپنے قبضے میں کر لی تھی۔ کیونکہ اُس نے میرا انگوٹھی والا ہاتھ ہی پکڑ رکھا تھا۔"

روہنی نے کہا۔ "اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ نتالیا ہی شمشان گھاٹ والی آسیبی لڑکی ہے۔ اگرچہ میری انگوٹھی اس کی طاقت کا توڑ نہیں تھی اور وہ تمہیں اس کے آسیبی جادو سے نہیں بچا سکتی تھی پھر بھی وہ چونکہ تم کو پسند کرتی تھی اور تم سے محبت کرنے لگی تھی اس لئے تمہارے پاس میری کوئی نشانی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔"

میں نے روہنی سے پوچھا۔ "روہنی! اگر فرض کیا تمہای شیش ناگن کی انگوٹھی کا مہرہ بھی مجھے آسیبی لڑکی نتالیا سے نہ بچا سکا اور اس نے مجھے ہمیشہ کے لئے اپنے قبضے میں کر لیا تو میرا کیا حشر ہو گا؟ کیا میں بھی اس کے ساتھ ایک بدروح بن جاؤں گا؟"

روہنی کہنے لگی۔ "اول تو ایسی بات نہیں ہو گی اور اگر بدقسمتی سے ایسا ہو گیا اور شیش ناگن کا مہرہ بھی تمہیں نہ بچا سکا تو پھر جہاں تک میں سمجھتی ہوں نتالیا تمہیں اپنے ساتھ اُس جگہ لے جائے گی جہاں کی وہ رہنے والی ہے۔"

"وہ کہاں کی رہنے والی ہے؟" میں نے پوچھا۔

روہنی نے کہا۔ "تم کو یہ بات میں نے ابھی تک نہیں بتائی کہ نتالیا ہندوستان کی رہنے والی نہیں ہے۔ وہ شمالی افریقہ کے ملک ایتھوپیا کی رہنے والی ہے۔"

میں نے کہا۔ "مگر اس کی شکل و صورت حبشی عورتوں والی نہیں ہے اور اُس کا رنگ بھی گورا ہے۔"

روہنی کہنے لگی۔ "اصل میں نتالیا کی ماں انگریز تھی جس نے ایتھوپیا کے ایک نیگرو سے شادی کر لی تھی۔ نتالیا انگریز ماں پر گئی تھی۔"

"پھر یہ آسیبی عورت کیسے بن گئی؟"

میرے اس سوال پر روہنی نے کہا۔ "یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ نتالیا کے ماں باپ جب وہ دس پندرہ سال کی تھی تو مر گئے تھے اور نتالیا کو اس کے باپ کے قبیلے والے اُٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ یہ آدم خور وحشی لوگوں کا قبیلہ تھا۔ نتالیا اُن کے درمیان بڑی ہوئی اور اُن کے ساتھ وہ بھی آدم خور بن گئی۔ پھر اس سے ایک

ایسا گناہ سرزد ہو گیا کہ جس کی سزا وہ آسیب بن کر بھگت رہی ہے۔ اس سے زیادہ میں نہ تمہیں بتا سکتی ہوں اور نہ تم سمجھ ہی سکو گے۔"

یہ سن کر کہ نتالیا آدم خور قبیلے کی لڑکی تھی میرے جسم میں خون کی لہر دوڑ گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ نتالیا آدم خور تھی اور وہ کسی وقت مجھے بھی ہڑپ کر سکتی تھی۔ میں اس سے اور زیادہ ڈرنے لگا۔ میں نے روہنی سے کہا۔ "لیکن وہ تو میرے ساتھ بڑی محبت کا سلوک کرتی رہی ہے۔"

روہنی ہنسنے لگی۔ "تم اپنی فکر نہ کرو۔ وہ تم سے محبت کرتی ہے۔ اس لئے تمہیں کچھ نہیں کہے گی لیکن اس کے باوجود وہ ایک نارمل عورت نہیں ہے وہ ایک آسیبی لڑکی ہے اور آدم خور رہ چکی ہے وہ کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتی ہے۔"

"پھر تو مجھے ہر حالت میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ہو گا۔" میں نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

روہنی نے میرے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کی ہلکی سی تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں اس کے پاس نہیں رہنے دوں گی۔ میں اسے ختم کر کے ہی چھوڑوں گی۔ آخر تم بھی تو میرے محبوب شہزادے شیروان کی تصویر ہو اور میں تو تمہیں اپنا محبوب شہزادہ شیروان ہی سمجھتی ہوں۔ تمہارے لئے تو میں اپنی جان بھی قربان کر سکتی ہوں۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "تم تو پہلے سے ہی مری ہوئی ہو تم اپنی جان کہاں سے قربان کرو گی؟"

روہنی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ ہم بھٹکتی روحوں اور بدروحوں کی بھی موت ہوتی ہے۔ ہمیں بھی موت آجاتی ہے مگر یہ بڑی گہری راز کی باتیں ہیں۔ تم انہیں نہیں سمجھ سکو گے۔"

ناشتہ ختم ہوا تو ویٹر بل لے آیا۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا نتالیا نے مجھے جو

دو ہزار روپے دیئے تھے وہ تلاشی کے بعد پولیس نے اپنے قبضے میں کر لئے تھے مگر روہنی کے ہوتے ہوئے مجھے پیسوں کی کوئی پریشانی نہیں ہو سکتی تھی۔ روہنی نے اسی طرح اپنے پرس میں ہاتھ ڈالا اور سو روپے کا انڈین کرنسی کا بالکل نیا نوٹ نکال کر ویٹر کو دے دیا۔ میں نے روہنی سے کہا۔ "یہ بالکل نیا نوٹ تھا۔ کیا یہ انڈین ٹکسال سے آیا تھا؟"

روہنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے نہیں معلوم یہ کہاں سے آتا ہے۔ بس مجھے ضرورت ہوتی ہے تو پیسے اپنے آپ آجاتے ہیں۔ چلو شہر کی سیر کرتے ہیں۔"

ہوٹل سے نکل کر ہم شہر کی سیر کرنے لگے۔ ہمیں دیکھ کر اور خاص طور پر روہنی کو دیکھ کر کسی کو یقین نہیں آسکتا تھا کہ یہ عورت ایک بھٹکی ہوئی روح ہے اور جب چاہے غائب ہو سکتی ہے، جب چاہے ہوا میں اُڑ سکتی ہے۔

دوپہر تک ہم شہر کی سیر کرتے رہے۔ پھر دوپہر کا کھانا بھی اسی ہوٹل میں بیٹھ کر کھایا۔ اس کے بعد جے پور کے ایک تاریخی باغ میں آکر بیٹھ گئے۔ ابھی آدھی رات ہونے میں بہت وقت تھا۔ اُس وقت اچانک مجھے اپنے بچپن کے دوست بمبئی والے جمشید کا خیال آگیا۔ اُس سے ملے ایک عرصہ ہو گیا تھا۔ میں نے روہنی سے کہا۔

"روہنی! میرا اپنے ایک دوست سے ملنے کو بہت جی چاہ رہا ہے۔ ابھی ہمارے پاس وقت بھی بہت ہے کیوں نہ میں اُس سے مل لوں۔"

اس نے پوچھا۔ "کیا تم اسے ضرور ملنا چاہتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "وہ میرا ایک ہی دوست ہے اور میں ایک عرصے سے اسے نہیں ملا مگر وہ یہاں سے بڑی دُور بمبئی میں رہتا ہے۔"

روہنی نے کہا۔ "فاصلہ میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو چلو اس سے جا کر مل لیتے ہیں۔"

یہ کہہ کر روہنی دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئی۔ اُس نے میرا ہاتھ پکڑا تو میں بھی

غائب ہو گیا۔ اُس کے بعد ہم ہوا میں پرواز کر رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہماری رفتار کسی جیٹ ہوائی جہاز سے بھی دوگنی تھی۔ ہم بڑی اونچائی پر اُڑ رہے تھے اور نیچے مجھے دُھند کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں پرواز کرتے ہوئے آدھ گھنٹہ ہی گزرا ہوگا کہ روہنی نے کہا۔ ”بمبئی آ رہا ہے۔“

اس کے ساتھ ہی ہم بلندی سے نیچے اُترنے لگے۔ کچھ ہی دیر کے بعد مجھے نیچے بمبئی کی نواحی آبادیاں نظر آنے لگیں۔ روہنی نے پوچھا۔ ”تمہارا دوست بمبئی میں کہاں رہتا ہے؟“

میں نے اسے جگہ بتائی تو وہ بولی۔ ”میں سمجھ گئی۔ میں بمبئی شہر کے تمام علاقوں سے واقف ہوں۔“

اور وہ مجھے بمبئی کے اس علاقے کے لوکل سٹیشن کے باہر لے آئی جہاں جمشید کا آٹو سٹور اور گیراج تھا۔ ہم ایک الگ سی جگہ دیکھ کر درختوں کے نیچے اُتر آئے۔ زمین پر اترنے کے فوراً بعد ہم اپنی انسانی شکلوں میں واپس آ گئے۔ روہنی کہنے لگی۔ ”تم اپنے دوست سے کیا کہو گے کہ میں کون ہوں؟“

میں نے کہا۔ ”تم ہی بتا دو کہ میں اسے کیا کہوں؟“

روہنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم کہہ دینا کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔ کیا تم یہ کہنا پسند نہیں کرو گے؟“

میں نے کہا۔ ”کیوں نہیں پسند کروں گا۔ میں اسے یہی بتاؤں گا کہ تم میری بیوی ہو اور تمہارا نام سلطانہ ہے۔“

”اس میں کوئی جھوٹ تھوڑی ہے۔“ روہنی نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہم نے بمبئی کے لوکل سٹیشن سے ٹیکسی لی اور جمشید کے گیراج پر آ گئے۔

O

میں نے دیکھا کہ جمشید اس وقت ایک کرسی پر بیٹھا اپنے ایک مستری کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ اس نے ٹیکسی میں سے مجھے اترتے دیکھا تو فوراً اٹھا اور آتے ہی مجھے گلے لگا لیا۔ ”فیروز! تم اچانک کیسے آ گئے میرے دوست! کوئی چٹھی وغیرہ بھی نہیں لکھی۔“

میں نے روہنی کا اس سے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ”اس سے ملو۔ یہ سلطانہ ہے میری بیوی۔ بس اچانک ہی پروگرام بن گیا اور ہم ویزا لگوا کر پاکستان سے تمہارے پاس آ گئے۔“

جمشید نے روہنی کو سلام کیا اور کہا۔ ”بھابھی! آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ اچھا ہوا میرے دوست کا بھی گھر آباد ہو گیا۔“ وہ ہمیں اوپر لے گیا اور ہماری بڑی خاطر مدارت کی۔ کہنے لگا۔ ”کتنے دنوں کا ویزا لے کر آئے ہو؟“

میں نے کہا۔ ”دس پندرہ دن تو ٹھہریں گے ہی۔“

حالانکہ ہم وہاں چار پانچ گھنٹوں سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتے تھے کیونکہ ہمیں واپس جے پور جا کر آدھی رات کو پرانے محل میں دُرگا کی بدروح سے بھی ملاقات کرنی تھی۔ میں نے ویسے ہی کہہ دیا تھا کیونکہ اگر میں اسے کہتا کہ بس دو چار گھنٹوں کے لئے آئے ہیں تو اس کی مجھے بڑی لمبی چوڑی وضاحت کرنی پڑتی۔ ہمارا کیا تھا ہم دو چار گھنٹوں کے بعد وہاں سے غائب ہو سکتے تھے۔ شام ہو گئی۔ کوئی آٹھ بجے ہم نے کھانا کھایا اور اس کے بعد جمشید کے گیراج کے باہر کرسیوں پر بیٹھ کر بازار کی رونق سے

لطف اندوز ہونے لگے۔ جمشید نے وہیں ہمارے لئے چائے منگوالی۔ میں اور روہنی چائے پیتے ہوئے باتیں کرنے لگے۔

روہنی کہنے لگی۔ ”تمہارا یہ دوست بڑا اچھا آدمی ہے۔ یہ تمہارا صحیح معنوں میں دوست ہے۔“

میں نے کہا۔ ”ہم بچپن میں ایک ساتھ کھیلے ہیں۔“

اسی طرح ہم بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور بازار کی رونق بھی دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں فٹ پاتھ پر سے ایک سادھو گزرا۔ وہ چلتے چلتے اچانک رُک گیا اور رُک کر ہم دونوں کو گھور کر دیکھنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ سادھو کو دیکھتے ہی روہنی کچھ گھبرا سی گئی۔ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔ ”چلو شیروان! اوپر چلتے ہیں۔“

اور وہ میرے آگے آگے سیڑھیاں چڑھ کر جمشید کے فلیٹ کے ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا۔ ”خیریت تو ہے روہنی۔“

اس نے کہا۔ ”جلدی سے اپنا ہاتھ مجھے دو۔ ہم ابھی جے پور جا رہے ہیں۔“

میں کچھ سمجھ نہ سکا۔ میں نے اپنا ہاتھ روہنی کو پکڑا دیا۔ میرا ہاتھ پکڑتے ہی ہم دونوں غائب ہوگئے اور کمرے کی پچھلی کھڑکی سے نکل کر ہوا میں پرواز کرنے لگے۔ روہنی دیکھتے ہی دیکھتے کافی بلندی پر چلی گئی اور اُس نے اتنی تیزی سے اُڑنا شروع کر دیا کہ شاید تین چار سیکنڈ میں ہم بمبئی کو کافی پیچھے چھوڑ کر تاریک جنگلوں کے اُوپر سے گزر رہے تھے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ روہنی سادھو کو دیکھ کر میرے دوست کے مکان سے ایک دم نکل آئی ہے۔ مگر میں نے ابھی تک اس سے بالکل نہیں پوچھا تھا کہ وہ سادھو کو دیکھ کر گھبرا کیوں گئی تھی اور اس نے ایک دم بمبئی سے نکل جانے کا پروگرام کیوں بنالیا تھا۔ ہم جے پور پہنچ گئے۔

ہم بڑی جلدی آگئے تھے ابھی آدھی رات نہیں ہوئی تھی۔

روہنی جے پور کے پرانے محل کی ایک بارہ دری میں اُتری تھی۔ ہم وہیں بیٹھ

گئے۔ اب ہم غائب نہیں تھے بلکہ انسانی رُوپ میں بیٹھے تھے۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے روہنی سے پوچھا۔ ”روہنی! تم اتنی جلدی وہاں سے کیوں چل پڑی تھیں؟ کیا کوئی خاص بات ہوئی تھی؟“

روہنی مجھ سے سادھو والی بات چھپانا چاہتی تھی۔ کہنے لگی۔ ”کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ بس میرا جی چاہا کہ اب ہمیں وہاں سے نکل جانا چاہئے۔ ہم بدروحوں کو بہت سی باتوں کا پہلے سے خطرہ محسوس ہو جاتا ہے اسی لئے جب میرے دل میں وہاں سے نکل پڑنے کا خیال آیا تو میں تمہیں لے کر چل پڑی۔“

میں نے اُس سے یہ پوچھنا مناسب نہ سمجھا کہ وہ سادھو کو دیکھ کر گھبرا کیوں گئی تھی۔ ہم آدھی رات تک قدیم محل کی بارہ دری میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ جب روہنی کو محسوس ہوا کہ آدھی رات ہو گئی ہے تو وہ مجھے لے کر نیچے ویران محل کے اُس تہہ خانے میں آگئی جہاں آدھی رات کے بعد دُرگا کی بدروح نمودار ہوتی تھی۔ اس وقت میں اور روہنی دونوں عام انسانی شکل وصورت میں تھے۔ روہنی نے مجھے پیچھے ایک ستون کے پاس بٹھا دیا اور کہنے لگی۔ ”خواہ کچھ ہو جائے تم اس جگہ سے مت ہلنا۔“

جہاں اُس نے کہا تھا میں وہاں بیٹھ گیا۔ تہہ خانے میں اندھیرا تھا۔ میں جب غائب ہوتا تھا تو اندھیرے میں بھی دیکھ لیتا تھا لیکن انسانی شکل میں ظاہر ہوتے ہی میرے اندر سے یہ صلاحیت ختم ہو جاتی تھی اور میں عام انسانوں کی طرح اندھیرے میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن میں اندھیروں میں اتنا بھٹکتا رہا تھا کہ اب انسانی شکل میں بھی میری آنکھیں اب ویران قلعوں اور تہہ خانوں کے اندھیروں کی عادی ہو گئی تھیں اور ان اندھیروں میں بھی مجھے کچھ نہ کچھ نظر آجاتا تھا۔

روہنی اس جگہ ایک ستون کے پاس کھڑی ہو گئی تھی جہاں دُرگا کی بدروح نمودار ہوتی تھی۔ جب ٹھیک آدھی رات گزر گئی تو اسی طرح اندھیرے کونوں میں سے

رونے کی دردناک آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ پھر یہ آوازیں گم ہو گئیں اور ایک روشنی سی ہو کر بجھ گئی۔ پھر میں اس دیوار کو تک رہا تھا جس کے اندھیرے میں سے دُرگا کی بدروح نمودار ہوا کرتی تھی۔ اتنے میں دُرگا کی بدروح آ گئی۔

اس نے اپنی سہیلی روہنی کو دیکھ لیا تھا۔ اُس نے اپنی آسیبی آواز میں پوچھا۔ "روہنی! کہو۔ کیسے آنا ہوا؟ تمہیں دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم اپنے دشمن رگھو کی قید سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی ہو۔"

روہنی نے کہا۔ "دُرگا! مجھے اس بات کا تم سے کوئی گلہ نہیں ہے کہ تم میری مدد نہیں کر سکی تھیں۔"

دُرگا بدروح نے کہا۔ "تمہارا پتی دیو شیروان میرے پاس آیا تھا مگر میں نے اسے صاف بتا دیا تھا کہ میں مجبور ہوں۔ روہنی! تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ پجاری کے پاس شیش ناگنی کے مہامنتری کا خفیہ منتر ہے جس کی طاقت کا میں مقابلہ نہیں کر سکتی۔"

روہنی بولی۔ "دُرگا! تم میری پیاری سہیلی ہو۔ مجھے تم سے گلہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا لیکن اب میں اپنے دشمن رگھو کا صرف مقابلہ ہی نہیں کر سکتی بلکہ اس کا کام تمام بھی کر سکتی ہوں۔"

دُرگا بدروح نے حیران ہو کر پوچھا۔ "یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟"

روہنی نے کہا۔ "اگر ہمارے دشمن رگھو کے پاس شیش ناگن کے مہامنتری کا خفیہ منتر ہے تو میرے پاس شیش ناگن کا مہرہ ہے جس کی طاقت کا پجاری رگھو کے پاس کوئی توڑ نہیں ہے۔"

دُرگا کی بدروح نے تعجب سے پوچھا۔ "کیا تم سچ کہہ رہی ہو روہنی؟ کیا واقعی تمہارے پاس شیش ناگن کا مہرہ ہے؟"

روہنی نے کہا۔ "میں تمہیں دکھا سکتی ہوں۔"

روہنی نے میری طرف منہ کر کے کہا۔ "شیروان! مہرے والی انگوٹھی مجھے دے

جاؤ۔"

میں نے انگلی میں سے انگوٹھی اُتاری اور اسے روہنی کو دے دیا اور نظریں جھکائے جھکائے واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔

روہنی نے آگے بڑھ کر دُرگا کی بدروح کو انگوٹھی دکھائی۔ دُرگا کی بدروح انگوٹھی کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔ "روہنی! تم بڑی خوش قسمت ہو کہ تمہیں شیش ناگن کا نایاب مہرہ مل گیا ہے مگر یہ تمہیں کہاں سے ملا؟"

روہنی کہنے لگی۔ "بس میرے خدا نے میری مدد کی اور مجھے یہ مہرہ مل گیا۔"

دُرگا بدروح نے انگوٹھی روہنی کو واپس دیتے ہوئے کہا۔ "مگر تم نے یہ مہرہ شیروان کو کیوں دے رکھا ہے۔ وہ ایک عام کمزور انسان ہے اس سے یہ مہرہ کوئی بھی چھین کر لے جا سکتا ہے۔"

روہنی نے کہا۔ "شیروان کو اس کی ضرورت ہے۔ اسے کیوں ضرورت ہے؟ یہی بتانے کے لئے میں اسے اپنے ساتھ تمہارے محل میں لے آئی ہوں۔"

دُرگا کی بدروح خاموش تھی۔ وہ روہنی کو تک رہی تھی۔ اُس نے پوچھا۔ "کیا یہ انسان پھر کسی مشکل میں پھنس گیا؟"

روہنی کہنے لگی۔ "دُرگا! تم اچھی طرح جانتی ہو کہ آج سے تین سو سال پہلے میری شادی صوبے دار شہزادہ شیروان سے ہو گئی تھی اور میں نے شادی کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر پجاری رگھو نے میرے اسلام قبول کرنے کا مجھ سے یہ بدلہ لیا کہ اس نے مجھے قتل کروا کر میری روح کو اپنی طلسمی طاقت سے قید میں ڈال دیا لیکن اس شخص نے جو اس وقت میرے قریب بیٹھا ہے اور جس کو میں شیروان ہی سمجھتی ہوں مجھے آزاد کر دیا مگر خود میری وجہ سے ایک نہ ختم ہونے والی مصیبت میں پھنس گیا۔"

دُرگا کی بدروح نے کہا۔ "لیکن یہ تمہارے پتی دیو شیروان کا دوسرا جنم نہیں

ہے۔"

روہنی نے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ مسلمانوں کا کوئی دوسرا جنم نہیں ہوتا اور یہ میرے خاوند کا دوسرا جنم نہیں ہے صرف اس کی شکل وصورت میرے مرحوم خاوند سے بے حد ملتی جلتی ہے۔ اس کی شکل میں مجھے میرا خاوند مرنے کے بعد دوبارہ مل گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اسے کھونا اور اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتی۔ لیکن یہ ایک اور مشکل میں پھنس گیا ہے جس کے بارے میں، میں تجھ سے مشورہ کرنے آئی ہوں۔"

"وہ کیا مشکل ہے؟" درگا کی بدروح نے پوچھا۔

روہنی نے آسیبی لڑکی کی ساری داستان بیان کر دی کہ کس طرح متھرا کے ویران شمشان گھاٹ کی کوٹھڑی میں اُس کی غلطی سے ایک لڑکی کا آسیب آزاد ہو گیا اور اس کی نظر شیر وان پر پڑی تو وہ اس پر عاشق ہو گئی اور پھر کس طرح اُسے نتالیا کی شکل میں ملی اور اس کے ساتھ اس کی مرضی کے خلاف شادی رچالی۔ پھر کس طرح شیر وان موقع پا کر اس آسیبی لڑکی نتالیا کو چھوڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور اُس کے بعد وہ یعنی روہنی بھی رگھو کی قید سے آزاد ہو کر شیر وان یعنی مجھ سے آ کر مل گئی۔

درگا کی بدروح خاموشی سے یہ طلسمی داستان سنتی رہی۔ جب روہنی ساری بات بیان کر چکی تو اُس نے روہنی سے پوچھا۔ "اب تم کیا چاہتی ہو؟"

روہنی نے کہا۔ "وہ آسیبی لڑکی نتالیا کے روپ میں شیر وان کا پیچھا کر رہی ہے اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ آسیب بڑی زبردست طاقت رکھتا ہے۔ آسب کسی عورت کا ہو یا مرد کا اس کی طاقت کا مقابلہ کوئی جن بھوت یا بدروح نہیں کر سکتی۔"

درگا نے کہا۔ "مگر تمہارے پاس شیش ناگن کا مہرہ ہے جس کے پاس یہ مہرہ ہوتا ہے کوئی جن، بھوت، چڑیل، بدروح یا آسیب اُس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ تم نے یہ مہرہ انگوٹھی میں ڈال کر اسے دے بھی دیا ہے پھر تمہیں شیر وان کی کیوں فکر

ہے؟"

روہنی کہنے لگی۔ "مگر شیر وان کوئی بدروح نہیں ہے۔ وہ ایک عام انسان ہے۔ ایک کمزور انسان۔ آسیبی لڑکی نتالیا اس کے پیچھے لگ چکی ہے اور اسے دوبارہ اپنے قبضے میں کرنے کے لئے اس کا پیچھا کر رہی ہو گی۔ وہ شیر وان کے قریب تو نہیں آسکے گی اور اسے اغوا کر کے بھی نہیں لے جاسکے گی کیونکہ شیر وان کے پاس شیش ناگن کا مہرہ ہو گا لیکن کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ شیر وان سے خود انگوٹھی کہیں گر سکتی ہے۔ آسیبی لڑکی نتالیا عیاری سے کام لے کر اس کی انگوٹھی حاصل کر سکتی ہے اور پھر میں ہر وقت شیر وان کے پاس رہ کر مہرے کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ میں شیر وان کو لے کر تمہارے پاس اس لئے آئی ہوں کہ مجھے کوئی ایسی ترکیب، کوئی ایسا منتر بتاؤ جس کی مدد سے میں شیر وان کو ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے نتالیا کے آسیب سے محفوظ کر لوں۔"

درگا کی بدروح نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "روہنی! میری کتنی طاقت ہے تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔ آسیبی لڑکی نتالیا کی طاقت کا میں بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ٹھیک ہے کہ تم نے شیر وان کو شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی پہنا دی ہے لیکن شیر وان کمزور انسان ہے اس کی ذرا سی غفلت سے اگر کسی وقت انگوٹھی اس سے الگ ہو گئی تو آسیبی لڑکی شیر وان کو جھپٹا مار کر چیل کی طرح دبوچ کر لے جائے گی اور تم کچھ نہ کر سکو گی۔"

روہنی نے کہا۔ "یہی سوچ کر میں پریشان ہوں۔ میں آج بمبئی شہر میں تھی۔ شیر وان بھی میرے ساتھ تھا۔ وہاں میں نے ایک سادھو کو دیکھا جو مجھے اور شیر وان کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سادھو ایک بدروح تھی جسے آسیبی لڑکی نے شیر وان کی انگوٹھی اُڑا کر لے جانے کے لئے بھیجا تھا۔ میں اسے بمبئی سے فوراً یہاں لے آئی ہوں۔ آسیبی لڑکی نتالیا نے شیر وان کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دیا ہے۔ اگر کسی وقت میں شیر وان سے الگ ہو گئی اور وہ اکیلا

رہ گیا تو آسیبی لڑکی کسی بدروح کو بھیج کر یا خود کسی انسان یا عورت کے روپ میں آکر شیروان کو ورغلا کر اُس سے شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے شیروان سے جدا ہو جاؤں گی اور شیروان کی زندگی کی حفاظت اور اسے اس مصیبت سے نکالنے کا جو فرض مجھ پر لاگو ہو چکا ہے میں وہ بھی ادا نہ کر سکوں گی۔"

دُرگا بدروح نے کہا۔ "تم نے صحیح اندازہ لگایا ہے۔ وہ سادھو آسیبی لڑکی کی بھیجی ہوئی بدروح ہی تھی۔ بدروحیں آسیب کی غلام ہوتی ہیں اور اُن کے حکم پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔"

"پھر میں کیا کروں؟ مجھے کوئی راستہ دکھاؤ۔" روہنی نے انتہائی مایوسی کے لہجے میں کہا۔ دُرگا کی بدروح خاموش ہو گئی۔

میں یہ سارا بھوت پریت کا ناٹک دیکھ رہا تھا اور اُن کی ساری باتیں سن رہا تھا اور دل میں دُعا مانگ رہا تھا کہ یا اللہ پاک مجھے تو ہی اس مصیبت سے نکال سکتا ہے۔ کوئی ایسا سبب پیدا کر دو کہ اس عذاب سے میری جان چھوٹے اور میں دوبارہ انسانوں کی دنیا میں رہ کر نارمل انسان کی طرح زندگی بسر کر سکوں۔

دُرگا کی بدروح کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔ "روہنی! تو میری بچپن کی سہیلی ہے۔ میں تجھے پریشان نہیں دیکھ سکتی مگر میں بھی مجبور ہوں۔ صرف ایک صورت ہو سکتی ہے۔"

"وہ کیا ہے؟" روہنی نے بے تابی سے پوچھا۔

دُرگا کی بدروح نے کہا۔ "جیسا کہ تم بھی جان گئی ہو گی اس آسیبی لڑکی کا تعلق افریقہ کے ایک آدم خور قبیلے سے تھا۔ جب یہ زندہ تھی تو اپنے آدم خور قبیلے کے ساتھ افریقہ کے ایک جزیرے کے جنگل میں رہتی تھی۔ یہ لوگ بھولے بھٹکے مسافروں کو پکڑ کر لے آتے تھے اور انہیں پہلے تو خوب کھلاتے پلاتے تھے۔ جب وہ

بڑے صحت مند ہو جاتے تھے تو اُن کو باندھ کر گردن کاٹ کر پہلے اُن کا سارا خون پی جاتے تھے پھر اُن کے جسموں کے ٹکڑے کر کے انہیں آگ میں بھون کر کھا جاتے تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ ڈر کے مارے اس جزیرے میں مسافروں نے آنا جانا چھوڑ دیا۔ آدم خور قبیلے والے جب بھوکوں مرنے لگے تو اُنہوں نے ایک دوسرے کو کھانا شروع کر دیا۔ یہ آسیبی لڑکی ان سب میں بڑی چالاک اور عیار تھی۔ وہ جنگل میں چھپ گئی اور چھپ کر رات کو قبیلے کی جھونپڑیوں کی طرف آتی اور کسی نہ کسی بچے کو پکڑ کر لے جاتی اور اُسے کھا کر اپنے پیٹ کی آگ بجھاتی۔ لیکن آخر ایک رات وہ خود قابو میں آگئی۔ وہ رات کے اندھیرے میں قبیلے کے کسی بچے کو اٹھا کر لے جانے کے لئے جھونپڑیوں کے پاس آئی تو ایک آدم خور نے اُسے دیکھ لیا اور وہیں چھرا مار کر اُس کا سر دھڑ سے الگ کر دیا اور پھر قبیلے والوں نے مل کر اُس کا خون پیا اور اس کو بھون کر کھا گئے۔ اس ڈر سے کہ اس کی بدروح اُن سے بدلہ لینے کی کوشش کرے گی انہوں نے اس آسیبی لڑکی کی کھوپڑی پر جادو ٹونہ کر کے اُسے ایک درخت کے نیچے زمین کھود کر دفن کر دیا۔ اُس کے بعد ایسا ہوا کہ اُس آسیبی لڑکی کی بدروح کو زندگی میں لوگوں اور معصوم بچوں پر کیے گئے ظلم وستم کی سزا ملی اور یہ ایک خطرناک منحوس آسیب کی شکل میں زمین کی گہرائیوں میں بھڑکتی آگ میں ڈال دی گئی۔ ایک خاص مدت گزر جانے کے بعد یہ آسیبی لڑکی آگ کے شعلوں سے نکل کر ہمیشہ کے لئے در بدر بھٹکنے کے واسطے انسانوں کی دنیا میں آگئی جہاں ایک نیک آدمی نے انسانوں کو اس کے شر سے بچانے کے لئے اسے شمشان گھاٹ کی کوٹھڑی میں بند کر دیا جہاں سے تو نے اپنی غلطی سے اسے آزاد کر دیا۔"

روہنی نے دُرگا سے پوچھا۔ "یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

دُرگا کی بدروح نے کہا۔ "اس لڑکی نتالیا کے آسیب کی طاقت اس کی کھوپڑی میں موجود ہے۔ اگر کسی طرح تم اس جزیرے میں جا کر درخت کے نیچے دفن اس کی

کھوپڑی کے سر پر اینٹ یا پتھر مار کر اس کو توڑ دو تو آسیبی لڑکی نتالیا کی ساری برائی کی طاقت اس سے جدا ہو جائے گی اور اس کے بعد وہ آسیب نہیں رہے گی بلکہ ایک عام بدروح بن جائے گی جس پر ہم بڑی آسانی سے قابو پا کر اُسے کسی مرتبان یا بوتل میں ہمیشہ کے لئے بند کر سکیں گے۔"

روہنی نے کہا۔ "یہ کام میرے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ میں آج ہی افریقہ کے آدم خوروں کے جزیرے میں چلی جاتی ہوں۔ تم مجھے جزیرے اور اُس درخت کی نشانی بتا دو۔ میں اُس درخت کے نیچے زمین میں سے اُس آسیبی لڑکی کی کھوپڑی نکال کر اس کو پاش پاش کر دوں گی۔"

دُرگا کی بدروح نے کہا۔ "یہ کام اتنا آسان نہیں جتنا تم اسے سمجھتی ہو۔ آسیبی لڑکی اپنی کھوپڑی سے غافل نہیں ہے۔ اس نے اس کی حفاظت کے لئے ایک بڑی طاقتور اور خطرناک بدروح کو وہاں پہرے پر لگا رکھا ہے جو ہر وقت درخت میں موجود ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جب تم کھوپڑی والے درخت کے قریب پہنچو گی تو آسیبی لڑکی نتالیا کو بھی خبر ہو جائے گی اور وہ ایک لمحے میں وہاں پہنچ جائے گی اور پھر تمہاری جان بھی خطرے میں ہو گی۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں چھپکلی یا کنکھجورا بنا کر کسی ایسے تاریک غار میں پھینک دے جہاں سانپ ہی سانپ ہوں اور وہ تمہیں ہڑپ کر جائیں۔"

روہنی کہنے لگی۔ "لیکن میرے پاس شیش ناگن کی مہرے والی انگوٹھی ہو گی۔ وہ میرا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔"

دُرگا کی بدروح نے ہنس کر کہا۔ "تم نے بڑی بے وقوفوں والی بات کی ہے۔ اگر تم شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی شیروان کے ہاتھ سے اُتار کر اپنے ساتھ لے جاؤ گی تو شیروان بالکل نہتا رہ جائے گا۔ وہ آسیبی لڑکی کے لئے بڑا آسان شکار ہو گا اور وہ اُسے جھپٹا مار کر اٹھا کر لے جائے گی۔"

روہنی نے جواب دیا۔ "لیکن میں آسیبی لڑکی کی کھوپڑی توڑ کر اس کی طاقت کو تو ختم کر دوں گی۔ پھر میں واپس آ کر اپنے شیروان کو آسیبی لڑکی کی قید سے بڑی آسانی سے آزاد کرا لوں گی اور وہ میرا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔"

دُرگا کی بدروح نے کہا۔ "آسیبی لڑکی تمہارے ہاتھ آئے گی تو تم شیروان کو اُس سے چھین سکو گی۔ ٹھیک ہے اس کی آسیبی طاقت ختم ہو جائے گی مگر وہ آسیب سے ایک بدروح بن چکی ہو گی اور بدروح کی اپنی طاقت ہوتی ہے۔ آسیبی لڑکی کی بدروح شیروان سے محبت کرتی ہے وہ اسے اٹھا کر ایسی دنیا میں لے جائے گی کہ تم ہزاروں سال تک بھی اسے تلاش نہ کر سکو گی۔"

دونوں بدروحیں میری قسمت کے فیصلے کر رہی تھیں اور میں بے بسی کے عالم میں اُن کی باتیں سن رہا تھا۔ یہ ایک طرح سے مجھے میرے کسی گناہ یا میری کسی حماقت کی سزا مل رہی تھی۔ روہنی پریشان ہو گئی تھی۔ وہ ہر حالت میں مجھے اس آسیبی لڑکی سے بچانا چاہتی تھی۔ اُس نے دُرگا کی بدروح سے پوچھا۔ "تو پھر تم ہی بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

دُرگا کی بدروح نے ایک لمحے خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "ایک ہی طریقہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ تم شیروان کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ جس وقت تم کھوپڑی والے درخت کے قریب پہنچو تو میرا اگنی منتر پڑھ کر پھونک دینا۔ تمہیں میرا اگنی منتر یاد ہے نا؟"

"ہاں۔ مجھے یاد ہے۔" روہنی نے کہا۔

دُرگا بولی۔ "اس اگنی منتر کے اثر سے درخت پر بیٹھی پہرہ دیتی بدروح وہاں سے غائب ہو جائے گی۔ اس کے بعد تمہیں بڑی تیزی سے اور بڑی جلدی سے اپنا کام کرنا ہو گا۔ شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی کے بغیر تم آسیبی لڑکی کی کھوپڑی کو ہاتھ نہیں لگا سکو گی۔ اگر ہاتھ لگاؤ گی تو جل کر وہیں راکھ ہو جاؤ اس۔ اس سے پہلے کہ آسیبی لڑکی کو خبر ہو تمہیں بڑی تیزی سے زمین کے اندر سے کھوپڑی نکال کر اس کے

دو ٹکڑے کر دیئے ہوں گے۔ اس دوران میں اگر تمہاری بدقسمتی سے آسیبی لڑکی نتالیا کا آسیب وہاں پہنچ گیا تو پھر تمہاری اور شیروان دونوں کی خیر نہیں ہو گی۔ وہ نہ صرف شیروان کو غائب کر کے اپنے قبضے میں کر لے گی بلکہ تمہیں بھی جوالا مکھی منتر پھونک کر کھولتے ہوئے لاوے کی طرح پگھلا کر ہمیشہ کے لئے ختم کر دے گی۔"

روہنی نے کہا۔ "لیکن میری انگلی میں تو شیش ناگن کی انگوٹھی ہو گی۔ پھر وہ مجھ پر کیسے حملہ کر سکے گی؟"

دُرگا کی بدروح نے کہا۔ "وہ تمہارے قریب نہیں آئے گی۔ وہ تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکے گی لیکن تم پر اپنا جوالا مکھی منتر پھونک سکے گی۔ یہ منتر جوالا مکھی کا کھولتا ہوا لاوا ہے بلکہ کھولتے ہوئے لاوے سے بھی زیادہ آتش ناک ہے۔ تم ایک سیکنڈ سے بھی کم عرصے میں پگھل کر بہہ جاؤ گی۔"

روہنی بت بنی دُرگا بدروح کی باتیں سن رہی تھی۔ دُرگا کی بدروح نے کہا۔ "روہنی! یہ تمہاری چالاکی، عیاری اور تمہاری بدروحوں والی بدی کی طاقت کا امتحان ہے۔ تم نے کھوپڑی والے درخت کے پاس پہنچ کر میرا اگنی منتر پھونک کر پہرہ دینے والی بدروح کو غائب کر دینے کے بعد بدروحوں والی حیرت انگیز پھرتی اور برق رفتاری سے کام لیا اور کھوپڑی کو زمین کے نیچے سے نکال کر اسے پتھر مار کر پاش پاش کر دیا تو سمجھ لو کہ پھر اگر آسیبی لڑکی کا آسیب وہاں آ بھی گیا تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا کیونکہ تم اس کے فوراً بعد شیروان کو لے کر وہاں سے غائب ہو چکی ہو گی۔ یہ کام تمہیں ایک لمحے کے ہزارویں حصے کے اندر اندر کرنا ہو گا۔ کیا تم ایسا کر سکو گی؟"

روہنی نے کہا۔ "میں اپنے شیروان کے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں۔"

دُرگا کی بدروح نے اس کے جواب میں کہا۔ "تو پھر تم اپنی مہم میں ضرور کامیاب ہو جاؤ گی۔ اب میں تمہیں بتاتی ہوں کہ وہ جزیرہ کہاں ہے اور جزیرے میں وہ درخت کہاں ہے جس کے سائے میں آسیبی لڑکی نتالیا کی کھوپڑی دفن ہے۔ اپنی آنکھیں بند

کرو۔"

روہنی نے آنکھیں بند کر لیں۔ دُرگا کی بدروح نے بھی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے بعد شاید ان دونوں میں کوئی وائرلیس سسٹم قائم ہو گیا تھا جس کے ذریعے دُرگا کی بدروح کھوپڑی والے درخت اور اس آدم خور جزیرے کا حدود اربع اور نقشہ روہنی کے ذہن میں نقش کر رہی تھی۔ یہ کام ایک سیکنڈ میں ہو گیا۔

دُرگا نے آنکھیں کھول کر کہا۔ "آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھو۔"

روہنی نے آنکھیں کھول دیں اور دُرگا کی بدروح کی طرف دیکھنے لگی۔ دُرگا نے پوچھا۔ "جو میں تمہیں سمجھانا چاہتی تھی کیا تم سمجھ گئی ہو؟"

روہنی بولی۔ "مجھے ساری سمجھ آ گئی ہے کہ آدم خور جزیرہ افریقہ کے کس ملک کے پاس واقع ہے اور اس جزیرے میں کھوپڑی والا درخت کہاں ہے۔"

دُرگا کی بدروح نے کہا۔ "تو پھر ابھی شیروان کو لے کر روانہ ہو جاؤ تمہیں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ آسیبی لڑکی نتالیا کا آسیب کسی بھی وقت تم پر حملہ کر سکتا ہے۔"

روہنی نے دُرگا کی بدروح کا شکریہ ادا کیا تو دُرگا کی بدروح غائب ہو گئی۔ روہنی میرے پاس آ کر کہنے لگی۔ "شیروان! اب تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہمیں کہاں جانا ہے اور کیا کرنا ہے۔ تم نے سب کچھ سن لیا ہو گا۔"

میں نے کہا۔ "میں نے اتنا کچھ سن لیا ہے کہ کچھ اور سننے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔"

"آؤ یہاں سے باہر چلتے ہیں۔" روہنی نے کہا۔

ہم ویران جنگل سے باہر آ گئے۔ اس وقت رات ڈھلنا شروع ہو گئی تھی اور آسمان پر ستاروں کی چمک پھیکی پڑنے لگی تھی۔ دُور جے پور کے کسی مندر سے گھنٹیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ روہنی نے کہا۔ "مندر میں اماوس کی پچھلی رات کی پوجا ہو رہی ہے۔"

ویران محل کی سیڑھیاں اُتر کر ہم گیٹ کی طرف آنے کی بجائے محل کے احاطے کے پچھلے دروازے کی طرف بڑھے اس لئے کہ ہم غائب نہیں تھے اور گیٹ پر چوکیدار موجود تھے۔ مجھے یہ تجربہ ہوا تھا کہ روہنی صرف اسی وقت غائب ہوتی تھی جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ وہ خواہ مخواہ کبھی غائب نہیں ہوتی تھی۔ ہم پچھلے دروازے سے گزر سکتے تھے کیونکہ اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ ہم محل کے احاطے سے باہر آگئے۔

O

روہنی مجھے ساتھ لے کر محل سے دور ایک باغ میں آگئی۔

رات کا پچھلا پہر تھا۔ باغ سنسان پڑا تھا۔ ہم ایک جگہ بیٹھ گئے۔ روہنی نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کہنے لگی۔ ”شیروان! میری اور دُرگا کی جو باتیں ہوئی ہیں وہ تم نے بھی سنی ہیں۔ تمہیں ضرور تشویش ہوئی ہو گی۔ میں تمہیں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔ میں کسی حالت میں بھی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنے دوں گی۔“

میں نے کہا۔ ”روہنی! مجھے تم پر نہیں بلکہ اپنے اللہ پر بھروسہ ہے کہ وہ میرے گناہ معاف کر دے گا اور مجھے اس اذیت سے ضرور باہر نکال لے گا۔ باقی جہاں تک فکر مند ہونے کی بات ہے تو آخر میں ایک انسان ہوں۔ مجھ میں کمزوریاں بھی ہیں۔ مجھے تشویش ضرور ہے کیونکہ جس مہم پر ہم جا رہے ہیں یہ کم از کم میری زندگی اور موت کی مہم ہے لیکن میرا ایمان ہے کہ زندگی اور موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

روہنی کہنے لگی۔ ”تو تم کیا سمجھتے ہو کہ میرا یہ ایمان نہیں ہے؟ میں نو مسلم سہی لیکن مسلمان ہوں اور میں نے سچے دل سے اسلام قبول کیا تھا۔ اگر تم اپنی کسی غلطی کا خمیازہ بھگت رہے ہو تو میں بھی اپنے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہوں۔ تمہاری طرح مجھے بھی یقین ہے کہ خدا میرے گناہوں کو بھی معاف فرما دے گا اور تمہارے ساتھ مجھے بھی نجات مل جائے گی۔“

میں نے کہا۔ ”میں جانتا ہوں روہنی کہ تم ایسا ہی سوچتی ہو۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارا

کیا پروگرام ہے؟"

روہنی بولی۔ "ہم یہاں سے سیدھے افریقہ کے ملک ایتھوپیا کی طرف روانہ ہو جائیں گے تاکہ سب سے پہلے آسیبی لڑکی نتالیا سے چھٹکارا حاصل کیا جائے اس کے بعد اپنے مشترکہ دشمن پجاری رگھو سے بھی نمٹ لیں گے۔ میرے پاس شیش ناگن کا مہرہ ہے۔ پجاری رگھو اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔"

پھر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا تم میرے ساتھ افریقہ جانے کے لئے تیار ہو؟"

"میں کیوں تیار نہیں ہوں گا۔" میں نے بے دلی سے کہا۔

روہنی بولی۔ "میں جانتی ہوں تم بھی ان حالات سے تنگ آ چکے ہو۔ لیکن پیارے شیروان! مشکلات انسان کی زندگی میں آتی ہی رہتی ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ تم ان مشکلات کا مردوں کی طرح مقابلہ کر رہے ہو۔ اب اٹھو ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ نتالیا تمہاری تلاش میں ہے۔ میں حیران ہوں کہ ابھی تک اس نے تم پر حملہ کیوں نہیں کیا۔"

میں نے کہا۔ "شاید اسے علم ہو گیا ہے کہ میرے ہاتھ میں شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی ہے۔"

روہنی نے کہا۔ "لیکن وہ اپنا آپ تمہیں دکھا تو سکتی تھی۔ اس نے ایسا بھی نہیں کیا۔ وہ انتہائی خطرناک ہونے کے ساتھ انتہائی عیار آسیبی لڑکی بھی ہے۔ وہ تمہیں یہی احساس دلانا چاہتی ہے کہ اسے تم نہیں مل رہے اور پھر اچانک تمہیں غافل پا کر تمہیں جھپٹ کر لے اُڑے گی۔"

"خدا مجھے اس سے محفوظ رکھے۔" میں نے جواب دیا۔

روہنی نے کہا۔ "اب ہم چل رہے ہیں۔"

پہلے وہ غائب ہوئی۔ اس کے بعد اُس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں بھی غائب ہو

گیا۔ پھر ہم معمول کے مطابق آہستہ آہستہ زمین پر سے بلند ہوئے اور آہستہ آہستہ بلند ہوتے چلے گئے۔ جب میں نے دیکھا کہ باغ کے درخت پچھلی رات کے دھندلکے میں دور نیچے دھبوں کی طرح نظر آنے لگے ہیں تو روہنی نے پرواز کی رفتار تیز کر دی۔

میں نے روہنی سے پوچھا۔ "کیا تمہیں یہاں سے افریقہ تک کا راستہ معلوم ہے؟ میرا مطلب ہے فضائی راستہ۔"

مجھے روہنی کے ہلکے سے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ کہنے لگی۔ "ہم فضاؤں میں بھٹکنے والی بدروحیں ہیں۔ ہمیں فضائی راستوں کا ہوائی جہازوں کے ہوابازوں سے زیادہ علم ہوتا ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "ہم کس وقت افریقہ پہنچیں گے؟"

روہنی نے جواب دیا۔ "یہ بڑا لمبا سفر ہے مگر جتنی دیر میں ہوائی جہاز وہاں پہنچتا ہے ہم اس سے پہلے پہنچ جائیں گے۔"

ہم جے پور سے اڑے تھے۔ ہم اتنی بلندی پر تھے کہ مجھے نیچے زمین دکھائی دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد صبح ہو گئی اور نیچے پہاڑیاں، کھیت، گاؤں اور شہر اور چھوٹے چھوٹے مکان نظر آنے لگے۔ تب مجھے اندازہ ہوا کہ ہم کافی تیزی سے جا رہے ہیں۔ ہم کئی شہروں کے اُوپر سے گزر گئے۔ پھر ایک بہت بڑا شہر آ گیا۔ روہنی نے کہا۔ "ہم اس وقت تمہارے دوست جمشید کے شہر بمبئی کے اُوپر سے گزر رہے ہیں۔"

پھر بمبئی بھی گزر گیا اور سمندر شروع ہو گیا۔ روہنی نے کہا۔ "ہم بصرہ، کویت اور عراق کے ممالک سے گزرتے ہوئے قاہرہ اور پھر قاہرہ سے افریقہ پہنچیں گے۔ ایتھوپیا شمالی افریقہ میں مصر کے ساتھ ہی واقع ہے۔"

یہ سب کچھ مجھے الف لیلیٰ کی کوئی طلسمی داستان کی طرح لگ رہا تھا۔ میں نے کبھی زندگی میں سوچا بھی نہیں تھا کہ میں اس طرح ہوا میں اڑتا ہوا ان ملکوں کی سیر کروں گا۔ اس زمانے میں ابھی جیٹ ہوائی جہاز چلنا شروع نہیں ہوئے تھے۔ چار پنکھوں

والے ٹرائیڈنٹ جہاز ایک ملک سے دوسرے ملک میں پرواز کیا کرتے تھے اور ان کی رفتار ہلکی ہوتی تھی۔ ہم ابھی سمندر کے اوپر ہی تھے کہ میں نے نیچے نگاہ ڈالی تو مجھے ایک ہوائی جہاز اُڑتا دکھائی دیا اس کا رخ بھی بصرے کی طرف تھا۔ میں نے روہنی سے کہا۔ ”لگتا ہے یہ جہاز بھی بصرے جا رہا ہے۔“

روہنی نے کہا۔ ”کیا تم ہوائی جہاز کی سیر کرنا چاہتے ہو؟“

میں نے کہا۔ ”اگر ہم ہوائی جہاز کی سیر کر سکتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

روہنی نے کہا۔ ”چلو تھوڑی دیر کے لئے ہوائی جہاز کی ہی سیر کر لیتے ہیں۔“

اور وہ میرا ہاتھ تھامے نیچے کو غوطہ لگا گئی۔ ہم تھوڑی ہی دیر میں ہوائی جہاز کے اُوپر آ گئے۔ وہاں سے ہم جہاز کی کھڑکیوں کی طرف آ گئے۔ میں نے کھڑکیوں میں سے دیکھا اندر مسافر اپنی نشستوں پر بڑے سکون کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ایئر ہوسٹس ان میں ٹھنڈے مشروبات تقسیم کر رہی تھی۔ روہنی نے کہا۔ ”ہم جہاز میں داخل ہو رہے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی روہنی مجھے لئے ہوئے ہوا کی ایک لہر کی طرح تیرتے ہوئے ایک جگہ سے ہوائی جہاز کے اندر داخل ہو گئی۔ جب میں اس کے ساتھ جہاز کی کھڑکیوں کی طرف آیا تو قدرتی طور پر میں نے ڈر کر آنکھیں بند کر لیں اس خیال سے کہ جہاز کی کھڑکیوں سے میں ضرور ٹکرا جاؤں گا۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ مجھے ذرا سا دھچکا تک نہ لگا اور جب میں نے آنکھیں کھولیں تو میں جہاز کے اندر تھا۔ روہنی نے میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ کہنے لگی۔ ”اپنا ہاتھ مت چھڑانا ورنہ تم لوگوں کو نظر آنے لگو گے۔“

جہاز کافی بڑا تھا اور اس میں کئی نشستیں خالی پڑی تھیں۔ ہم کھڑکی کے پاس والی دو سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ میرا ایک ہاتھ روہنی کے ہاتھ میں تھا مجھے شرارت سوجھی۔ میں نے روہنی سے کہا۔ ”روہنی! میرا دل تھوڑی سی شرارت کرنے کو چاہتا ہے۔“

”کس قسم کی شرارت؟“ روہنی نے پوچھا۔

میں نے کہا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ تم تھوڑی دیر کے لئے میرا ہاتھ چھوڑ دو اور میں لوگوں کو نظر آنے لگوں گا اور ایئر ہوسٹس وغیرہ ضرور حیران ہوں گے کہ میں کہاں سے آ گیا ہوں۔ بڑا مزہ آئے گا۔ یہ لوگ ہمارا کچھ بگاڑ تو سکیں گے نہیں۔ ہم جس وقت چاہیں گے غائب ہو جائیں گے۔“

روہنی مسکرانے لگی۔ ”اس قسم کی شرارتیں زندہ انسانوں کو ہی سوجھ سکتی ہیں۔ یہ اچھی بات ہے زندہ دلی کا ثبوت ہے۔ میں تمہارا ہاتھ چھوڑ رہی ہوں۔“

روہنی نے جیسے ہی میرا ہاتھ چھوڑا میں انسانی شکل میں نظر آنے لگا۔ روہنی میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی مگر وہ کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے اپنے پیچھے کی طرف دیکھا۔ ایک ایئر ہوسٹس چلی آ رہی تھی۔ میں نے اُسے روک کر کہا۔ ”میڈم! میں چائے پینا چاہتا ہوں۔“

ایئر ہوسٹس نے مجھے حیران ہو کر دیکھا۔ پھر اُس نے اوپر سیٹ نمبر پر نگاہ ڈالی۔ کہنے لگی۔ ”شما کیجئے گا۔ آپ کے پاس بورڈنگ کارڈ کا باقی حصہ ہے؟ پلیز مجھے دکھا دیجئے۔“

یہ انڈیا کی کسی ہوائی کمپنی کا جہاز تھا اور بمبئی سے بصرے جا رہا تھا۔ میں نے یونہی جیبوں کو ٹٹولتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہیں گر گیا ہے میرے پاس نہیں ہے۔“

ایئر ہوسٹس نے مسکرا کر کہا۔ ”کوئی بات نہیں۔ میں آپ کے لئے چائے لے کر آتی ہوں۔“

وہ چلی گئی تو روہنی کہنے لگی۔ ”اب وہ اپنی ساتھی کو لے کر آئے گی۔“

اور ایسا ہی ہوا۔ مشکل سے ایک منٹ گزرا ہو گا کہ وہ ایئر ہوسٹس اپنی ایک ساتھی ایئر ہوسٹس کو لے کر آ گئی۔ دوسری ایئر ہوسٹس کے ہاتھ میں ایک چارٹ تھا جس پر مسافروں کے نام اور ان کے سیٹ نمبر لکھے ہوئے تھے۔ پہلی ایئر ہوسٹس کے ہاتھ

میں چائے کی پیالی تھی۔ اُس نے چائے کی پیالی مجھے پکڑادی۔ دوسری ایئر ہوسٹس نے مجھ سے پوچھا۔ ''شما کیجئے گا ہم مسافروں کی سیٹیں چیک کر رہے ہیں۔ آپ کا شبھ نام کیا ہے؟''

اس وقت مجھے یہی نام یاد آگیا۔ میں نے کہا۔ ''پرکاش کھنہ میرا نام ہے۔''

ایئر ہوسٹس چارٹ کو دیکھنے لگی۔ اس نے دو تین بار مسافروں کے نام چیک کئے مگر وہاں اُسے کہیں بھی میرا نام نظر نہ آیا۔ اُس نے حیران سی ہو کر مجھ سے پوچھا۔ ''سر آپ کو کریو کے کس آدمی نے یہاں بٹھایا ہے؟ ایسے پہلے کبھی نہیں ہوا لیکن میں اس لئے پوچھ رہی ہوں کہ مسافروں کی لسٹ میں آپ کا نام کہیں نہیں ہے۔''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مجھے عملے کے کسی آدمی نے نہیں بٹھایا مجھے ابھی ابھی میری ساتھی عورت نے یہاں بٹھایا ہے۔''

دونوں ایئر ہوسٹسیں پریشان ہو کر میرا منہ تکنے لگیں۔ ایک نے پوچھا۔ ''آپ کی ساتھی عورت کہاں ہے سر؟''

میں نے کہا۔ ''میری ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ہے۔''

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر تیز تیز قدموں سے کاک پٹ کی طرف چلی گئیں جہاں پائلٹ بیٹھا کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک پائلٹ کو لے کر ہمارے پاس آگئیں۔ بڑی مزیدار سچوایشن پیدا ہو گئی تھی اور میں اس سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس سے میری بوریت کافی حد تک دور ہونے لگی تھی۔

پائلٹ نے مسکراتے ہوئے مجھ سے ہاتھ ملایا اور بڑے اخلاق سے پوچھا۔ ''سر! آپ کہاں سے جہاز میں سوار ہوئے تھے؟''

میں نے چائے کی پیالی ایئر ہوسٹس کو پکڑاتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو یقین نہیں آئے گا لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اور میری ساتھی عورت ہم دونوں پانچ منٹ پہلے جہاز میں سوار ہوئے ہیں۔''

پائلٹ نے کہا۔ ''معاف کیجئے گا۔ پرواز کرتے جہاز میں تو کوئی بھی سوار نہیں ہو سکتا۔''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اور کوئی داخل ہو یا نہ ہو مگر ہم داخل ہو سکتے ہیں۔''

پائلٹ نے ایسی نظروں سے مجھے دیکھا جیسے وہ مجھے پاگل خیال کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''آپ کی ساتھی عورت کہاں ہے؟''

میں نے کہا۔ ''میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ہے۔''

اس نے کہا۔ ''آپ کی ساتھ والی سیٹ تو خالی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''خالی نہیں ہے۔ میری ساتھی عورت سیٹ پر باقاعدہ بیٹھی ہوئی ہے۔ میں اسے دیکھ رہا ہوں مگر آپ نہیں دیکھ سکتے۔''

پھر میں نے انہیں اور زیادہ پریشان دیکھنے کی خاطر روہنی سے کہا۔ ''روہنی! تم میرے ساتھ بیٹھی ہوئی ہوناں؟''

روہنی نے عورت کی آواز میں کہا۔ ''ہاں میں تمہارے ساتھ بیٹھی ہوئی ہوں۔''

ایک غیبی عورت کی آواز سن کر پائلٹ اور دونوں ایئر ہوسٹسوں کے چہروں کا رنگ اُڑ گیا۔ میں نے روہنی سے کہا۔ ''اِن کو یقین نہیں آتا۔''

روہنی نے جواب دیا۔ ''ابھی یقین آجائے گا۔'' اور اس کے ساتھ ہی روہنی بھی غیبی حالت سے انسانی شکل میں واپس آگئی۔ خالی سیٹ پر ایک عورت کو غیب سے اچانک نمودار ہوتے دیکھ کر ان لوگوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اوپر سے روہنی نے ایک اور شرارت کی۔ اس نے کہا۔ ''کیا تم لوگوں نے کبھی کوئی جن بھوت دیکھا ہے؟ اگر نہیں دیکھا تو مجھے دیکھ لیں۔ میں جن بھوت ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی دونوں ایئر ہوسٹسیں بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ پائلٹ ڈر کر

پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرے مسافر بھی عجیب نظروں سے ہم دونوں کو دیکھنے لگے۔ کچھ مسافروں نے ہماری باتیں سن لی تھیں۔ روہنی فوراً غائب ہو گئی اور کہنے لگی۔ ''اس سے زیادہ شرارت ٹھیک نہیں۔''

اُس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں بھی غائب ہو گیا۔ لیکن ہم جہاز میں بیٹھے رہے۔ پائلٹ نے ہمیں غائب ہوتے دیکھا تو وہ بھی ڈر کر کاک پٹ کی طرف بھاگ گیا۔ دوسری ایئر ہوسٹسیں آ گئیں اور بے ہوش ایئر ہوسٹسوں کو ہوش میں لانے لگیں۔ جب انہیں ہوش آ گیا تو ایک نے کہا۔ ''یہاں.... یہاں دو بھوت بیٹھے تھے۔ اس جہاز میں بھوت گھس آئے ہیں۔'' اور وہ دوبارہ بے ہوش ہو گئی۔

روہنی نے کہا۔ ''بس اتنا کھیل ہی کافی ہے۔ اب ہمیں نکل چلنا چاہئے۔'' اور ہم فضا میں تیرتے ہوئے جہاز سے باہر نکل آئے اور بلند ہو کر جہاز سے کافی اوپر آنے کے بعد اڑتے ہوئے جہاز سے آگے نکل گئے۔ اب ہماری منزل شمالی افریقہ کا ملک ایتھوپیا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا جب ہم ایتھوپیا کے پہاڑی سلسلے کے آسمان پر پہنچے۔ روہنی نے کہا۔ ''ہم اپنی منزل پر آ گئے ہیں۔''

میں نے پوچھا۔ ''وہ جنگل یہاں سے کس طرف ہے جہاں ہمیں جانا ہے؟''

روہنی نے کہا۔ ''جب میں وہاں پہنچوں گی تمہیں بتا دوں گی۔''

نیچے رات کا اندھیرا گہرا ہو رہا تھا۔ کہیں پہاڑی سلسلہ تھا اور کہیں ریتلا میدان تھا۔ ایک دریا بھی ہم نے دیکھا۔ ہم شہری آبادیوں سے کافی آگے نکل آئے تھے اور اب جنگلات شروع ہو گئے تھے۔

ایک جگہ آ کر روہنی کے اڑنے کی رفتار بہت مدھم ہو گئی۔ پھر اُس نے ایک طرف کو غوطہ لگایا۔ وہ بڑی تیزی سے آگے نکل گئی۔ میں اس کے ساتھ ہی پرواز کر رہا تھا۔ چونکہ میں غیبی حالت میں تھا اس لئے مجھے اندھیرے میں بھی سب کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ ہمارے نیچے اس وقت سمندر تھا۔ روہنی نے کہا۔ ''وہ جزیرہ آنے والا ہے

جس کے جنگل میں ہمیں اُترنا ہے۔ جب تک میں نہ کہوں بالکل مت بولنا۔''

میں خاموش رہا۔ ہم اب بہت مدھم رفتار کے ساتھ اُڑ رہے تھے۔ روہنی اُڑتے اُڑتے کسی وقت مجھ سے کوئی بات کر لیتی تھی مگر مجھے بولنے کی اجازت نہیں تھی۔ نیچے سمندر میں ایک بہت وسیع و عریض جزیرہ نظر آنے لگا۔ روہنی اب سرگوشی میں بات کرتی تھی۔ کہنے لگی۔ ''آسیبی لڑکی کی کھوپڑی والا جزیرہ آ گیا ہے۔ بالکل خاموش رہنا۔''

ایک مقام پر آ کر ہماری اُڑنے کی رفتار اتنی ہلکی ہو گئی کہ مجھے احساس ہونے لگا کہ ہم رات کی تاریکی میں فضا میں لٹکے ہوئے ہیں۔ روہنی مجھے لے کر جزیرے کے ایک کونے میں آہستہ آہستہ نیچے آ رہی تھی۔ جہاں ہم اُترے وہاں جنگلی جھاڑیوں سے ڈھکے ہوئے ٹیلے تھے۔ روہنی مجھے لے کر ایک ٹیلے کے چھوٹے سے غار میں آ گئی۔ اُس نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا اور سرگوشی میں کہنے لگی۔ ''شیر وان! ہم کھوپڑی والے درخت سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے آسیبی لڑکی نتالیا کے آسیب کو ہمارے آنے کی اطلاع مل چکی ہو۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر وہ کسی بھی لمحے وہاں نمودار ہو سکتی ہے۔''

میں نے بڑی دھیمی سرگوشی میں کہا۔ ''میرے پاس شیش ناگن کی انگوٹھی ہے۔''

''ہاں۔'' روہنی نے کہا۔ ''وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی لیکن اگر میں اُس کے سامنے آ گئی تو وہ اپنا جوالا مکھی منتر پھونک کر مجھے ہلاک کر سکتی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''میری انگوٹھی تم پہن لو۔''

روہنی بولی۔ ''ابھی نہیں۔ ابھی یہ انگوٹھی تم ہی پہنے رہو۔ میں عین وقت پر تم سے شیش ناگن والی انگوٹھی لوں گی۔ تمہارے پاس انگوٹھی نہ ہوئی تو مجھے ڈر ہے کہ نتالیا کا آسیب تمہیں اٹھا کر لے جائے گا۔ اس وقت مجھے دو محاذوں پر جنگ کرنی ہے۔ ایک تو تمہیں آسیب سے بچانا ہے دوسرے آسیبی لڑکی کی کھوپڑی پاش پاش کرنی

ہے۔"

پھر وہ کہنے لگی۔ "تم اس جگہ چھپ کر بیٹھے رہو۔ میں اس درخت کی نشاندہی کرتی ہوں جس کے نیچے آسیبی لڑکی نتالیا کی کھوپڑی دفن ہے۔"

میں نے کہا۔ "اپنا خیال رکھنا۔"

میرے اس فقرے پر روہنی نے مجھے پلٹ کر دیکھا اور بولی۔ "یہ جان کر میرا حوصلہ بلند ہو گیا ہے کہ تمہیں میری فکر ہے۔"

میں نے آگے سے کوئی جواب نہ دیا۔ روہنی غائب ہو گئی۔ اس وقت میں غائب نہیں تھا ظاہر حالت میں تھا اور ٹیلے کے غار میں اندھیرے میں ایک طرف سمٹ کر بیٹھا ہوا تھا۔ جنگل میں ہر طرف اندھیرا تھا اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔

اچانک اس سناٹے کو چیرتی ہوئی ایک چیخ کی آواز سے جنگل کی خاموشی گونج اٹھی۔ میں اپنی جگہ پر کانپ سا گیا۔ اس کے بعد پھر سناٹا چھا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد روہنی غار میں داخل ہوئی۔ وہ غیبی حالت میں تھی اور کچھ گھبرائی ہوئی بھی تھی۔ آتے ہی کہنے لگی۔ "تم ٹھیک ہو ناں؟"

میں نے کہا۔ "یہ چیخ کی آواز کیسی تھی؟"

روہنی نے کہا۔ "میں نے اس بدروح کو ختم کر دیا ہے جو کھوپڑی والے درخت پر بیٹھی آسیبی لڑکی کی کھوپڑی کی حفاظت کر رہی تھی۔ اب ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

میں اُٹھ کر اس کے ساتھ ہو گیا۔ روہنی خود بھی غائب تھی اور اُس نے مجھے بھی غائب کر دیا ہوا تھا۔ ہم زمین پر چل نہیں رہے تھے بلکہ زمین سے کوئی سات فٹ کی بلندی پر ہوا میں بڑی آہستہ آہستہ جس طرح فلموں میں دکھایا جاتا ہے سلو موشن میں تیر رہے تھے۔ درختوں اور جھاڑیوں میں گہرا اندھیرا تھا مگر ہمیں دُھندلا دُھندلا سب کچھ دکھائی دے رہا تھا۔

فضا میں تیرتے تیرتے روہنی نے میرے بالکل قریب آ کر ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ یہ ایک بہت بڑا گھنا درخت تھا۔ روہنی نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ میں سمجھ گیا کہ یہی وہ درخت ہے جس کے نیچے آسیبی لڑکی نتالیا کی کھوپڑی دفن ہے۔ جب یہ درخت کوئی پندرہ بیس فٹ دُور رہ گیا تو ہم ایک جگہ گھنی جھاڑیوں میں اُتر گئے اور وہیں دبک کر بیٹھ گئے۔ اب ہم بالکل زمین کے ساتھ لگ کر سلو موشن سے بھی کم رفتار کے ساتھ آگے کو جا رہے تھے۔ جب درخت تین چار قدموں کے فاصلے پر رہ گیا تو روہنی نے اپنے ساتھ مجھے بھی روک دیا۔ اس نے زبان سے کوئی لفظ نکالے بغیر میرے ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ سے ٹٹولا اور میری انگلی سے شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی اتارنے لگی۔ میری انگلی میں پڑے پڑے انگوٹھی سخت ہو گئی تھی اور انگلی سے نکل نہیں رہی تھی۔ ہم آپس میں بات نہیں کر سکتے تھے۔ روہنی انگوٹھی میری انگلی سے اتارنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ انگوٹھی اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہل رہی تھی۔

عین اسی وقت اچانک ہمارے سروں کے اوپر سے ہیبت ناک گونج کے ساتھ کوئی چیز آگے کو نکل گئی جیسے کوئی ہوائی جہاز ہمارے سروں کے قریب سے ہو کر گزر گیا ہو۔ روہنی نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس کے ساتھ ہی جنگل دہشت ناک چیخوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ روہنی مجھے لے کر ایسے ایک جانب اوپر کو پرواز کر گئی جیسے کوئی راکٹ چھوٹ گیا ہو۔ ایک سیکنڈ کے اندر اندر ہم خدا جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ دہشت ناک آوازیں اب بھی ہمارے ساتھ ساتھ تھیں۔

روہنی نے گھبرائی ہوئی آواز میں مجھے کہا۔ "شیروان! نکل جاؤ..... نکل جاؤ۔"

اور اس نے مجھے پوری طاقت سے ایک جانب دھکا دیا۔ میرا ہاتھ روہنی کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میں اکیلا اپنے آپ رات کی تاریک فضا میں بڑی تیزی سے اُڑنے لگا۔ خدا جانے یہ روہنی کے دھکیلنے کا اثر تھا کہ میں فضا میں پستول کی گولی کی رفتار سے

اُڑتا چلا جارہا تھا۔ میرے چاروں طرف جیسے کوئی شے، شاں شاں کی آواز سے جھپٹے
مار رہی تھی۔ میری رفتار اتنی تیز تھی کہ مجھے لگتا تھا جیسے میں فضا میں تحلیل ہو کر ہوا
کے جھونکے میں تبدیل ہو گیا ہوں۔ مجھے اُوپر نیچے، دائیں بائیں کچھ نظر نہیں آرہا
تھا۔

پھر جھپٹنے کے شراٹے اور چیخوں کی آوازیں غائب ہو گئیں۔ میں ابھی تک
ناقابل تصور رفتار سے اُڑتا چلا جارہا تھا۔

میں آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر میری آنکھیں نہیں کھل رہی
تھیں۔ مجھ پر جیسے کسی کا دباؤ پڑا ہوا تھا۔ میرے ہاتھوں کی مٹھیاں اپنے آپ بند ہو گئی
تھیں۔ اتنی تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری سے پرواز کرنے کا مجھے روہنی کے ساتھ پہلے
کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ پہلی بار پرواز کرتے ہوئے مجھے اپنا جسم بے حد بوجھل محسوس
ہونے لگا تھا۔ مجھے یاد آگیا میں نے سائنس کی کتاب میں ایک جگہ پڑھا تھا کہ فضا میں
جیسے جیسے کسی پرواز کرتی مادی شے کی رفتار تیز ہوتی جاتی ہے اس کا وزن بڑھتا چلا جاتا
ہے۔ میرا وزن بڑھ گیا تھا کہ لگتا تھا میں کوئی چٹان ہوں جو ہوا میں اُڑ رہی ہے۔ اس کا
مطلب تھا کہ میں آواز کی رفتار سے بھی کئی سو گنا تیز رفتاری کے ساتھ اُڑ رہا تھا۔

یقیناً یہ روہنی کے دھکے کا اثر تھا۔ شاید اُس نے مجھے فضا میں کسی خاص رُخ کو بھی
ڈال دیا تھا کیونکہ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں ایک سمت کو پرواز کر رہا ہوں۔ پھر آہستہ
آہستہ سب سے پہلے میرے جسم کا وزن کم ہونا شروع ہوا۔ کچھ ہی دیر بعد میرے جسم
کا وزن غائب ہو گیا اور میں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ میری آنکھیں اور
میری ہاتھوں کی مٹھیاں بھی اپنے آپ کھل گئی تھیں۔ میں نے نیچے جھانک کر دیکھا۔
مجھے نیچے کسی شہر کی روشنیاں چھوٹے چھوٹے نقطوں کی طرح جھلملاتی دکھائی دے
رہی تھیں۔ خدا جانے یہ کون سا شہر تھا، کون سا ملک تھا۔ مجھے کچھ خبر نہیں تھی۔ میرا
اُڑنا اور میرا غائب ہونا میرے اختیار میں نہیں تھا۔

اس سے پہلے جب روہنی میرا ہاتھ چھوڑ دیتی تھی تو میں غیبی حالت سے ظاہری
حالت میں آجاتا تھا اور نظر آنے لگتا تھا۔ مگر اب روہنی کا ہاتھ چھوڑنے کے باوجود
میں ابھی تک غائب تھا اور فضا میں اُڑ رہا تھا۔ جبکہ پہلے روہنی میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے
ساتھ اُڑایا کرتی تھی۔

یہ میرے ساتھ ایک نئی بات ہوئی تھی۔ کوئی طاقت مجھے اپنے آپ کسی طرف
لئے جارہی تھی۔ پہلے میرا وزن کم ہو کر غائب ہو گیا تھا اب اپنے آپ میری رفتار کم
ہونا شروع ہو گئی تھی۔ ابھی رات ہی تھی۔ اُوپر آسمان پر تارے چمک رہے تھے۔
نیچے سے کوئی آبادی گزرتی تو اس کی ٹمٹماتی روشنیاں نظر آجاتی تھیں۔

ابھی تک مجھے یہ علم نہیں تھا کہ میں کس ملک میں ہوں۔

میری رفتار ضرور کم ہو گئی تھی لیکن میں نیچے نہیں آرہا تھا۔ پھر جیسے اپنے آپ
کسی نے مجھے آہستہ آہستہ نیچے کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔ ایک جگہ پر آکر میں
بالکل سیدھا ہو کر اُڑنے لگا۔ اُس وقت میرے نیچے اندھیرے میں پہاڑوں کے
دھندلے دھندلے خاکے دکھائی دے رہے تھے۔ پھر یہ پہاڑ پیچھے رہ گئے اور دور سے
شہر کی روشنیاں قریب آنے لگیں۔ میں اپنے آپ نیچے ہوتا گیا۔ زمین سے کوئی سو
ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی پر آکر میں ایک بار پھر سیدھی پرواز کرنے لگا۔

میں شہر کی روشنیوں کے اُوپر سے گزر رہا تھا۔

ابھی تک میں نے اس شہر کو بالکل نہیں پہچانا تھا۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ جو غیبی
قوت مجھے اڑائے لئے جارہی ہے وہ مجھے اسی شہر میں کسی جگہ اُتارنا چاہتی ہے۔ میری
رفتار کبھی آہستہ ہو جاتی کبھی ذرا تیز ہو جاتی۔ میری کیفیت بالکل ایسی تھی جیسے کوئی
ہوائی جہاز لینڈ کرنے والا ہو۔ میں درختوں کے ایک جھنڈ کے اوپر سے گزر گیا۔ سامنے
ایک قلعہ نما محل دکھائی دیا جس کی چار دیواری کے احاطے میں بجلی کے بلب روشن
تھے۔ میں نے فوراً اسے پہچان لیا۔ یہ وہی قدیم محل تھا جہاں آدھی رات کو روہنی کی

سہیلی دُرگا کی بدروح آیا کرتی تھی۔

اس کا مطلب تھا کہ میں راتوں رات برق رفتاری سے پرواز کرتا ہوا افریقہ کے ملک سے اُڑ کر بھارت کے شہر جے پور پہنچ گیا تھا۔ یہ کام روہنی کی طلسمی طاقت نے انجام دیا تھا۔ روہنی چاہتی تھی کہ میں اپنے آپ کو بچا کر دُرگا کے پاس چلا جاؤں۔ روہنی ہی کی طلسمی طاقت نے مجھے غیبی حالت میں رکھتے ہوئے راتوں رات اُڑا کر دُرگا کے محل پر پہنچا دیا تھا۔ میں محل کی چھت کے اُوپر آگیا اور پھر اپنے آپ چھت پر اُتر گیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کوئی ہیلی کاپٹر اُترتا ہے۔ میں ابھی تک غیبی حالت میں تھا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی میری انگلی میں موجود تھی۔

O

خدا جانے روہنی پر کیا گزری ہوگی۔

لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ بھی اپنے آپ کو بچا کر کسی طرف نکل گئی ہوگی۔ وہاں ہوا یہ تھا کہ عین اس وقت جب روہنی میری انگوٹھی اتار کر اپنی انگلی میں ڈالنے کے بعد آسیبی لڑکی کی کھوپڑی زمین سے نکالنے والی تھی تو آسیبی لڑکی نتالیا کا آسیب سر پر پہنچ گیا تھا۔ وہ مجھ پر تو حملہ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میرے ہاتھ میں شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی تھی۔ لیکن روہنی نہتی تھی۔ اس کے پاس آسیب کے خوفناک حملے سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے کوئی طاقت نہیں تھی۔ وہ یہی کر سکتی تھی کہ مجھے وہاں سے نکال کر خود کسی طرف کو فرار ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ آسیب اس کے پیچھے گیا ہو گیا کیونکہ اسے پتہ چل گیا تھا کہ روہنی اس کی دفن شدہ کھوپڑی توڑ کر اس کی طاقت کو ختم کرنے آئی ہے۔ روہنی کے ساتھ کیا بیتی تھی اس کا مجھے کچھ علم نہیں تھا۔ اس کا حال اگر کوئی بتا سکتا تھا تو وہ دُرگا کی بدروح ہی تھی شاید اسی لئے روہنی نے مجھے اُس کے پاس بھیج دیا تھا۔

میں چھت پر سے اُتر کر ویران محل کے تہہ خانے میں آگیا۔ میرا خیال تھا کہ میں آدھی رات کو افریقہ کے ملک سے چلا تھا اور جس قیامت خیز رفتار کے ساتھ اُڑتا ہوا میں جے پور پہنچا تھا اس کے پیش نظر ابھی آدھی رات کا ہی وقت ہونا چاہئے تھا۔ تہہ خانے میں آکر میں غیبی حالت میں ہی ایک ستون کے پاس کھڑے ہو کر سامنے والے

ستون کے پیچھے جو دیوار تھی اُس کو تکنے لگا۔ دُرگا کی بدروح اسی دیوار پر ظاہر ہوتی تھی۔ مجھے وہاں آئے دو تین منٹ ہی گزرے تھے کہ دُور سے ہلکی ہلکی چیخوں کی آوازیں آنے لگیں۔ میں سمجھ گیا کہ دُرگا کی بدروح آ رہی ہے۔ کچھ دیر کے بعد چیخوں کی آواز غائب ہو گئی۔ دیوار پر ایک روشنی سی چمک کر بجھ گئی اور پھر دُرگا کی بدروح نمودار ہو گئی۔

میں اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ میری طرف دیکھ رہی تھی۔

دُرگا کی بدروح اپنی لال انگارہ ایسی آنکھوں سے مجھے مسلسل تکتی رہی۔ میں بالکل خاموش رہا۔ دُرگا کی بدروح نے گہرا سانس بھرا۔ جیسے کسی سانپ نے دھیمی سی پھنکار ماری ہو۔ اُس نے مجھ سے کہا۔ "شیروان! تم خوش قسمت ہو کہ نتالیا کے آسیب کے حملے سے بچ گئے۔ اگر تمہارے پاس شیش ناگن کی انگوٹھی نہ ہوتی تو اس وقت یہاں نہ ہوتے۔"

میں نے کہا۔ "دُرگا! مگر مجھے روہنی کے بارے میں تشویش ہے۔ اُس نے مجھے تو آسیب کی مصیبت سے نکال دیا تھا مگر معلوم نہیں اُس کے ساتھ کیا گزری ہو گی اور وہ اس وقت کہاں ہو گی۔ کس حالت میں ہو گی۔"

دُرگا کی بدروح کہنے لگی۔ "آسیب کی دنیا ہم بدروحوں کی دنیا سے بالکل مختلف اور الگ ہوتی ہے۔ کوئی بدروح آسیب کی دنیا میں داخل ہونے کی جرات نہیں کر سکتی اس لئے مجھے خود معلوم نہیں ہے کہ روہنی اس وقت کہاں ہو گی۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ جس وقت تم اُس سے الگ ہوئے تھے کیا تمہیں روہنی کی کوئی چیخ وغیرہ سنائی دی تھی؟"

میں نے کہا۔ "کوئی چیخ سنائی نہیں دی تھی۔ روہنی گھبرائی ہوئی ضرور تھی۔ اُس نے مجھے کہا تھا کہ شیروان یہاں سے نکل جاؤ..... نکل جاؤ۔"

"اس کے بعد کیا ہوا تھا؟" دُرگا نے پوچھا۔

میں نے کہا۔ "اس کے بعد روہنی نے مجھے بڑے زور سے ایک طرف دھکیل دیا تھا اور میں ایک راکٹ کی طرح فضا میں اُڑ گیا تھا۔"

دُرگا کی بدروح کچھ دیر کے لئے کسی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر کہنے لگی۔ "اگر روہنی کی کوئی چیخ سنائی نہیں دی تھی تو اس کا مطلب ہے کہ اسے کچھ نہیں ہوا اور وہ اپنے آپ کو بچا کر لے گئی ہے۔"

"مگر وہ کہاں گئی ہو گی؟" میں نے پوچھا۔ "وہ میرے ساتھ کیوں نہیں بھاگی؟"

دُرگا نے کہا۔ "روہنی نے تمہارے ساتھ اپنی محبت کا ثبوت دیا ہے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ بھاگتی تو اگرچہ تمہارے پاس شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی تھی لیکن اس بات کا خطرہ تھا کہ آسیبی لڑکی نتالیا کا آسیب تم پر بھی حملہ نہ کر دے کیونکہ آسیبی لڑکی نتالیا تمہیں بھی اغوا کر کے واپس لے جانا چاہتی تھی۔"

میں نے کہا۔ "لیکن میرے ہاتھ میں تو شیش ناگن کی انگوٹھی تھی وہ مجھے کیسے اغوا کر سکتی تھی؟"

دُرگا کی بدروح نے اس کے جواب میں کہا۔ "ٹھیک ہے۔ نتالیا کا آسیب تمہارے نزدیک نہیں آ سکتا تھا لیکن روہنی نہیں چاہتی تھی کہ نتالیا کا آسیب اسے چھوڑ کر تمہارے پیچھے لگ جائے۔ اگر آسیب تمہارے پیچھے لگ جاتا تو پھر اُس نے تمہیں نہیں چھوڑنا تھا اور کسی نہ کسی طریقے سے تمہارے ہاتھ کی انگوٹھی غائب کر کے تمہیں پکڑ لینا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ روہنی نے آسیب کو اپنے پیچھے لگا لیا اور تمہیں بچا لیا۔"

میں روہنی کی اس قربانی سے کافی متاثر ہوا تھا۔ مجھے اُس سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ اب مجھے اُس کی جان کا فکر لگ گیا تھا۔ میں نے دُرگا سے کہا۔ "دُرگا! نتالیا کا آسیب تو روہنی کا جانی دشمن بن چکا ہے کیونکہ روہنی اس کی دفن شدہ کھوپڑی کو توڑنے اور اس کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے وہاں آئی تھی۔"

دُرگا نے کہا۔ "ہاں۔ نتالیا کا آسیب روہنی کی جان کا دشمن بن چکا ہے۔ کیونکہ

نتالیا کی کھوپڑی کے ٹوٹ جانے سے اُس کی ساری طاقت اس سے چھن جاتی تھی اور پھر کوئی کمزور سے کمزور معمولی بدروح بھی اسے اپنا غلام بنا سکتی تھی اور اُسے ہلاک بھی کر سکتی تھی۔"

"پھر تو روہنی کو ہمیں بچانا چاہیئے۔" میں نے دُرگا سے کہا۔ "اگر روہنی کو کچھ ہو گیا تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ کیونکہ اُس نے یہ سارا خطرہ صرف مجھے اس مصیبت سے نکالنے کے لئے مول لیا تھا۔ مجھے بتاؤ دُرگا! روہنی کہاں ہو گی؟ میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

دُرگا کی بدروح بولی۔ "مجھے خود معلوم نہیں کہ روہنی کہاں ہے۔ میں تمہیں کیسے بتا سکتی ہوں؟"

میں نے فکر مندی کے ساتھ کہا۔ "کیا تم کسی طرح اس کا پتہ نہیں لگا سکتیں دُرگا؟ تم تو دُور کی چیزیں بھی دیکھ لیتی ہو۔"

دُرگا کہنے لگی۔ "اگر روہنی کا مقابلہ کسی بدروح سے ہوتا تو میں ضرور اُس کا پتہ لگا سکتی تھی اور اُس کی مدد بھی کر سکتی تھی لیکن اُس کا مقابلہ ایک آسیب سے ہے۔ میں آسیب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔" پھر وہ کچھ سوچ کر بولی۔ "ایک بات ہو سکتی ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

دُرگا نے کہا۔ "روہنی کا پتہ صرف مالینی بدروح ہی بتا سکتی ہے۔ اس کے لئے مجھے اُس کے پاس بدروحوں کی سب سے خطرناک دُنیا میں جانا ہو گا۔"

میں نے کہا۔ "دُرگا! روہنی تمہیں اپنی سب سے پیاری اور گہری سہیلی سمجھتی ہے۔ وہ میرے سامنے تمہارا ذکر ہمیشہ بڑی محبت سے کیا کرتی ہے۔ کیا تم اپنی سہیلی کے لئے اتنا سا کام بھی نہیں کرو گی؟"

دُرگا اگرچہ بدروح تھی لیکن میری باتوں کا اُس پر اثر ہو گیا۔ کہنے لگی۔ "کیوں نہیں جاؤں گی۔ میں ابھی مالینی کے پاس جاتی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"

وہ بولی۔ "وہاں جانے کا پھر کبھی نام نہ لینا۔ تم اس محل میں ٹھہرو مجھے وہاں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

یہ کہہ کر دُرگا کی بدروح غائب ہو گئی۔

میں تہہ خانے میں ایک ستون کے پاس بیٹھ گیا۔ دُرگا بدروح کو گئے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ تہہ خانے کی دیواریں اس طرح ہلنے لگیں جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ میں غیبی حالت میں ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ دیواریں لرز رہی تھیں۔ ایسے لگتا تھا ابھی ایک دوسری سے ٹکرا جائیں گی۔ میں وہاں سے بھاگنے ہی والا تھا کہ تہہ خانے کی فضا میں ایک خوفناک چیخ بلند ہوئی اور میں وہیں سہم کر بیٹھ گیا۔ چیخ کی آواز دیر تک تہہ خانے میں گونجتی رہی۔

اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔

اچانک مجھے گلاب کے پھولوں کی خوشبو آنے لگی۔ میں چونک گیا۔ یہ خوشبو نتالیا کے لباس سے آیا کرتی تھی۔ وہی نتالیا جو حقیقت میں ایک انتہائی ظالم اور خطرناک آسیبی لڑکی تھی اور جو مجھ سے محبت کرتی تھی اور جس نے زبردستی مجھ سے شادی کر لی تھی اور جو اب میرے پیچھے پڑی ہوئی تھی اور جس نے روہنی کو ہلاک کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔

میں سمجھ گیا کہ آسیبی لڑکی نتالیا اُس تہہ خانے میں آ گئی ہے۔ میں نے بھاگنا چاہا لیکن غیبی حالت میں ہونے کے باوجود میں اپنی جگہ سے بالکل نہ ہل سکا اور مجھے اپنے پاؤں ایک ایک من کے بھاری محسوس ہونے لگے۔ میں نے جلدی سے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ میرے ہاتھ کی انگلی میں شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی موجود تھی۔ میں مطمئن ہو گیا۔ اگر روہنی کو پاتال کی دلدلی گہرائیوں سے نکال کر باہر لانے والے سفید سانپ کے کہنے کے مطابق شیش ناگن کے مہرے کی وجہ سے کوئی جن بھوت کوئی

آسیب میرے قریب نہیں آسکتا تھا تو آسیبی لڑکی نتالیا بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔

میں پتھر کا بت بنا اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

گلابوں کی خوشبو گہری ہو گئی۔ پھر مجھے آسیبی لڑکی نتالیا کی محبت بھری آواز آئی۔

"میری جان! تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟ میں تمہاری تلاش میں بھٹکتی پھرتی تھی۔ تمہاری خوشبو مجھے یہاں لے آئی ہے۔ دیوتاؤں کا شکر ادا کرتی ہوں کہ انہوں نے مجھے دوبارہ تم سے ملادیا۔ چلو گھر چلیں جہاں ہماری شادی ہوئی تھی۔"

میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ تم یہاں سے چلی جاؤ۔"

نتالیا نے اداس آواز میں کہا۔ "میری جان! تم مجھ سے کس لئے ناراض ہو۔ کیا تمہیں ابھی تک پتہ نہیں چلا کہ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "نتالیا! مجھے یہ راز معلوم ہو چکا ہے کہ تم کون ہو۔ میں تمہاری اصلیت جان گیا ہوں۔ اب میں کبھی تمہارے جال میں نہیں پھنسوں گا۔"

نتالیا کی آواز آئی۔ "میری جان! تم کو میرے بارے میں کسی نے غلط بتایا ہے۔ میں تمہاری داسی ہوں۔ تمہاری کنیز ہوں تم سے پیار کرتی ہوں پھر تم کیوں مجھ سے دور بھاگتے ہو؟"

ابھی تک نتالیا کی مجھے آواز ہی آرہی تھی۔ وہ خود کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "میں تم سے اس لئے دور بھاگتا ہوں کہ تم انسان نہیں ہو۔ ایک چڑیل ہو۔ بدروح سے بھی بدتر ایک خطرناک آسیب ہو۔ اب میں تمہاری چال میں آنے والا نہیں ہوں۔"

نتالیا نے کہا۔ "اگر میں کوئی چڑیل ہوں، کوئی آسیب ہوں تو پھر میں تمہیں اٹھا کر بھی لے جا سکتی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "میرے ہاتھ میں شیش ناگن کی انگوٹھی ہے۔ میں جانتا ہوں تم مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتیں۔"

نتالیا ایک دم ظاہر ہو گئی۔ وہ مجھ سے دس پندرہ گز دور ستونوں کے درمیان کھڑی میری طرف رحم طلب نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اُس نے عام عورتوں کی طرح شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ گلے میں ریشمی دوپٹہ تھا۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ ایک نظر اُسے دیکھ کر مجھے یقین سا ہونے لگا کہ نتالیا کوئی چڑیل یا آسیب نہیں ہے بلکہ یہ بڑی ہی درد دل رکھنے والی اور اپنے خاوند کی محبت میں ڈوبی ہوئی عورت ہے اور جتنا یہ مجھ سے پیار کرتی ہے اتنا پیار شاید ہی کوئی مجھ سے کرتا ہوگا۔ لیکن فوراً مجھے خیال آگیا کہ یہ سب دکھاوا ہے۔ یہ عورت کوئی بدروح یا چڑیل ہی نہیں بلکہ اس سے ایک ہزار گنا زیادہ خطرناک آسیب ہے جو کھڑے کھڑے زندہ انسانوں کا خون پی جاتی ہیں اور آدمی ایک سیکنڈ میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر گر پڑتا ہے۔ ٹھیک ہے یہ آسیبی لڑکی مجھے پسند کرتی ہے لیکن اس کی محبت میں بھی میری موت ہے۔

میں نے اُسے کہا۔ "نتالیا! میرا پیچھا کرنا چھوڑ دو اور اپنی دنیا میں واپس چلی جاؤ کیونکہ میں کبھی تمہارے قابو میں نہیں آسکوں گا۔ شیش ناگن کی انگوٹھی اب ساری زندگی میرے ساتھ رہے گی۔"

نتالیا نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ "میرے پیارے! کیا تم بھول گئے ہو کہ ہماری شادی ہو چکی ہے۔ میں تمہاری بیوی ہوں اور تم میرے خاوند ہو۔"

میں نے کہا۔ "نہ تم میری بیوی ہو نہ میں تمہارا خاوند ہوں۔ میری شادی چڑیلوں اور بھوتوں نے کی تھی۔ میں اسے شادی نہیں مانتا۔ یہ شادی میری مرضی کے خلاف ہوئی ہے۔"

اچانک ایسا ہوا کہ جہاں نتالیا کھڑی تھی وہاں ایک شعلہ بھڑکا اور ایک ایسی چیخ بلند ہوئی جس سے محل کے در و دیوار لرز اٹھے۔ میرا دل خوف کے مارے ڈوبنے لگا۔

دوسرے لمحے جہاں نتالیا کھڑی تھی وہاں ایک ایسی عورت کھڑی تھی جس کی آنکھوں میں آگ کے شعلے لپک رہے تھے، چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ چہرے اور سارے جسم کا رنگ نیلا..... گہرا نیلا تھا۔ سر کے بال میں سینکڑوں سانپ رینگ رہے تھے، کلبلا رہے تھے۔ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی دوسرے ہاتھ میں نوکیلا ترشول تھا۔

یہ نتالیا کا اصل روپ تھا۔ یہ اس کا آسیب تھا۔ میں خوف سے کانپ رہا تھا۔ بھاگنا چاہتا تھا مگر بھاگ نہیں سکتا تھا۔ میرا سارا غیبی جسم پہاڑ کی طرح بھاری ہو گیا تھا۔ پتھر ہو گیا تھا۔ وہ ترشول کو میری طرف کر کے آگے بڑھی۔ شیش ناگن کے مہرے پر میرا یقین غائب ہو گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ مہرہ مجھے اُس آسیب، اُس چڑیل سے نہیں بچا سکے گا۔ میں خدا کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگنے لگا۔ نتالیا کا آسیب مجھے غیبی حالت میں بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ میری طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کے ترشول کا رُخ میرے چہرہ کی طرف تھا۔ اس کے حلق سے ڈراونی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اُس نے دہشت ناک آواز میں کہا۔ ”فیروز! میں جانتی ہوں تمہیں میرے خلاف روہنی نے ورغلایا ہے۔ وہ میری دشمن ہے۔ میں تمہارے ساتھ اسے بھی نہیں چھوڑوں گی۔ اسے تو میں نے ایسی جگہ پہنچا دیا ہے جہاں سے وہ ہزاروں سال تک باہر نہیں نکل سکے گی۔ اب میں تم سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لوں گی۔ میں تمہیں اس طرح قتل کروں گی کہ سب سے پہلے تمہارا خون پی جاؤں گی۔ پھر تمہارے جسم کے ٹکڑے کر کے ایک ایک کر کے کھا جاؤں گی۔“

اس نے ایک دل ہلا دینے والی چیخ ماری اور زور سے ترشول میری طرف پھینکا۔ میں نے بے اختیار اپنے اللہ کو پکارا۔ اُس کے ساتھ ہی ترشول مجھ سے چار قدم کے فاصلے پر آ کر غائب ہو گیا۔ آسیبی چڑیل نتالیا کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اُس نے دوڑ کر مجھ پر تلوار کا وار کرنا چاہا لیکن ایک جھٹکے کے ساتھ کسی نے اُسے اٹھا کر دور پٹخ دیا۔ نتالیا کے آسیب کے حلق سے بھیانک آواز بلند ہوئی اور وہ چیختی چلاتی غائب ہو

گئی۔ پھر جیسے دور سے اس کی آواز آئی۔ ”فیروز! یاد رکھ۔ میں تیرا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔ آج نہیں تو کل میں تیرا خون پی کر رہوں گی۔“

اور پھر تہہ خانے میں موت کی خاموشی چھا گئی۔

میں ابھی تک خوف سے لرز رہا تھا۔ آسیبی چڑیل کے غائب ہوتے ہی میرا جسم پھول کی طرح ہلکا ہو گیا۔ خدا نے مجھے اس بلا سے محفوظ کر لیا تھا۔ میں سجدے میں گر پڑا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اتنے میں تہہ خانے کے سامنے والی دیوار پر روشنی ہوئی اور دُرگا بدروح کا چہرہ نمودار ہوا۔ اُس نے آتے ہی مجھ سے کہا۔ ”مجھے یہاں کسی آسیب کی بو آ رہی ہے۔ کیا نتالیا کا آسیب یہاں آیا تھا؟“

میں نے دُرگا کو سارا خوفناک واقعہ سنا دیا۔ وہ بولی۔ ”شیروان! شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی نے تمہیں بچا لیا ہے۔ اگر یہ انگوٹھی تمہاری انگلی میں نہ ہوتی تو آج تمہارا زندہ بچنا ناممکن تھا۔“

میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ انگوٹھی تو ایک بہانہ تھا۔ اصل میں تو مجھے خدا نے اُس منحوس بلا سے بچایا ہے۔ اب مجھے روہنی کی فکر لگ گئی تھی۔ نتالیا کے آسیب نے کہا تھا کہ اس نے روہنی کو اس جگہ پہنچا دیا ہے جہاں سے وہ ہزاروں سال تک بھی باہر نہ نکل سکے گی۔ میں نے یہ بات دُرگا کو بتائی اور اس سے پوچھا۔ ”دُرگا! آسیبی عورت نتالیا نے روہنی کو کہاں قید میں ڈالا ہو گا۔ میں اسے ہر حالت میں وہاں سے نکالنا چاہتا ہوں۔“

دُرگا کہنے لگی۔ ”نتالیا کے آسیب نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے بالکل صحیح بتایا ہے۔ اُس نے روہنی کو ہلاک تو نہیں کیا لیکن اُسے اپنے قبضے میں کر کے ایک ایسی جگہ پھینک دیا ہے جہاں انسان تو کیا کسی بدروح کا پہنچنا بھی مشکل ہے۔“

میں نے اُس سے پوچھا۔ ”مالینی نے تمہیں کیا بتایا ہے؟“

دُرگا بولی۔ ”مالینی نے بھی یہی بتایا ہے کہ نتالیا کے آسیب نے روہنی کو اپنے قبضے

میں کرنے کے بعد ہلاک نہیں کیا مگر اس نے اسے ایسی جگہ پر پھینک دیا ہے جو موت سے بدتر جگہ ہے جہاں روہنی جتنی دیر رہے گی مرتی رہے گی۔"

میں نے پوچھا۔ "وہ جگہ کہاں ہے۔ کیا ہم اسے وہاں سے نکال کر نہیں لا سکتے؟ میں روہنی کو بچانے کے لئے اپنی جان کی بازی بھی لگا سکتا ہوں۔"

دُرگا کہنے لگی۔ "ہم نے دنیا میں، جب زندہ حالت میں تھیں، تو ہمیشہ بتوں کی پوجا کی ہے۔ کبھی ایک خدا کی عبادت نہیں کی۔ یہ ہمیں اس شرک کی سزا ملی ہے کہ ہم بدروحیں بن گئی ہیں۔ تم مسلمان ہو۔ تمہارے سینے میں ایک خدا کے نور کی شمع روشن ہے۔ تمہارے اندر ایمان کی اتنی طاقت ہے کہ تم پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہو لیکن تمہیں اس کا احساس نہیں ہے اگر احساس ہے تو بہت کم احساس ہے۔ تمہارے ایمان کی طاقت کے سامنے شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر تم اپنے اندر ایمان کی پختگی پیدا کرلو تو تم بدروحوں کو تو کیا خطرناک سے خطرناک آسیبوں کو بھی شکست دے سکتے ہو۔"

میں نے کہا۔ "دُرگا! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں مسلمان ہوں اور خدائے واحد پر ایمان رکھتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمیشہ اسی نے مجھے ہر مصیبت سے نکالا ہے۔"

دُرگا کہنے لگی۔ "تمہارا خدا اب بھی تمہاری مدد کرے گا بشرطیکہ تم اپنے ایمان کو چٹان سے بھی زیادہ، اتنا مضبوط بنالو کہ بڑے سے بڑے خوف کے سامنے بھی اُس میں ذراسی بھی لرزش نہ آسکے۔"

میں نے کہا۔ "میں اللہ کے حکم سے ایسا کر سکتا ہوں لیکن تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟"

دُرگا کہنے لگی۔ "میں یہ سب کچھ اس لئے کہہ رہی ہوں کہ جہاں روہنی کو ستالیا کے آسیب نے پھینکا ہوا ہے وہاں شیش ناگن کا مہرہ بھی تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔

میرا آتشی منتر بھی تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ وہاں اگر کوئی طاقت تمہارے کام آ سکتی ہے اور تمہاری مدد کر سکتی ہے تو وہ صرف ایمان کی طاقت ہے۔ اگر اپنے رب پر تمہارا ایمان چٹان کی طرح پختہ ہے تو پھر تم روہنی کو آسیبی عورت کی قید سے نکال کر لا سکتے ہو۔"

میں نے کہا۔ "میرا اپنے اللہ پر ایمان چٹان سے بھی بڑھ کر پختہ اور غیر متزلزل ہے۔ تم مجھے بتاؤ کہ روہنی کو لانے کے لئے مجھے کہاں جانا ہوگا؟"

"تم خود وہاں نہیں جا سکو گے۔" دُرگا نے کہا۔ "وہاں تمہیں میں پہنچاؤں گی.... یہاں سے جنوب کی جانب بہت دور دھاڑوار اور بنگلور کے درمیان ہزاروں سال پرانے بارانی جنگلات ہیں۔ یہ جنگل اتنے گھنے ہیں کہ دن کے وقت بھی یہاں اندھیرا چھایا رہتا ہے۔ ان جنگلوں میں شاید ہی کبھی انسان کا گزر ہوا ہو۔ یہاں جنگلی جانور بھی جاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اُن کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ آسیبی جنگل ہیں اور رات کو یہاں چڑیلوں کی ڈراؤنی آوازیں آتی ہیں۔ یہاں اونچی اونچی پہاڑیاں اور چٹانیں ہیں جن کے درمیان تنگ و تاریک گلیاں سی بن گئی ہیں۔ اُن تنگ پہاڑی گلیوں میں اس قدر جھاڑیاں اُگی ہوئی ہیں کہ یہاں سے بڑی مشکل سے آدمی گزر سکتا ہے۔ مگر اس طرف کبھی کوئی آدمی تو کیا جنگلی درندہ بھی نہیں گزرتا دیکھا گیا۔ ان اونچی اونچی چٹانوں اور پہاڑیوں کے درمیان ایک دریا بہتا ہے۔ اُس دریا کا پاٹ ان پہاڑی چٹانوں میں زیادہ چوڑا نہیں ہے ایک چھوٹی ندی جتنا ہے مگر پانی کا بہاؤ اتنا تیز ہے کہ اگر اوپر سے کوئی چٹانی پتھر بھی ٹوٹ کر پانی میں گرے تو تیز رفتار موجیں اسے تنکے کی طرح بہا کر لے جائیں گی..... یہ دریا اُن پہاڑی گلیوں اور چٹانوں کے درمیان سے پتھروں اور چٹانوں کی دیواروں سے سر ٹکراتا ایک پہاڑی کے پاس آجاتا ہے جہاں اس کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ ایک شاخ چٹانوں کی طرف نکل جاتی ہے اور دوسری شاخ پہاڑی کے اندر غار میں زبردست شور کے ساتھ داخل ہو جاتی ہے۔

غار کے اندر اندر بہتا ہوا یہ تیز رفتار دریا غار کے اندر بنے ہوئے ایک بہت بڑے اور
ڈراؤنی شکل والے اژدھا کے بت کے لمبے دانتوں والے منہ کے اندر داخل ہو جاتا
ہے۔ یہاں تمہیں ہمت سے کام لے کر دریا کی تیز رفتار موجوں کے ساتھ ہی اژدھا
کے منہ میں داخل ہو جانا ہو گا۔ اژدھا کے منہ کے اندر دریا شور مچاتا، غراتا ایک
تاریک غار میں سے گزر کر ایک جگہ نکل آتا ہے جہاں تمہیں چاروں طرف بڑا ڈراؤنا
منظر نظر آئے گا مگر تمہیں ڈرنا نہیں ہو گا۔ اگر ڈر گئے تو تم وہیں پتھر کا بت بن جاؤ
گے۔''

میں نے پوچھا۔ ''وہاں روہنی کہاں ہو گی؟''

دُرگا نے کہا۔ ''وہاں سیاہ کالی چٹانوں کے درمیان تمہیں ایک چٹان میں ایک
دروازہ بنا ہوا نظر آئے گا۔ دروازے کی دونوں جانب دو اژدھے بیٹھے ہوں گے جن
کے منہ سے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ اگر تم ان اژدھوں کے منہ سے نکلنے والے
شعلوں میں سے گزر کر دروازے کے اندر داخل ہو گئے تو وہاں تمہیں روہنی مل
جائے گی۔ اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی کیونکہ مجھے خود معلوم نہیں ہے کہ
روہنی وہاں کس حال میں ہو گی اور وہاں کس قسم کی ڈراؤنی مخلوق آباد ہو گی.....''

میں نے کہا۔ ''دُرگا! اپنے خدا پر میرا ایمان بڑا پختہ ہے اور اسے کوئی اپنی جگہ سے
نہیں ہلا سکتا۔ میں کسی بد روح یا اژدھا سے ڈروں گا بھی نہیں لیکن وہاں آگ کے
شعلوں نے دروازے میں سے گزرنے والے راستے کو بند کر رکھا ہو گا اور آگ کا کام
ہر شے کو جلا دینا ہے۔ ہو سکتا ہے میں بھی اس آگ میں جل جاؤں کیونکہ میں کوئی پیر
اولیا نہیں ہوں بڑا گناہ گار انسان ہوں۔''

دُرگا یہ سن کر بولی۔ ''میں جانتی تھی تم یہی جواب دو گے اس لئے میں نے اس کا
ایک حل سوچ رکھا تھا۔ یہاں سے تم بنگلور جاؤ گے۔ بنگلور شہر کے باہر دریا کے
کنارے ایک پہاڑی پر ایک بزرگ بخاری جی کا مزار ہے۔ یہ بڑے عبادت گزار،

پرہیز گار اور خلق خدا کی خدمت کرنے والے اور خلق خدا سے محبت کرنے والے
بزرگ تھے۔ وہ دکھی انسانوں کی مدد فرمایا کرتے تھے اور اُن کے نیک عمل کو دیکھ کر
اس علاقے کے ہزاروں بت پرست کفر سے توبہ کر کے مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے
مزار شریف سے ہر وقت تلاوت کلام پاک کی آواز سنائی دیتی ہے۔ تم بخاری جی کے
مزار پر جا کر اپنے طریقے سے خدا کی عبادت کرو گے۔ وہاں تمہیں ایک بزرگ ملیں
گے جو تمہاری راہ نمائی فرمائیں گے۔ بس مجھے یہی کہنا تھا۔ صبح ہونے والی ہے تم یہاں
سے اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤ۔''

میں نے کہا۔ ''کیا میں اسی طرح غائب رہ کر ہی سفر کروں گا؟''

دُرگا نے کہا۔ ''بنگلور میں بخاری جی کے مزار شریف تک تم اسی طرح غائب ہو
کر سفر کرو گے۔ وہاں پہنچنے کے بعد تم اپنی انسانی شکل میں واپس آ جاؤ گے۔ بس اب
جاؤ میرے جانے کا وقت بھی ہو گیا ہے۔''

اس کے فوراً بعد دُرگا غائب ہو گئی۔

میں تہہ خانے میں ستون کے پاس کھڑا دُرگا کی بتائی ہوئی ساری باتیں اپنے دل
میں دہراتا رہا کہ مجھے کہاں جانا ہو گا اور کیا کرنا ہو گا۔ جب مجھے اس کی بتائی ہوئی ایک
ایک بات پوری طرح سے ذہن نشین ہو گئی تو میں تہہ خانے کا زینہ چڑھ کر محل کے
بڑے کمرے میں آ گیا۔ دیواروں کے شکستہ پرانے محرابی روشندانوں میں سے دن کی
روشنی اندر آ رہی تھی۔ میں محل کی چھت پر آ گیا۔ صبح کی گلابی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔
دور دور تک جے پور شہر کے گلابی مکانوں کی دیواریں چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

مجھے یہاں سے بھارت کے جنوب کی سمت سفر کرنا تھا۔ بنگلور میں نے پہلے کبھی
نہیں دیکھا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی غیبی طاقت ضرور پرواز میں میری مدد
کرے گی اور میں اپنی سمت کو صحیح رکھ سکوں گا۔ میں نے طلوع ہوتے سورج کی طرف
دیکھا۔ سورج مشرق سے طلوع ہو رہا تھا۔ مجھے جنوب کی طرف اڑنا تھا۔ میں نے اپنا

منہ جنوب کی طرف کرلیا اور پھر ایسا ہوا جیسے کسی نے مجھے ویران محل کی چھت پر سے اٹھا کر جنوب کی طرف اچھال دیا اور اس کے ساتھ ہی میں اپنے آپ ہوا میں پرواز کرنے لگا۔

میں زمین سے کافی بلندی پر چلا گیا اور پھر سیدھا ہو گیا۔ مجھے کوئی طاقت اس طرح اُڑا رہی تھی کہ نہ میں اپنی مرضی سے اوپر جا سکتا تھا نہ اپنی مرضی سے نیچے آسکتا تھا۔ جس نپی تلی رفتار سے اڑ رہا تھا میں اسی طرح اڑتا رہا جیسے کسی نے مجھے ایک خاص رفتار اور ایک خاص سمت کو پابند کر دیا تھا۔ اس سے مجھے اطمینان بھی تھا کہ میں اپنی منزل کی طرف جا رہا تھا۔ کئی شہر، کئی جنگل، کئی دریا، کئی پہاڑی سلسلے میرے نیچے سے گزر گئے۔ اگر آپ انڈیا کا نقشہ دیکھیں تو آپ کو بنگلور کا شہر ملک کے جنوبی سرے پر بالکل وسط میں نظر آئے گا۔ اس کے مغرب کی جانب میسور کا شہر ہے اور مشرق کی طرف مدراس کا مشہور ساحلی شہر ہے۔ دلی سے آدمی ٹرین میں سفر کرے تو اسے بنگلور پہنچتے ہوئے کم از کم تین دن لگ جاتے ہیں۔ مگر میں ہوا میں پرواز کرتے ہوئے سفر کر رہا تھا اور میری رفتار اگرچہ زیادہ نہیں تھی لیکن ایک ہوائی جہاز کی رفتار سے کچھ زیادہ ضرور تھی چنانچہ میرا خیال ہے کہ میں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں بنگلور پہنچ گیا۔

آپ ضرور سوچیں گے کہ مجھے کس طرح معلوم ہوا کہ میں بنگلور شہر کے اُوپر آ گیا ہوں۔ ایسا ہوا کہ جب میں نے نیچے ایک بہت وسیع اور گنجان آبادی والے شہر کو دیکھا تو اچانک میری رفتار اپنے آپ کم ہو گئی اور کسی نے مجھے نیچے کی طرف آہستہ سے دھکیل دیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہی بنگلور شہر ہے۔

میں ایک پہاڑی کے دامن میں درختوں کے درمیان اترا۔ اترنے کے ساتھ ہی میں اپنی انسانی شکل و صورت میں ظاہر ہو گیا۔ دُرگا نے جو جو کہا تھا سچ ثابت ہو رہا تھا۔ میں درختوں میں سے نکل کر باہر آیا تو دیکھا کہ پہاڑی پر اوپر کو کشادہ سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں جن پر لوگ اوپر کو جا رہے تھے معلوم ہوا کہ بخاری جی کا مزار اوپر پہاڑی پر

ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ جو طاقت مجھے وہاں تک لائی تھی اس نے مجھے اس بزرگ کے مزار کے پاس ہی اتارا تھا۔

میں بھی دوسرے زائرین اور عقیدت مندوں کے ساتھ پہاڑی کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر دیکھا کہ ایک سفید چار دیواری کے اندر بہت بڑے چبوترے پر گنبد والا ایک مزار ہے جس کے اوپر سبز پرچم لہرا رہا ہے۔ مزار کے دروازے میں دوسرے لوگوں کے ساتھ داخل ہوا تو مجھے کلام پاک کی تلاوت کی مقدس آواز سنائی دی۔ میں دل ہی دل میں کلمہ پاک کا ورد کرنے لگا۔ دیکھا کہ مزار کی ایک جانب چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی تھی۔ میں نے مزار پر جا کر فاتحہ پڑھی اور مسجد میں آگیا۔ وضو کیا اور مسجد کے صحن میں ایک طرف دو نفل شکرانے کے ادا کئے اور وہیں دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اور کلام پاک کی جو آیات مجھے یاد تھیں وہ دل ہی دل میں پڑھنے لگا۔

مجھے مسجد میں ہی دوپہر ہو گئی۔ مجھے بھوک بھی لگ رہی تھی۔ ایک صاحب میرے پاس آئے اور فرمایا۔ ”بھائی صاحب! چلئے لنگر شروع ہو گیا ہے۔“

”میں نے لنگر پر جا کر کھانا کھایا اور واپس مسجد میں آگیا۔ میں نے باجماعت نماز ادا کی اور وہیں بیٹھا رہا۔ رات کو لنگر میں جا کر تھوڑا بہت کھانا کھایا اور وضو کر کے با جماعت عشاء کی نماز ادا کی اور مسجد کے صحن کے کونے میں ایک درخت کے سائے میں سر جھکائے بیٹھا خدا کے حضور اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے دعا مانگتا رہا۔ ایک مدت بعد نماز پڑھنے کے بعد میرے دل کو اتنا سکون حاصل ہوا تھا کہ اتنے سکون کا احساس مجھے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ آدھی رات تک میں مسجد کے صحن میں بیٹھا خدا کو یاد کرتا رہا۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی کہ کسی نے پیچھے سے آکر میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ یہ ایک نورانی شکل والے سبز لباس میں ملبوس

بزرگ تھے جنہوں نے بڑی پرسکون آواز میں کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔“

میں ان کے ساتھ مسجد سے باہر آگیا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف چل پڑے۔ درختوں کے جھنڈ میں ایک چبوترے پر چھوٹی سی پرانی بارہ دری بنی ہوئی تھی۔ وہ بزرگ بارہ دری میں بیٹھ گئے اور مجھے بھی اپنے پاس بٹھالیا۔

O

میں بڑے ادب سے اُن کے پاس بیٹھا تھا۔

میں خاموش تھا۔ بزرگ نے بڑی پرسکون اور دل میں اُتر جانے والی آواز میں فرمایا۔ ”تم نے اپنے گناہوں سے توبہ کرلی ہے اور آئندہ سے گناہ نہ کرنے کا دل سے عہد کیا ہے۔ خداوند کریم نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے اور تمہاری راہ نمائی کے لئے ایک ذریعہ، ایک سبب پیدا کر دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم ایک نیک مقصد کو لے کر اس مہم پر جا رہے ہو۔ تم ایک ایسی بھٹکی ہوئی روح کو کفر کے اندھیروں سے نکالنے جا رہے ہو جس نے اپنی زندگی میں دل سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اللہ کی ذات پاک غفور الرحیم ہے۔ اُس نے اس عورت کے گناہ بھی معاف فرما دیئے ہیں۔“ اتنا فرما کر وہ بزرگ خاموش ہو گئے۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بزرگ نے میرے آنسوؤں کو دیکھ کر فرمایا۔ ”اِن آنسوؤں نے تمہارے گناہوں کے رہے سہے داغ بھی دھو ڈالے ہیں۔ یاد رکھو! جو شخص اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا ہے وہ دنیا اور آخرت دونوں میں سرخرو ہوتا ہے۔“

مجھ پر رقت کی کیفیت طاری تھی۔ میری زبان سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ میں سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ بزرگ نے اپنے سبز کرتے کی جیب سے سبز رنگ کے کپڑے میں لپٹا ہوا ایک چھوٹا سا تعویذ نکال کر میرے دائیں بازو پر باندھ دیا اور فرمایا۔ ”اس تعویذ پر اللہ پاک کا اسم پاک لکھا ہوا ہے۔ یہ تمہیں کافر روحوں کے حملے سے محفوظ رکھے گا۔“

پھر اس بزرگ نے ایک طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ ''تم یہاں سے جنوب مشرق کی سمت جاؤ گے۔ وہاں تمہیں سیاہ چٹانوں کے درمیان بہتا وہ دریا ملے گا جس کے ساتھ ساتھ تمہیں سفر کرنا ہوگا۔ خدا تمہاری حفاظت فرمائے.....''

بزرگ آہستہ سے اٹھے اور مسجد کی طرف چل پڑے۔ میں بارہ دری میں بیٹھا انہیں جاتے دیکھنے لگا۔ جب رات کے اندھیرے نے انہیں میری نظروں سے اوجھل کر دیا تو میں نے اپنی خطرناک مہم کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ اُس وقت رات تھی۔ مجھے دن کی روشنی میں اپنی مہم کا آغاز کرنا تھا۔ یہ بات مجھے پریشان کرنے لگی کہ میں اتنا دشوار گزار اور لمبا سفر اپنی عام جسمانی حالت میں کیسے طے کر سکوں گا اور پھر مجھے تو سیاہ چٹانوں کے درمیان بہنے والے دریا کا بھی پتہ نہیں تھا۔ میں یہ سوچ کر بارہ دری سے اُٹھ کر مسجد کی طرف آ گیا کہ اُن بزرگ سے مل کر اس سلسلے میں مدد کی درخواست کرتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔

میں نے مسجد کے اندر اور باہر اور مزار کے آس پاس ہر جگہ اُن بزرگ کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ مجھے کہیں نظر نہ آئے۔ میں مسجد کے باہر ایک درخت کے پاس پتھر کے چھوٹے سے چبوترے پر بیٹھ گیا۔ آخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ دن نکلتے ہی مجھے جنوب مشرق کی جانب اللہ کا نام لے کر چل پڑنا چاہیے آگے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے دن نکل آیا۔ میں نے مسجد کے غسل خانے میں غسل کیا۔ لنگر پر کھانا کھایا اور اللہ کا نام لے کر مزار شریف کی پہاڑی سے اتر کر جنوب مشرق کی سمت چل پڑا۔

میں پہاڑی علاقے میں سے گزر رہا تھا۔ زمین اونچی نیچی تھی۔ پہاڑی ٹیلے دور دور تھے۔ کہیں درختوں کے جھنڈ شروع ہو جاتے تھے اور کہیں خالی پتھریلی زمین آ جاتی تھی۔

مجھے یہ بھی خیال آ رہا تھا کہ چل تو پڑا ہوں لیکن آگے جا کر بھوک پیاس لگی تو کیا

کروں گا کیونکہ مجھے دور دور تک پانی کا نام و نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر سوچا کہ اس علاقے میں ناریل کے درخت عام ہوتے ہیں کہیں سے گرا پڑا ناریل توڑ کر اس کے پانی سے پیاس بجھا لوں گا اور اس کی گری کھا کر بھوک مٹا لوں گا۔ گری کا لفظ میں نے خاص طور پر استعمال کیا ہے۔ پنجابی میں ہم ناریل کے گودے کو گری کہتے ہیں۔ گودے اور کھوپے کا لفظ مجھے پسند نہیں۔

میں ایسی جگہ پر چل رہا تھا جہاں زمین کی چڑھائی تھی۔ میں آہستہ آہستہ جا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں جس مہم پر جا رہا ہوں اس میں قدم قدم پر میری جان کو خطرہ ہے۔ میں جس زمانے میں اپنے بمبئی والے دوست جمشید کے ساتھ جنگلوں میں شکار کھیلنے جایا کرتا تھا تو مجھے اپنے اندر ایک ایڈونچر، ایک خوشی محسوس ہوا کرتی تھی مگر یہ کوئی مرغابیوں اور جنگلی جانوروں کے شکار کی ایڈونچرس مہم نہیں تھی۔ میں ایک ایسی عورت کو بدروحوں اور چڑیلوں سے بھی بڑھ کر خطرناک اور دہشت ناک آسیب کی قید سے چھڑانے جا رہا تھا جو خود ایک بدروح تھی۔ یہ کام الف لیلیٰ کی طلسمی دنیا کا کوئی حاتم طائی ہی کر سکتا تھا لیکن یہ مجھے کرنا پڑ گیا تھا۔ حاتم طائی تو ایک خیالی کردار تھا مگر میں بیسویں صدی میں رہنے والا ایک زندہ اور حقیقی دنیا کا آدمی تھا۔

میں طاقتور ہونے کے باوجود کمزور بھی تھا۔ اگر مجھے اپنے آپ پر بھروسہ اور زبردست اعتماد تھا تو ساتھ ہی ساتھ یہ وسوسے بھی لگے ہوئے تھے کہ اگر کہیں ذرا سا کمزور پڑ گیا یا میرا اعتماد کمزور پڑ گیا تو میری موت یقینی ہے۔ میں آپ کے آگے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ مجھے روہنی کو آسیبی لڑکی نتالیا کے آسیب سے بچانے کا اتنا خیال نہیں تھا جتنا خود کو اس آسیب سے نجات دلانے کا خیال تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ممکن ہے میں ڈرگا بدروح سے ملنے کے بعد جے پور سے سیدھا کسی نہ کسی طرح بھاگ کر پاکستان آ جاتا۔ مصیبت یہ تھی کہ جس عذاب میں روہنی مبتلا تھی اس میں، میں بھی گردن تک پھنسا ہوا تھا۔ جب تک میں نتالیا کے آسیب اور پجاری رگھو سے اپنی جان

نہیں چھڑا لیتا میرے لئے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

پتھریلے میدان کی چڑھائی ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ دوسری جانب نشیب میں دور تک چھوٹے بڑے ٹیلے اور ساتھ ساتھ کھڑی اوپر کو اٹھی ہوئی نوک دار چٹانیں ہی چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہی وہ آسیبی وادی تھی جس کے بارے میں دُرگا بدروح نے مجھے بتایا تھا کہ ان چٹانوں اور ٹیلوں کے درمیان ایک طوفانی دریا بہتا ہے جس کے ساتھ ساتھ مجھے اس پہاڑی تک سفر کرنا ہوگا جس کے تاریک غار میں یہ دریا خوفناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ داخل ہو جاتا ہے۔ میں نشیب میں اترنے لگا۔ کچھ دور جانے کے بعد نشیب و فراز والی زمین کے جنگل کی جھاڑیاں سرکنڈے اور اِکاڈُکا درخت شروع ہو گئے۔ یہ درخت بڑے ٹیڑھے میڑھے، نیچے کو جھکے ہوئے تھے۔ کسی کسی درخت کی ننگی ٹہنیاں کسی انسانی پنجر کے ہاتھ کی طرح اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں۔

اِن درختوں کو دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔

میرے دل پر دہشت کا ہلکا سا احساس طاری ہونے لگا تھا۔ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے دل کو سمجھایا کہ فیروز! اس طرح کام نہیں چلے گا۔ تمہیں ہمت اور پختہ عزم سے کام لینا ہو گا۔ خدا پر بھروسہ رکھو۔ اللہ کے پاک نام کا تعویذ تمہارے بازو پر بندھا ہوا ہے۔ اللہ کا پاک نام تمہاری حفاظت کرے گا۔ اٹھو اور اپنے دل کو چٹان کی طرح مضبوط بناؤ۔ اللہ تمہارا مددگار ہے۔

اس کے ساتھ ہی یقین کریں میں اپنے اندر اتنی طاقت محسوس کرنے لگا تھا کہ اگر میں کسی چٹان سے ٹکرا گیا تو چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ ایک فرلانگ چلنے کے بعد ٹیلوں اور چٹانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

پہلے پہاڑی ٹیلے آگئے۔ یہ بھورے رنگ کے بنجر ٹیلے تھے اور چھوٹی چھوٹی خشک جھاڑیوں سے ڈھکے ہوئے۔ یہ بالکل ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ ایک ٹیلہ

ختم ہوتا تھا تو دوسرا شروع ہو جاتا تھا۔ اُن کے درمیان تنگ راستے بنے ہوئے تھے جن میں اونچی نیچی گھاس اگی ہوئی تھی۔ میں بڑی مشکل کے ساتھ ان راستوں میں سے گزر رہا تھا۔ ٹیلے ختم ہوئے تو آگے سیاہ فام ڈراؤنی چٹانیں شروع ہو گئیں۔ یہ چٹانیں اوپر جا کر نوکیلی ہو گئی تھیں۔ ان کی سیاہ دیواروں پر سبز زنگ چمٹا ہوا تھا جس میں سے پانی رس رس کر نکل رہا تھا۔ ان چٹانوں کے درمیان بھی تنگ و تاریک گلیاں سی بنی ہوئی تھیں۔ یہاں دن کی روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ بعض چٹانوں میں سے جھاڑیاں باہر کو نکلی ہوئی تھیں اور انہوں نے تنگ راستے پر سایہ ڈال کر اندھیرا کیا ہوا تھا۔

ان چٹانوں میں سے گزر کر میں ایک جگہ آیا تو مجھے شور سا سنائی دینے لگا۔ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا شور کی آواز بڑھ رہی تھی۔ پھر یہ آواز اتنی بڑھ گئی کہ سوائے شور کے مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ ذرا آگے گیا تو سامنے ذرا نیچے تنگ چٹانی دیواروں کے درمیان بڑے زور و شور کے ساتھ ایک دریا بہہ رہا تھا۔ موجوں کی رفتار بے حد تیز تھی اور وہ جھاگ اُڑاتی، سر پٹختی چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر ڈراؤنی آوازیں پیدا کرتی طوفانی رفتار کے ساتھ آگے کو جا رہی تھیں۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے چھ سات میل کے پاٹ میں پھیلے ہوئے کسی دریا کو تیس چالیس فٹ قطر کی سرنگ میں بند کر کے چٹانوں کے درمیان چھوڑ دیا گیا ہو۔ اس طوفان خیز ڈراؤنے دریا کو دیکھتے ہی میں ڈر کر پیچھے ہٹ گیا اور چٹان کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔

یہ سوچ کر ہی میرے دل میں ہول اٹھنے لگے تھے کہ مجھے اس دریا کے ساتھ ساتھ چلنا ہوگا اور پھر اس کے ساتھ کسی پہاڑی غار میں بھی داخل ہونا ہوگا۔ لیکن میں رُک نہیں سکتا تھا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا۔ فیروز! جتنا ڈرنا ہے یہاں بیٹھ کر ایک ہی بار ڈر لے کیونکہ تجھے ہر حالت میں اس دریا کے ساتھ سفر کرنا ہوگا۔ میں کچھ دیر تک ڈرا ہوا بیٹھا رہا اور دریا کے شور کی ڈراؤنی آوازیں سنتا رہا۔ پھر اُٹھا اور اللہ کا

نام لے کر ایک چٹان کے قریب سے باہر نکلی ہوئی جھاڑیوں کو پکڑ کر نیچے اُتر گیا۔ دریا کی موجیں مجھ سے تین چار فٹ نیچے چٹانوں کے درمیان سے شاید ایک سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے آگے کو جا رہی تھیں۔

میں دریا کے ساتھ چٹانی پتھروں کے درمیان راستہ بناتا چلنے لگا۔ دریا کو دیکھ کر ہی خدا کی قدرت یاد آ جاتی تھی۔ میں نے اپنے دل اور اعصاب کو مضبوط کر لیا تھا اور اپنے آپ کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میرے ساتھ دریا نہیں بلکہ کوئی تیز رفتار نہر بہہ رہی ہے۔ دریا آگے جا کر چٹانوں کی دیواروں کے ساتھ ہی ایک طرف کو مڑ گیا۔ میں بھی اس طرف مڑ گیا۔ اس طرح دو تین موڑ مڑنے کے بعد سامنے ایک بہت بڑا پہاڑ آ گیا۔ دریا اس پہاڑ کی دیوار میں اندر چلا گیا تھا۔

میں نے آگے جا کر دیکھا۔ یہ ایک غار تھا۔ بہت بڑا غار۔ تاریک اندھیرا غار جس میں طوفانی دریا ایک ہیبت ناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ داخل ہو رہا تھا۔ میں وہیں رک گیا۔ میں سنبھل سنبھل کر قدم رکھتا پہاڑ کی ڈھلان کی جھاڑیوں کے سہارے غار کے دہانے کے پاس آ گیا اور جھک کر اندر دیکھا۔ غار کے اندر سوائے اندھیرے کے مجھے کچھ دکھائی نہ دیا۔ یہ خالی اندھیرا ہی نہیں تھا اس اندھیرے میں دریا کے گرنے کی ڈراؤنی آواز بھی تھی جو ایسی تھی جیسے کسی گہرے کنوئیں میں گر رہا ہو۔ لیکن مجھے بتایا گیا تھا کہ دریا جس غار میں داخل ہوتا ہے وہاں کوئی کنواں نہیں ہے۔ وہ پہاڑ کا ایک قدرتی غار ہے اور اس کے اندر دریا کے کناروں پر چلنے کے لئے پگڈنڈی بھی ہے۔

مجھے دریا کے کنارے اندھیرے میں کوئی پگڈنڈی نظر نہیں آ رہی تھی لیکن مجھے اس پگڈنڈی کو تلاش کرنا تھا۔ میں بھیگی ہوئی جنگلی جھاڑیوں کو پکڑ پکڑ کر غار کے دہانے کی طرف بڑھا۔ اگر میں غائب ہوتا تو میں اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا اور پہاڑ کے اوپر سے اُڑ کر بھی جا سکتا تھا۔ لیکن میں غیبی حالت میں نہیں تھا زندہ انسانی حالت میں تھا اور مجھے اندھیرے میں کوشش کر کے راستہ تلاش کرنا تھا۔

آخر اندھیرے میں مجھے غار کی دیوار کے ساتھ دریا کی تیز رفتاری سے آگے کو جاتی موجوں سے تین فٹ کی بلندی پر ایک پگڈنڈی نظر آ گئی۔ ایسے لگتا تھا کہ جیسے یہ خاص طور پر پیدل چلنے والوں کے لئے بنائی گئی تھی۔ میں دیوار کے ساتھ لگ کر اس پتھریلی پگڈنڈی پر چل پڑا۔ میں ایک ایک قدم کر کے چل رہا تھا۔ غار کی دیوار اور چھت کم از کم چار پانچ ہاتھ اونچی تھی۔ مگر غار میں اندھیرا بہت تھا اور دریا کا ہیبت ناک شور گونج پیدا کر رہا تھا۔ میں غار کے اندھیرے میں اندھیرا ہی بن گیا تھا۔ دیوار اور پگڈنڈی کو ٹٹول ٹٹول کر چل رہا تھا۔

غار بھی دریا کو ساتھ لے کر ایک طرف کو مڑ گیا۔ کچھ دور سیدھا چلنے کے بعد پھر دوسری طرف گھوم گیا۔ تیسری بار دریا موڑ کاٹ کر سیدھا ہوا تو مجھے پہلی بار غار میں دور روشنی کا ایک نقطہ سا دکھائی دیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہاں غار ختم ہو گیا ہے اور دریا پہاڑ کے اندر سے باہر نکل جاتا ہے۔ میرا قیاس غلط نہیں تھا۔ روشنی کا نقطہ جیسے جیسے میں آگے بڑھ رہا تھا پھیلتا جا رہا تھا۔ اب غار کے اندر باہر کی روشنی آنے لگی تھی۔ یہ روشنی بڑی دھندلی اور پھیکی پھیکی تھی جیسے آسمان کو گہرے بادلوں نے ڈھانپ رکھا ہو۔ میں قدم قدم آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ غار کے دوسرے دہانے پر پہنچ گیا۔ یہاں سے دریا غار میں سے باہر نکل گیا تھا۔ میں غار میں سے باہر آ گیا۔ باہر آ کر دیکھا کہ سامنے ایک جنگل تھا۔ دریا دائیں جانب مڑ گیا تھا۔ آسمان سیاہ بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ روشنی بڑی مدھم اور پراسرار تھی۔

میرے سامنے بائیں جانب جنگل کے درخت شروع ہو جاتے تھے۔ مجھے اسی جنگل میں سے گزرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ میں جنگل میں داخل ہو گیا۔ میں نے اپنی شکاری زندگی میں برصغیر کے کئی جنگل دیکھے تھے مگر ایسا جنگل میں نے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ اس جنگل میں درختوں کی گھنی شاخوں نے ایسی چھت ڈال رکھی تھی کہ درختوں کے نیچے ایسا اندھیرا چھایا ہوا تھا کہ لگتا تھا جنگل میں رات پڑ گئی ہے۔ مگر میں

پہاڑی غار کے اندھے اندھیرے میں سے گزر کر آ رہا تھا۔ میں جنگل کے اس اندھیرے میں دیکھ سکتا تھا۔ کوئی درخت ایسا نہیں تھا جس کے تنے پر کانٹے دار بیلیں اوپر تک نہ چڑھی ہوئی ہوں۔ دوسری حیران کر دینے والی بات یہ تھی کہ جنگل میں قبرستان ایسا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کسی پرندے کی آواز تک نہیں آ رہی تھی۔ درختوں کے نیچے گیلی اور نرم زمین پر گلے سڑے پتوں کا فرش بچھا ہوا تھا جس میں سے ناگوار قسم کی تیز بو اٹھ رہی تھی۔

اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ میں بدروحوں اور آسیبوں کی دنیا میں داخل ہو چکا ہوں۔

یہ خیال ہی بڑا وحشت خیز تھا مگر مجھے یقین کرنا ہی پڑ رہا تھا کہ میں بدروحوں اور آسیبوں کی دنیا میں آ گیا ہوں اور اب مجھے ہر مشکل کا مقابلہ اپنی ایمانی طاقت اور اللہ کی مدد کے بھروسے پر کرنا ہے۔ میں نے پانچ مرتبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ کر اپنے اوپر پھونکا اور جنگل میں آگے بڑھا۔ اس وقت مجھے اپنے آپ پر حاتم طائی سے بھی بڑھ کر کسی ایسے سپرمین کا گمان ہونے لگا تھا جس کے اندر قدرت نے شیطانی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے زبردست غیبی طاقت بھر دی ہو۔

جنگل آگے جا کر زیادہ گھنا اور زیادہ تاریک ہوتا گیا۔ پھر اس کا اندھیرا چھٹنے لگا اور پھیکی پھیکی زرد اور بیمار سی روشنی ہو گئی۔ یہ روشنی نہیں لگتی تھی بلکہ روشنی کا سایہ لگتا تھا۔ درختوں کے درمیان ایک جگہ باہر جانے کا راستہ سا بنا ہوا تھا میں وہاں سے باہر نکل آیا۔ اب میرے سامنے پھر وہی سیاہ فام ڈراؤنی چٹانیں تھیں۔ یہ چٹانیں ایک دوسری سے فاصلے فاصلے پر تھیں اور زمین سے نکل کر بالکل سیدھی اوپر کو چلی گئی تھیں۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی قیامت خیز زلزلے کے بعد زمین میں سے بہت بڑے بڑے اژدھا نکل کر اوپر کو اٹھے ہیں اور وہیں پتھر ہو گئے ہیں۔

مجھے دُرگا نے بتایا تھا کہ جب تم دریا کے غار سے باہر نکلو گے تو سیاہ چٹانوں میں

تمہیں ایک جگہ ایک پرانے مندر کا شکستہ دروازہ ملے گا جس کی دونوں جانب اژدھا پہرہ دے رہے ہوں گے۔ روحانی تمہیں اس دروازے میں داخل ہونے کے بعد کسی جگہ ملے گی۔ اب مجھے اس شکستہ مندر کے دروازے کی تلاش تھی۔ میں سنبھل سنبھل کر قدم اٹھاتا ڈراؤنی چٹانوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ اچانک مجھے ایک ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی مگرمچھ سانس لے رہا ہو۔ میں وہیں رک گیا اور جس طرف سے آواز آ رہی تھی اس طرف دیکھنے لگا اس طرف چٹانوں نے ایک سیاہ دیوار کھڑی کر رکھی تھی۔ میں آگے بڑھا۔

سانس لینے کی آواز اب قریب سے سنائی دے رہی تھی۔

میں آہستہ آہستہ چل کر ایک چٹان کی دیوار کے پاس آ کر رُک گیا۔ کان لگا کر سنا۔ سانس لینے کی آواز چٹان کے پیچھے سے آ رہی تھی۔ میں نے چٹان کی اوٹ میں سے سر باہر نکال کر دیکھا۔ سامنے کچھ فاصلے پر ایک پرانی طرز کے مندر کا شکستہ اونچا دروازہ نظر آیا جس کا منہ ایک بہت بڑے اژدھا کا تھا جس کے نوکیلے دانت باہر کو نکلے ہوئے تھے اور دروازے کی دونوں جانب دو زندہ اژدھے گردنیں جھکا کر بیٹھے لمبے لمبے سانس لے رہے تھے جیسے ہانپ رہے ہوں۔ میں غور سے اس خوفناک دروازے کو دیکھنے لگا۔

مجھے یاد آ گیا۔ دُرگا نے کہا تھا کہ جہاں دریا چٹانوں میں سے نکل کر پہاڑ کے غار میں گرتا ہے وہاں غار پر ایک اژدھا کا منہ بنا ہوا ہو گا جس کے نوکیلے دانت باہر کو نکلے ہوئے ہوں گے۔ شاید وہ بھول گئی تھی کیونکہ اژدھا کا منہ پہاڑی غار کے دہانے پر نہیں بنا ہوا تھا بلکہ وہ آسیبی مندر کے دروازے پر بنا ہوا تھا۔ مجھے اس دروازے میں داخل ہونا تھا جہاں اوپر تک اژدھا کا بہت بڑا بت منہ پھاڑے ہوئے تھا اور جس کی دونوں جانب دو زندہ اژدھے پہرہ دے رہے تھے۔ یہ موت کے منہ میں جانے والی بات تھی مگر مجھے اس کے اندر ہر حالت میں جانا ہی تھا۔ کچھ دیر میں چٹان کی اوٹ میں

کھڑا موت کے دروازے کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا پھر کلمہ پاک پڑھا۔ دل میں لاحول ولا قوۃ پانچ بار پڑھا اور اللہ کا نام لے کر چٹان کی اوٹ سے باہر نکل آیا۔

میں نے مندر کے خوفناک دروازے کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر میرے قدم سست پڑ گئے۔ دل میں اژدھوں کا خوف چھا گیا لیکن میں نے اپنے دل کو مضبوط کیا اور اپنے آپ سے کہا۔ آگے بڑھو یہ اژدھے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ میں نے نئے عزم کے ساتھ قدم آگے بڑھائے۔ جیسے ہی میں آسیبی دروازے کے مزید قریب ہوا دونوں اژدھوں نے اپنے سر اوپر اٹھائے اور زبردست پھنکار کے ساتھ مجھے اپنی سرخ آنکھوں سے دیکھنے لگے مگر میں نہ رُکا۔ میرے قدم ایک بار پھر ضرور وزنی ہو گئے تھے لیکن میں رُکا نہیں چلتا چلا گیا۔ میں اژدھوں کے درمیان سے گزرا تو اژدھوں کے منہ سے پھنکار کے ساتھ آگ کے شعلے نکل کر مجھ پر گرے۔

میرے حلق سے ایک چیخ نکل گئی۔

لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ آگ کے ان شعلوں سے میرے سر کا ایک بال تک نہیں جلا تھا۔ میرا حوصلہ بلند ہو گیا۔ مجھے پہلے سے زیادہ یقین ہو گیا کہ میرے بازو پر اللہ پاک کا نام لکھا ہوا ہے۔ کوئی بدروح، کوئی اژدھا مجھے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اب میں بے دھڑک ہو کر چل رہا تھا۔ دروازے میں سے گزرنے کے بعد میں نے دیکھا کہ دونوں جانب سوکھی سیاہ ٹہنیوں والے درخت ہی درخت کھڑے ہیں۔ ان درختوں کے درمیان ایک دلدلی میدان سا ہے۔ دلدل اوپر نیچے ہو رہی ہے اور اس میں کہیں کہیں سے زرد گیس نکل رہی ہے۔ دلدل کے درمیان ایک تنگ راستہ بنا ہوا تھا جس پر چوکور پتھر پڑے ہوئے تھے۔ میں ان پتھروں پر پاؤں رکھ کر آگے چل پڑا۔ عجیب بات تھی یہ پتھر بھی اوپر نیچے ہو رہے تھے جیسے دلدل کے اوپر رکھ کر وہاں راستہ بنایا گیا ہو۔ میں بہت آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ ہر قدم پر ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں دلدل میں نہ

گر پڑوں۔ میری دونوں جانب کالی سیاہ دلدل تھی جو ایسے اوپر نیچے ہو رہی تھی جیسے کوئی عفریت سانس لے رہا ہو۔

ایک دم سے میری دائیں جانب دلدل میں سے ایک انسان کا آدھا دھڑ باہر نکلا۔ اس کا چہرہ اور آدھا جسم دلدل میں لتھڑا ہوا تھا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے ایک اذیت ناک چیخ کے ساتھ پکار کر کہا۔ "مجھے یہاں سے باہر نکالو۔"

اور دوسرے لمحے دلدل نے اسے اندر کھینچ لیا اور وہ دلدل میں غائب ہو گیا۔

میں نے قدم آگے اٹھایا تو میری بائیں جانب اسی طرح ایک انسان کا آدھا دھڑ دلدل سے اچانک باہر نکل آیا۔ یہ کسی عورت کا دھڑ تھا۔ اس کے بال اور چہرہ سیاہ دلدل میں لتھڑا ہوا تھا۔ وہ پورا منہ کھول کر سانس لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے حلق سے بھی ایک اذیت ناک چیخ بلند ہوئی اور اس نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ "مجھے باہر نکال لو۔"

اور اسی لمحے دلدل نے اسے نگل لیا اور عورت کا آدھا دھڑ دلدل میں ڈوب گیا۔

یہ عبرت انگیز منظر دیکھ کر مجھ پر ایک لرزہ سا طاری ہو گیا تھا۔ خدا جانے ان لوگوں سے زندگی میں کون سے گناہ سرزد ہو گئے تھے جن کی سزا ان کی روحیں یہاں بھگت رہی تھیں۔ میں نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر خدا سے اپنے گناہوں کی بخشش کی دعا مانگی اور ایک بار پھر عہد کیا کہ میں آئندہ کبھی کوئی گناہ نہیں کروں گا اور اپنی زندگی اللہ اور اس کے رسول پاکؐ کے دکھائے ہوئے نیکی کے راستے پر چل کر بسر کروں گا۔

میں دلدلی میدان سے گزر گیا۔

اب میرے سامنے ایک دیو قامت سیاہ پہاڑی تھی۔ اس پہاڑی میں ایک غار تھا جس کے دہانے پر ایک انسانی پنجر اس طرح تلوار ہاتھ میں لئے کھڑا تھا جیسے پہرہ دے رہا ہو۔ میرے کان میں جیسے کسی نے سرگوشی کی کہ روہنی تمہیں اس غار میں ملے گی۔ میں غار کے منہ کے پاس آیا تو انسانی پنجر میں حرکت پیدا ہوئی۔ یہ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا

اس کی کھوپڑی نے گردن موڑ کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے گڑھوں میں مجھے انگارے دہکتے ہوئے دکھائی دیئے۔ یہ بھی آسیبی خرافات میں سے کوئی شے تھی۔ جیسے ہی میں غار میں داخل ہونے لگا ہڈیوں کے پنجر کے بازو میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے پوری طاقت سے میرے بازو پر تلوار کا وار کیا۔ میرا یہ وہی بازو تھا جس پر اللہ کے پاک نام کا تعویذ بنا ہوا تھا۔ پنجر کا وار اس قدر بھرپور تھا کہ مجھے یقین تھا کہ میرا بازو کٹ کر گر پڑے گا لیکن اس کی بجائے تلوار میرے بازو سے ٹکراتے ہی ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی اور ہڈیوں کا پنجر ایک چیخ کے ساتھ غائب ہو گیا۔

میں غار میں داخل ہو گیا۔

اس غار میں بھی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ میں غار کی دیوار کے ساتھ لگا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد میرے کانوں میں ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے دور کچھ عورتیں اور آدمی کسی میت کے پاس بیٹھے رو رہے ہوں۔ میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ غار میں وہی پھیکی پھیکی روشنی سی ہونے لگی۔ غار ایک بہت بڑے دالان میں جا کر ختم ہو گیا۔ دالان میں جگہ جگہ فرش پر خون کے بڑے بڑے دھبے پڑے تھے۔ کونے میں دیوار کے ساتھ آہنی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ایک انسانی لاش لٹک رہی تھی۔ میں لاش کے قریب گیا تو دیکھا کہ یہ کسی مرد کی لاش تھی۔ اس کا سر منڈا ہوا تھا اور چہرے پر موت کی زردی چھائی ہوئی تھی۔ اچانک لاش کے جسم نے حرکت کی اور اس نے اپنی گردن میں سے زنجیر اُتار کر پوری قوت سے گھما کر میری طرف پھینکی۔ زنجیر میرے جسم سے ایک دھماکے کے ساتھ ٹکرائی اور میرے جسم کے ساتھ سانپ کی طرح لپٹ گئی۔

مجھے نہ کوئی چوٹ لگی اور نہ ہی درد محسوس ہوا لیکن زنجیر نے مجھے جکڑ لیا تھا۔ زنجیر کا ایک سرا لاش کے ہاتھوں میں تھا۔ اُس نے مجھے اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ لاش کی طرف نہ جاؤں اور کسی جگہ رُک جاؤں لیکن میرے

قدم اکھڑ رہے تھے اور کوئی طلسمی طاقت مجھے لاش کی طرف لئے جا رہی تھی۔ لاش نے زور سے زنجیر کو جھٹکا دیا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے زنجیر کو پکڑا اور جھٹکا دے کر زنجیر اُس کے ہاتھوں سے چھڑانی چاہی۔ میرے جھٹکے میں ایک ایسی قوت آ گئی تھی کہ لاش کے ہاتھوں سے زنجیر چھوٹ گئی اور اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے لاش ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر فرش پر بکھر گئی۔ اس کے ساتھ ہی میرے جسم کے ساتھ لپٹی ہوئی زنجیر غائب ہو گئی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور دالان کا جائزہ لیا۔ مجھے یقین تھا کہ روہنی یہیں کہیں ہو گی۔ دالان کے کونے میں ایک چھوٹی کھڑکی پر نظر پڑی جو بند تھی۔ میں کھڑکی کے پاس آ گیا۔ کھڑکی پر خون کا بہت بڑا دھبہ پڑا تھا۔ کھڑکی کے پیچھے سے ایک کمزور سی آواز سنائی دے رہی تھی۔ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ کس کی آواز ہے۔ میں نے کھڑکی کے قریب ہو کر آواز کو غور سے سنا۔ یہ کسی عورت کی آواز تھی۔ وہ ڈراؤنے لہجے میں کسی کو کہہ رہی تھی۔ "تو گھو کے طلسم سے زندہ بچ کر نکل آئی تھی لیکن میرا طلسم تیری روح کے اندر جذب ہو گیا ہے۔ یہ تیرے جسم کو آہستہ آہستہ دہکتا ہوا انگارہ بنا دے گا۔"

میں نے اس آواز کو پہچان لیا۔ یہ آسیبی لڑکی نتالیا کی آواز تھی بلکہ اس کے آسیب کی آواز تھی۔ اس کے ساتھ ہی میں سمجھ گیا کہ وہ کس سے مخاطب ہے۔ وہ جس سے مخاطب تھی وہ سوائے روہنی کے اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ میں کھڑکی کے ساتھ کان لگائے سن رہا تھا۔

نتالیا کے آسیب نے روہنی کا نام لے کر کہا۔ "تو نے اسلام قبول کر کے ہمارے دیوتاؤں کے بتوں کو پاش پاش کر دیا تھا۔ دیوتا تم سے اس کا بھی بدلہ لیں گے۔"

پھر مجھے روہنی کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز جیسے کسی کنوئیں میں سے آ رہی تھی۔ روہنی نے کہا۔ "میں خوش قسمت ہوں کہ میں نے اپنی زندگی میں ہی بت پرستی سے توبہ کر کے اسلام کی روشنی سے اپنا سینہ منور کر لیا۔ میں جس عذاب میں مبتلا ہوں یہ

میرے اپنے ایک گناہ کی سزا مجھے مل رہی ہے جس کی مدت اللہ کی رحمت کے صدقے بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ پھر میری روح تمام آلائشوں سے پاک ہو جائے گی اور میں نیک روحوں کی دنیا کی طرف اپنا سفر شروع کر دوں گی۔"

نتالیا کے آسیب نے غضب ناک آواز میں کہا۔ "میں دیکھتی ہوں تمہیں یہاں سے کون بچاتا ہے۔ اب تو اس کنوئیں میں جل کر راکھ ہو جائے گی۔"

پھر ایسا ہوا کہ کسی غیبی طاقت نے میرے ہاتھ کو بند کھڑکی پر رکھ کر آہستہ سے دبایا۔ کھڑکی کھل گئی۔ میں ڈر کر پیچھے ہٹنے لگا تو میرا جسم پیچھے ہٹنے کی بجائے اپنے آپ کھڑکی کی طرف بڑھا اور مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ میں کیسے کھڑکی میں سے گزر گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک نیم روشن بہت بڑے غار میں ہوں جس کی چھت سے جالے لٹک رہے ہیں اور ایک انسانی سایہ غار کے وسط میں ایک گول چبوترے کے پاس کھڑا نیچے دیکھ رہا ہے۔

O

اب مجھ پر ایک اور حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ کھڑکی میں سے اندر داخل ہوتے ہی میرا مادی جسم غائب ہو گیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ کوئی طاقت میری مدد کر رہی ہے۔ اب مجھے یہ ڈر تھا کہ اگرچہ میں غائب ہوں لیکن نتالیا کا آسیب مجھے اس حالت میں بھی ضرور دیکھ لے گا۔ میں نے اس غیبی حالت میں ہی ایک کونے کی طرف جا کر چھپنے کی کوشش کی لیکن میرے قدم کونے کی طرف جانے کی بجائے چبوترے کی طرف اٹھتے چلے گئے۔ میں اپنے آپ چبوترے کے پاس آ گیا۔ میں نے دیکھا کہ جس کو میں چبوترہ سمجھ رہا تھا وہ ایک کنوئیں کی گول منڈیر ہے اور اس کے پاس نتالیا کھڑی نیچے دیکھ رہی ہے۔ نتالیا انسانی شکل میں ہی تھی مگر اس کے چہرے پر وحشت کے آثار تھے۔ اس کی آنکھوں سے جیسے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ میں اس سے تین قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا لیکن وہ میری طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ اسے میری موجودگی کا احساس نہیں ہے۔ پھر بھی میں نے ڈر کے مارے کوئی حرکت نہ کی اور اپنی جگہ پر ساکت ہو کر کھڑا رہا۔

نتالیا کا آسیب ٹکٹکی باندھے گردن نیچی کئے کنوئیں میں دیکھ رہا تھا۔ اُس نے غصیلی آواز میں کہا۔ "روحی! تو میری طاقت کو نہیں جانتی۔ میں نے تمہارے جسم میں جو آسیبی طلسم داخل کیا ہے وہ تیرا قاتل ہے تیری موت ہے۔ ایک ایسی موت جو تجھے مرنے کے بعد بھی مارتی رہے گی۔"

نتالیا کے آسیب نے ایک ایسا بھیانک قہقہہ لگایا کہ غار کی دیواریں لرز گئیں میں

خود غیبی حالت میں اپنی جگہ پر ہل گیا مگر اپنی جگہ پر ثابت قدمی سے کھڑا رہا کیونکہ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ نتالیا کا آسیب مجھے دیکھ نہیں رہا۔ نتالیا نے دونوں بازو پھیلا کر خدا جانے کون سی چڑیلوں کی زبان میں کوئی منتر پڑھ کر کنوئیں میں پھینکا اور کہا۔ ”یہ آگ ہے جو میں نے تیرے اُوپر پھینکی ہے۔“

نتالیا کے آسیب نے ایک اور بھیانک قہقہہ لگایا اور پیچھے ہٹ گئی۔ پھر اس نے چاروں طرف اپنی انگارہ ایسی آنکھوں سے دیکھا۔ میں اس کے بالکل پاس کھڑا تھا مگر وہ مجھے نہ دیکھ سکی اور چیخ مار کر غائب ہو گئی۔ اس کے غائب ہونے کے بعد ایک منٹ تک میں اپنی جگہ پر بت بنا کھڑا رہا۔ میں تسلی کر لینا چاہتا تھا کہ وہ وہاں سے دفع ہو چکی ہے۔ ایک منٹ توقف کے بعد میں تیزی سے کنوئیں کی منڈیر پر آ گیا اور نیچے جھانک کر کہا۔ ”روہنی! گھبراؤ نہیں۔ میں تیری مدد کے لئے آ گیا ہوں۔“

میری آواز نے جیسے روہنی کی مردہ روح میں زندگی کی بھرپور طاقت بھر دی تھی۔ اُس نے فوراً اپنی نارمل آواز میں کہا۔ ”شیروان! شیروان! میں جانتی تھی کہ تم ضرور میری مدد کو آؤ گے لیکن تم مجھے دکھائی نہیں دے رہے۔“

میں نے کہا۔ ”میں غائب ہوں۔“

روہنی نے کہا۔ ”خدا کے لئے کچھ دیر کے لئے کسی جگہ چھپ جاؤ۔ نتالیا کا آسیب ابھی یہیں ہو گا۔“

میں نے کہا۔ ”وہ دفع ہو گیا ہے۔ میں نے خود اسے غائب ہوتے دیکھا ہے۔“

”کیا اس نے تمہیں نہیں دیکھا تھا؟“ روہنی نے پوچھا۔

میں نے جواب دیا۔ ”نہیں۔ میں اسے نظر نہیں آیا تھا۔“

روہنی نے پوچھا۔ ”تم غائب کیسے ہو گئے؟“

میں نے کہا۔ ”مجھے خود معلوم نہیں۔ میں کھڑکی میں سے جیسے ہی اندر آیا غائب ہو گیا۔“

روہنی نے آہ بھر کر کہا۔ ”شیروان! خدا ہماری مدد فرما رہا ہے۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ نتالیا کا آسیب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“

”روہنی! تم کنوئیں سے کیسے باہر آؤ گی؟“ میں نے پوچھا۔

روہنی کی آواز آئی۔ ”میری بات غور سے سنو شیروان! کنوئیں کی منڈیر کے قریب دیوار کے پاس مٹی کا ایک مٹکا پڑا ہے۔ اس کے اندر ایک کھوپڑی ہے اس کھوپڑی کو مٹکے سے باہر نکالو اور اس پر پانچ بار اللہ کا پاک نام پڑھ کر پھونکو۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

میں نے ایسا ہی کیا۔ ”کنوئیں کی منڈیر کے پیچھے دیوار کی طرف گیا۔ وہاں ایک مٹکا پڑا تھا۔ مٹکے کے ساتھ مکڑیوں کے جالے چمٹے ہوئے تھے۔ میں نے جالوں کو ہٹانے کے بعد مٹکے کے ڈھکن کو اٹھا کر اندر ہاتھ ڈال کر ایک کھوپڑی باہر نکال لی۔ یہ ایک انسانی کھوپڑی تھی۔ میں نے پانچ بار اللہ کا پاک نام دل میں پڑھ کر کھوپڑی پر پھونک ماری۔ کھوپڑی کے اوپر چھت پر سے آتی ہوئی روشنی کی ایک چمکدار کرن پڑی اور کھوپڑی اچھل کر کنوئیں میں گر پڑی۔ میں دوڑ کر کنوئیں کی منڈھیر پر آ گیا۔

میں نے دیکھا کہ کنوئیں میں روشنی ہی روشنی ہو گئی ہے اور اس روشنی میں روہنی اپنے آپ اوپر کو آ رہی ہے۔ روہنی کے دونوں ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے اور اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ کنوئیں میں سے نکل کر باہر آ گئی۔ کنوئیں کی روشنی غائب ہو گئی۔ روہنی نے اُس طرف دیکھا جہاں میں کھڑا تھا۔ اُس نے مجھے غیبی حالت میں بھی دیکھ لیا تھا۔ اُس نے اپنا بازو پھیلا کر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑی رقت بھری آواز میں بولی۔ ”شیروان! اللہ نے مجھ گناہ گار کا گناہ معاف کر دیا ہے۔ میں اس کی رحمت کے سائے میں ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں جو گناہ کیا تھا اب اللہ پاک کی رحمت سے میری روح اس سے پاک ہو گئی ہے۔ میں اب بدروح نہیں ہوں بلکہ ایک پاک روح ہوں۔“

میں نے کہا۔ ”روہنی! تم خوش قسمت ہو کہ تمہاری بخشش ہو گئی ہے۔“

روہنی کہنے لگی۔ ”اب میرے دل میں سوائے اللہ کے اور کسی کا خوف نہیں ہے۔ چلو یہاں سے نکل چلتے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”مجھے ڈر ہے نتالیا کا آسیب تمہیں دیکھ نہ لے۔ اس لئے تم بھی غائب ہو جاؤ۔“

روہنی بولی۔ ”اب وہ مجھے میری جسمانی صورت میں بھی نہیں دیکھ سکے گی۔ میرے ساتھ آؤ۔“

میں نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ ”روہنی مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ اگر تم غائب ہو سکتی ہو تو کم از کم اس جہنمی دنیا سے نکلنے کے لئے ضرور غائب ہو جاؤ۔“

روہنی نے کہا۔ ”اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں غائب ہو جاتی ہوں۔“

اور دوسرے ہی لمحے روہنی بھی غائب ہو گئی۔ اب ہم دونوں غائب تھے لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ روہنی نے کہا۔ ”میں تمہارے اندر ایمان کی وہ طاقت دیکھ رہی ہوں جس کی مجھے ساری زندگی حسرت رہی کہ کاش میرے ایمان کو بھی ایسی طاقت نصیب ہو جاتی۔“

میں نے کہا۔ ”یہ سب اللہ کا کرم ہے روہنی۔“

روہنی نے فوراً میری بات کاٹ کر کہا۔ ”شیروان! آئندہ سے مجھے روہنی کے نام سے نہ بلانا۔ اب مجھے ہمیشہ میرا مسلمان نام سلطانہ کہہ کر بلانا۔“

میں نے کہا۔ ”میں آج سے روہنی کے نام کو بھی بھول جاتا ہوں۔ اب تم سلطانہ ہو اور میں شیروان ہوں تمہارے مرحوم شہزادے کا ہم شکل۔“

”ہاں۔“ روہنی نے کہا۔ ”میرا سینہ روشن ہو گیا ہے۔ مجھ پر یہ راز بھی کھل گیا ہے کہ کسی مسلمان مومن کا مرنے کے بعد کوئی دوسرا جنم نہیں ہوتا بلکہ روح کو اس کے اعمال کے مطابق درجہ عطا ہوتا ہے۔ تم میرے شہزادے کا دوسرا جنم نہیں ہو

بلکہ محض اتفاق سے تمہاری شکل میرے مرحوم شہزادے سے ملتی ہے۔“

میں نے روہنی سے کہا۔ (آپ کو میں اپنی داستان بیان کر رہا ہوں اس لئے آپ کے آگے میں سلطانہ کا نام روہنی ہی لوں گا تاکہ آپ فوراً سمجھ جائیں کہ میں اس عورت کی بات کر رہا ہوں جس کی روح یا بد روح کو میں نے روہت گڑھ والے قلعے کے مرتبان سے آزاد کر دیا تھا)۔ میں نے روہنی سے کہا۔ ”سلطانہ! اب تم پاک روح بن چکی ہو۔ تم اپنے مرحوم خاوند سے اس قدر پیار کرتی ہو پھر تم اپنے خاند کی روح سے جا کر کیوں نہیں مل جاتیں؟“

روہنی نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ ”میرا خاوند ایک نیک انسان تھا۔ وہ مسلمان پیدا ہوا تھا اور پیدا ہونے کے فوراً بعد اُس کے کان میں اذان دی گئی تھی۔ اس کی روح جنت کے جس مقام، جس درجے میں ہے وہاں تک ابھی میری رسائی نہیں ہے۔ جب میری روح کا رہا سہا میل بھی اتر جائے گا تو میں اسی روز اپنے خاوند کی روح سے جا کر مل جاؤں گی۔“

ہم باتیں کرتے غار کی کھڑکی میں سے نکل کر غار کے اندر سے گزر رہے تھے اور غار کے دہانے کے پاس پہنچ گئے۔ ہم غار سے سلامتی کے ساتھ نکل آئے۔ آگے وہی دلدل والا چھوٹا سا میدان تھا جس میں، میں نے ایک عورت اور ایک مرد کو آدھا دلدل میں ڈوبا ہوا مدد کے لئے پکارتے دیکھا تھا۔ غار کے اندر سے نکلنے کے بعد میں نے روہنی سے کہا۔ ”میں کھڑکی میں داخل ہونے کے بعد غائب ہو گیا تھا لیکن کھڑکی میں سے نکلنے کے بعد میں اپنی ظاہری شکل میں واپس نہیں آیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟“

روہنی کہنے لگی۔ ”یہ میں بھی نہیں جانتی۔ ہو سکتا ہے تم کسی بھی وقت اپنی انسانی صورت میں واپس آ جاؤ۔“

غار میں سے نکلنے کے بعد روہنی نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے ساتھ ہی زمین کی سطح پر سے دس پندرہ فٹ اوپر اٹھا لیا تھا۔ دلدل کے اوپر سے گزرنے کے بعد آگے

وہی پہاڑ تھا جس میں سے طوفانی دریا نکل کر ایک طرف کو مڑ گیا تھا۔ روہنی کہنے لگی۔
''ہم غار میں سے نہیں نکلیں گے بلکہ پہاڑ کے اوپر سے نکل جائیں گے۔''

اس سے بہتر بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ میں غار کے اندر کے تاریک ماحول سے بچ گیا تھا۔ ہم پہاڑ کے اوپر آ گئے۔ پہاڑ ہمارے نیچے کافی نیچے رہ گیا تھا۔ اس کے بعد سیاہ ڈراؤنی چٹانوں کا سلسلہ تھا جس کی تنگ و تاریک راہ داریوں میں سے طوفانی دریا قیامت کا ڈراؤنا شور مچاتا بہہ رہا تھا۔ میں نے روہنی سے کہا۔ ''سلطانہ! میں نے زندگی میں اتنا خوفناک دریا نہیں دیکھا۔ اگر میرے خدا کی مدد میرے ساتھ نہ ہوتی تو میں اس کے قریب سے کبھی نہیں گزر سکتا تھا۔''

روہنی کہنے لگی۔ ''شیروان! حقیقت میں یہ دریا اور یہ عذاب دینے والے دلدلی میدان اور اژدھا کیا ہیں؟ اس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ ایسے کئی راز ہیں جن کا علم انسان کو اس کی موت کے بعد ہوتا ہے۔ یہ راز بھی ان میں سے ایک ہے۔ لیکن یاد رکھو۔ یہ راز بھی نیک روحوں پر کھلتا ہے۔ میری ایسی گناہ گار روحیں تو اپنے برے اعمال کے عذاب میں پھنس جاتی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے میرے گناہ بخش دیئے۔''

میں نے کہا۔ ''تم تو مجھے یہ راز بتا سکتی ہو کیونکہ تم ایک اچھی روح ہو۔''

روہنی کہنے لگی۔ ''ہمیں بعض باتیں بتانے کی اجازت نہیں ہوتی اور ہم احکام خداوندی کی حکم عدولی کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔''

میں بشری کمزوری کے باعث اصرار کرنے لگا کہ روہنی مجھے یہ راز اور بعض دوسرے راز جو اسے اچھی روح بن جانے کے بعد معلوم ہو چکے تھے بتا دے۔ روہنی یعنی سلطانہ نے اس کے جواب میں یہ کیا کہ فضا میں سیاہ چٹانوں کے اُوپر اڑتے اڑتے ایک دم رک گئی اور میری طرف دیکھ کر بولی۔ ''فیروز! اگر پھر کبھی تم نے مجھے یہ راز بتانے کے لئے کہا تو میں تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔''

روہنی نے پہلی بار مجھے میرے اصلی نام سے پکارا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ اب اس کو دل سے یقین ہو گیا تھا کہ میں اس کے مرحوم خاوند شہزادہ شیروان کا دوسرا جنم نہیں تھا۔

روہنی کہنے لگی۔ ''وعدہ کرو کہ پھر مجھ سے کبھی ایسا سوال نہیں کرو گے۔''

اس کے لہجے میں ایک یقین اور ایک عزم تھا۔ میں نے فوراً کہا۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں سلطانہ! کہ اس قسم کے سوال تم سے پھر کبھی نہیں پوچھوں گا۔''

روہنی نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور بولی۔ ''فیروز! مجھے ابھی تمہارے ساتھ رہنا ہے۔ ابھی تمہیں میری ضرورت ہے اور مجھ پر تمہاری طرف سے ایک قرض ہے جو مجھے اتارنا ہے اور وہ قرض یہ ہے کہ تمہیں پجاری رگھو کی گرفت اور اس کی مصیبت سے ہمیشہ کے لئے نجات دلانی ہے تاکہ اس کے بعد تم ان بدروحوں کی منحوس دنیا سے آزاد ہو کر ہنسی خوشی نیک زندگی بسر کر سکو اور پھر ابھی نتالیا کا آسیب بھی تمہارا پیچھا کر رہا ہے تمہیں اس سے بھی رہائی دلانی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''وہ تمہارے بھی تو پیچھے لگا ہوا ہے۔''

روہنی کہنے لگی۔ ''اب یہ دونوں بدروحیں اور آسیب مل کر بھی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ خدا کے حضور میرے گناہوں کی بخشش کے بعد میری روح ان کے نفع یا نقصان سے بہت بلند ہو گئی ہے۔ اب میں جو کچھ بھی کروں گی تمہیں ان بدروحوں اور آسیب سے نجات دلانے کے لئے کروں گی۔ میرے پاس اب نہ کوئی طلسم ہے نہ جادو ہے اور نہ کوئی طلسمی منتر ہے۔ خداوند کریم کی خوشنودی اور اس پر دل سے بھروسہ رکھنا ہی میرا سب سے بڑا طلسم اور میری سب سے بڑا طاقت ہے۔''

روہنی بالکل بدل گئی تھی۔ اس میں ایک حیرت انگیز روحانی تبدیلی آ چکی تھی۔ اس کو دیکھ کر اور اس کی باتیں سن سن کر خود میرے اندر روحانیت اور نیکی کے جذبات اور خیالات پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے اور یہ میرے لئے بھی ایک نیک فال

تھی۔

ہم پرواز کرتے ہوئے سیاہ چٹانوں کے سلسلے کو پیچھے چھوڑ آئے تھے اور اب بے برگ و بار یعنی سوکھے ہوئے ٹیڑھے میڑھے درختوں کے جنگل کے اوپر سے گزر رہے تھے۔ جب ہم اس جنگل کے اوپر سے بھی گزر گئے اور بنگلور کے گردونواح کا نیم پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا تو میں نے روہنی سے پوچھا۔ ”سلطانہ! تمہارا ارادہ اب کہاں جانے کا ہے؟ کیا تم دُرگا کی بدروح کے پاس جا رہی ہو؟“

سلطانہ کے پاکیزہ اور پُرسکون چہرے پر ایک ناخوشگوار تاثر ابھر آیا۔ اس نے کہا۔ ”شیروان! میرا ان بدروحوں سے اب کوئی واسطہ نہیں رہا۔ اُن کا میری دنیا سے اور میرا اُن کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

میں نے کہا۔ ”کیا یہ بدروح دُرگا بھی اگر چاہے تو تم سے نہیں مل سکتی؟“

روہنی نے کہا۔ ”جہاں اچھی روح ہو گی وہاں بری اور بدروح کا کبھی گزر نہیں ہو گا۔ وہ اُس طرف آنے کے خیال ہی سے ڈر جائے گی۔ یوں اچھی اور بری روح کی دنیا الگ الگ ہو جاتی ہے۔ نیکی نیکی اور برائی برائی ہی ہوتی ہے۔“

میں نے کہا۔ ”اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ اب نتالیا کا آسیب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“

”ہاں۔“ روہنی نے کہا۔ ”اب وہ بھی مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ نتالیا کا آسیب بھی میرے قریب بھی نہیں پھٹک سکے گا۔ جس طرح کہ جب تک تمہاری انگلی میں شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی ہے نتالیا کا آسیب تیرے قریب نہیں آ سکتا۔“

میں نے پوچھا۔ ”پھر ہم کہاں جا رہے ہیں؟“

روہنی نے کہا۔ ”میں سب سے پہلے تمہیں کسی محفوظ جگہ پر پہنچانا چاہتی ہوں تاکہ جب تک میں تمہارے پیچھے لگی ہوئی رگھو اور آسیب کی بلاؤں کو ہمیشہ کے لئے

ختم نہیں کر لیتی تم پوری حفاظت کے ماحول میں رہو۔“

”تمہارے خیال میں ایسی کون سی جگہ ہو سکتی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

روہنی نے مجھ سے پوچھ لیا۔ ”تم بتاؤ۔ تمہارے خیال میں ایسی کون سی جگہ ہو سکتی ہے جہاں تم ان بلاؤں کے حملوں سے محفوظ رہ سکتے ہو۔ رگھو اور نتالیا کی بدروحیں اور آسیب تمہیں اس وقت تک نقصان نہیں پہنچا سکتیں جب تک کہ تمہارے بازو کے ساتھ اللہ کے نام کا تعویذ بندھا ہوا ہے اور تمہاری انگلی میں شیش ناگن کی مالا ہے لیکن یہ بلائیں کسی روپ میں، کوئی بھیس بدل کر تمہارے پاس آ کر تمہیں ورغلا کر یہ دونوں چیزیں تم سے حاصل کر کے تمہیں ہلاک کر سکتی ہیں اس لئے ان دونوں کا خاتمہ ضروری ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ نتالیا کے آسیب کو میری روحانی طاقت کا پتہ چل گیا ہو گا اور اس نے اپنی دفن شدہ کھوپڑی کو افریقہ کے جنگل سے نکال کر زمین کی پاتال کے اندر کسی جگہ چھپا دیا ہو گا اس طرح میرے لئے اس کا خاتمہ کرنا قدرے مشکل ہو جائے گا۔ لیکن تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ نیکی کی طاقت بہت بڑی طاقت ہوتی ہے۔ بدی کے طلسم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میں کسی نہ کسی طرح نتالیا کے آسیب کو جہنم میں پہنچا کر ہی رہوں گی۔“

”اور رگھو کا کیا ہو گا؟“ میں نے پوچھا۔ ”وہ تو میری جان کا دشمن ہے۔ نتالیا تو پھر بھی میری جان کی دشمن نہیں ہے بلکہ صرف مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہے۔“

روہنی نے کہا۔ ”یاد رکھو! کسی بدروح یا آسیب کا کسی زندہ انسان کو اپنے ساتھ رکھ لینا اس کی موت ہی ہوتی ہے۔ رگھو کی تم فکر نہ کرو۔ اسے تو میں اس کی تمام بدروحوں سمیت اس کے انجام تک پہنچا دوں گی۔“

ہم پرواز کرتے ہوئے بنگلور شہر کو بھی پیچھے چھوڑ چکے تھے۔ روہنی نے مجھ سے پوچھا۔ ”تم کہاں جانا پسند کرو گے؟“

مجھے اپنے بچپن کے دوست بمبئی والے جمشید کا ہی خیال آ گیا۔ میں نے کہا۔ ”اگر

میں بمبئی میں اپنے دوست جمشید کے پاس چلا جاؤں تو کیا خیال ہے۔ اس کے ساتھ میرا دل بھی لگا رہے گا۔"

روہنی نے کہا۔ "تمہارے دوست کی جگہ نتالیا کے آسیب نے دیکھ لی ہے۔ تمہیں یاد ہے کہ جب ہم وہاں تھے اور تمہارے دوست کے گیراج کے باہر بیٹھے ہوئے تھے تو ایک سادھو وہاں سے گزرا تھا اور اس نے رُک کر میری طرف گھور کر دیکھا تھا۔"

میں نے کہا۔ "ہاں مجھے یاد ہے۔"

روہنی بولی۔ "جیسا کہ میں نے تمہارے سامنے دُرگا کو بھی بتایا تھا وہ سادھو نہیں بلکہ نتالیا کے آسیب کی بھیجی ہوئی بدروح تھی۔ وہ ہم دونوں کی تلاش میں وہاں آئی تھی۔ اب تم وہاں گئے تو نتالیا کے آسیب کو فوراً پتہ چل جائے گا اور ممکن ہے وہ کسی دوسرے بھیس میں کسی بدروح کو تمہاری انگوٹھی چرانے کے لئے بھیجے کیونکہ ایک بار تمہارے ہاتھ کی شیش ناگن والی انگوٹھی نتالیا کے قبضے میں آ گئی تو پھر تم ساری زندگی کے لئے نتالیا کے آسیب کے قیدی بن جاؤ گے اور پھر شاید میں بھی تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گی۔"

میں نے کہا۔ "لیکن سلطانہ! میرا جمشید کے سوا دنیا میں اور کوئی یار دوست بھی تو نہیں ہے۔ کوئی رشتے دار بھی نہیں ہے اور پھر کسی اجنبی اور اکیلی جگہ پر رہا تو نتالیا کا آسیب آسانی سے مجھے اپنا شکار بنا سکے گا۔ اپنے دوست جمشید کے پاس رہوں گا تو نتالیا کی بھیجی ہوئی بدروح کو مجھے ورغلانے کا اتنی آسانی سے موقع نہیں مل سکے گا۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" روہنی نے کہا۔

"تو پھر مجھے جمشید کے پاس بمبئی لے چلو۔" میں نے فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن وہاں تمہیں ہر وقت چوکس ہو کر رہنا ہوگا۔" روہنی نے مجھے ہدایت کی۔

"اس کی تم فکر نہ کرو۔" میں نے کہا۔ "مجھے نتالیا کے آسیب اور ان بدروحوں کا

کافی تجربہ ہو چکا ہے۔ میں اُن کی بو دور ہی سے پا لیتا ہوں۔"

"تو پھر چلو۔ بمبئی کی طرف چلتے ہیں۔" روہنی نے مسکرا کر کہا اور میرا ہاتھ تھام کر اپنا رُخ مشرق کی طرف کر لیا۔ بمبئی وہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ جس وقت روہنی نے اپنا رُخ مشرق کی طرف کیا تو اُس نے مجھے کہا۔ "اس وقت ہم بھوپال کے اوپر سے گزر رہے ہیں۔"

اور بھوپال کے بعد بڑا شہر ہم جس فضائی راستے سے جا رہے تھے ہوشنگ آباد اور پھر کھنڈوا تھا۔ اس کے بعد ناسک کا شہر آ جاتا تھا جو بمبئی سے ریل کا ڈیڑھ دو گھنٹے کا سفر تھا۔ چنانچہ ہم بڑی جلدی بمبئی کی نواحی آبادیوں کے اوپر پہنچ گئے۔ اب تو بمبئی کا شہر بہت پھیل گیا ہے اور بھارت کی حکومت نے اس کا نام بھی بمبئی سے ممبئی رکھ دیا ہے۔ اصل میں یہ شہر ہندوؤں کی ایک دیوی ممبا دیوی کے نام پر آباد ہوا تھا۔ اس زمانے میں بھی اس کا نام ممبئی ہی تھا۔ بعد میں جب انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے اس شہر کا نام بمبئی یا بمبئے رکھ دیا تھا۔ جس وقت ہم بمبئی شہر کے اوپر آئے اس وقت شام کا وقت تھا اور شہر کی روشنیاں جگہ جگہ جگمگا رہی تھیں۔ مجھے تو کوئی اندازہ نہیں تھا کہ جمشید کا علاقہ کس طرف ہے مگر روہنی کو سب معلوم تھا۔ اُس نے شہر کی روشنیوں کے اوپر ایک چکر لگایا اور پھر مجھے ساتھ لے کر ایک ریلوے سٹیشن کے باہر سڑک کے فٹ پاتھ پر اتر آئی۔ کہنے لگی۔ "یہ وہی لوکل سٹیشن ہے جس کے قریب تمہارے دوست کا فلیٹ اور گیراج ہے۔"

میں نے بھی سٹیشن کو پہچان لیا تھا۔ میں نے روہنی سے کہا۔ "سلطانہ! میں تو غائب ہوں۔ اپنے دوست جمشید سے کیسے ملوں گا۔ اس سے پہلے تو میں کبھی اسے اس حالت میں نہیں ملا اور اسے میرے بارے میں اس قسم کی باتوں کا علم بھی نہیں ہے۔"

ہم ایک جگہ فٹ پاتھ پر رُک گئے تھے۔ روہنی کہنے لگی۔ "اس بارے میں کیا

کہہ سکتی ہوں کیونکہ میں نے تمہیں غائب نہیں کیا۔ تم خود بخود غائب ہوئے ہو۔ ہو سکتا ہے تم اپنے آپ ظاہر ہو جاؤ۔"

"اس کا مطلب ہے مجھے کسی جگہ ظاہر ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

روہنی نے کہا۔ "آگے چلتے ہیں شاید اس دوران تم اپنی اصلی شکل میں واپس آ جاؤ۔"

ہم فٹ پاتھ پر چل نہیں رہے تھے بلکہ زمین سے ایک فٹ بلند ہو کر فضا میں تیر رہے تھے۔ ہماری رفتار اتنی ہی تھی جیسے ہم چل رہے ہوں۔ ہم تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ میرے جسم کو ایک ہلکا سا دھچکا لگا اور میں اپنی انسانی شکل میں واپس آ گیا۔

روہنی نے میری طرف مسکرا کر دیکھا اور بولی۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم عین وقت پر اپنی اصلی حالت میں واپس آ گئے۔"

میرے دوست جمشید کا آٹو سٹور اور گیراج اب ہمارے سامنے تھا۔ جمشید مجھے باہر نظر نہ آیا۔ روہنی نے کہا۔ "اپنے دوست کو نہ بتانا کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔"

میں نے کہا۔ "تم جیسے کہتی ہو میں ویسے ہی کروں گا۔"

جمشید اس وقت اپنے فلیٹ میں تھا۔ میرا سن کر فوراً نیچے آ گیا۔ بڑی گرمجوشی سے مجھے گلے لگا لیا اور حیران ہو کر کہنے لگا۔ "فیروز! تم اچانک کس طرف سے نکل آتے ہو اور پھر اچانک کہاں غائب ہو جاتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "جمشید چاہے کچھ ہو مگر میں تمہیں ملنے کے لئے آ تو جاتا ہوں۔ تم مجھ سے یہ نہ پوچھو کہ میں کہاں سے آتا ہوں اور کہاں غائب ہو جاتا ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب وقت آئے گا تو سب سے پہلے میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں اچانک کہاں سے آ جاتا تھا اور پھر اچانک کہاں غائب ہو جاتا تھا۔"

جمشید ہنس کر کہنے لگا۔ "ٹھیک ہے بھائی! میں تم سے کبھی نہیں پوچھوں گا۔ لیکن

وعدہ کرو کہ تم اس طرح کبھی کبھی مجھ سے ملنے کے لئے آتے رہو گے۔"

ہم گیراج کے باہر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ میں نے کہا۔ "فکر نہ کرو۔ میں اس دفعہ کافی دن تمہارے پاس رہوں گا۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔" جمشید نے ہنس کر کہا۔

میں دیکھ رہا تھا کہ روہنی غیبی حالت میں ہمارے درمیان موجود تھی مگر جمشید اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ آخر جمشید سے نہ رہا گیا۔ کہنے لگا۔ "پچھلی بار تم آئے تھے تو تمہاری بیوی بھی تمہارے ساتھ تھی۔ اس دفعہ تم بھابھی کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے؟"

میں نے روہنی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "وہ میرے ساتھ ہی ہے۔"

جمشید نے حیران سا ہو کر کہا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

میں نے کہا۔ "میرا مطلب ہے کہ سلطانہ کا خیال میرے ساتھ ہے۔ اس طرح وہ میرے ساتھ ہی ہے۔"

جمشید ہنسنے لگا۔ "یار! تم نے اچانک کیسے شادی کر لی؟ کچھ بھابھی کے بارے میں بتاؤ کیا وہ تمہاری کوئی رشتے دار خاتون تھی یا تم نے کسی دوسری برادری میں شادی کی ہے۔"

میں نے کہا۔ "یہ میں تمہیں بعد میں کسی وقت بتاؤں گا۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں کتنے دن کا ویزا ملا ہے؟" جمشید نے پوچھا۔

میں نے اس کے ہاتھ پر ہلکی سی تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "خاطر جمع رکھو۔ اس بار میں تین ماہ کا ویزا لگوا کر آیا ہوں۔"

"تمہارا سامان کہاں ہے؟" اُس نے پوچھا۔

میں نے کہا۔ "میں اپنے ساتھ کوئی سامان نہیں لایا۔ بس تین کپڑوں میں آیا ہوں۔"

اس دوران میں نے نوٹ کیا کہ روہنی میرے سامنے والی کرسی پر غیبی حالت میں بیٹھی سڑک پر سے گزرنے والوں کا بڑے غور سے جائزہ لے رہی تھی۔ شاید اسے ڈر تھا کہ نتالیا کے آسیب نے میری سراغ رسانی کے لئے کسی بدروح کو انسانی بھیس میں نہ بھیجا ہو۔ میں نے اور جمشید نے رات کا کھانا اکٹھے کھایا۔ اس کے بعد ہم باتیں کرنے لگے۔ روہنی غیبی حالت میں کمرے میں موجود تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد کھڑکی کے پاس جاکر باہر بازار میں جھانک کر دیکھ لیتی تھی کہ رگھو پجاری یا نتالیا کے آسیب کا بھیجا ہوا آدمی تو کسی بھیس میں باہر موجود نہیں ہے۔ جب رات زیادہ ہو گئی تو میں دوسرے کمرے میں سونے کے واسطے آگیا۔ روہنی میرے ساتھ ہی آگئی۔ کہنے لگی۔ ''میں برابر باہر نگاہ رکھے ہوئے تھی۔ ابھی تک تو حالات ٹھیک جا رہے ہیں۔ ہمارے دشمنوں میں سے نہ تو کوئی خود ہماری تلاش میں یہاں آیا ہے اور نہ انہوں نے اپنی کسی بدروح کو بھیجا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ انہیں ہمارے فرار کا ابھی علم نہیں ہوا۔''

روہنی میرے پلنگ کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔ ''اپنے دشمن سے کبھی غافل نہ ہونا اور یہ آسیب اور بدروحوں کو سب پتہ لگ جاتا ہے۔ نتالیا کو میرے فرار کا اسی وقت علم ہو گیا ہو گا لیکن گناہ دُھل جانے کے بعد میری روح میں نیکی کی طاقت آگئی ہے۔ آسیب اور بدروحیں نیک پاک روحوں کے قریب نہیں آتیں۔ وہ ہماری خوشبو دور ہی سے محسوس کر لیتی ہیں اور بھاگ جاتی ہیں۔''

میں نے روہنی سے کہا۔ ''سلطانہ! یہ بات میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا۔ جب سے تمہاری روح کے گناہ دُھل گئے ہیں اور تم پاکیزہ روح بن گئی ہو مجھے تمہارے جسم سے بڑی روح پرور دھیمی دھیمی خوشبو آتی محسوس ہونے لگی ہے۔''

روہنی نے کہا۔ ''یہ رحمت خداوندی کی خوشبو کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ ابھی میں پاکیزہ اور نیک روحوں کے پہلے درجے میں ہی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں تمہارے

ساتھ زمین پر بھی چل پھر لیتی ہوں کیونکہ ابھی میرے اندر دُنیاوی خیالات اور دُنیاوی خواہش موجود ہے اور یہ دُنیاوی خواہش تمہیں تمہارے دشمنوں سے چھٹکارا دلانے کی خواہش ہے تاکہ تم نے مجھ پر جو احسان کیا ہے وہ بوجھ اُتار دوں۔ ہم دنیا کے بوجھ ساتھ لے کر روحانی درجے طے نہیں کر سکتیں اور میرا دوسرا بوجھ میرے مرحوم خاوند سے میری محبت ہے۔ یہ بھی ایک دُنیاوی جذبہ ہے۔ نیک روحوں کو بلند درجوں تک پہنچنے کے لئے دنیا کی تمام محبتوں کو اپنے سے الگ کر کے صرف اللہ پاک کی محبت میں سرشار ہونا ہوتا ہے۔ ابھی میری روح میں یہ کمزوریاں موجود ہیں اس لئے میں روحانی بلندی کی پہلی سیڑھی پر ہی ہوں۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ میں بہت جلد ان فانی دنیاوی جذبوں سے آزاد ہو کر صرف خدائے واحد کی عبادت گزار اور صرف اسی کی حمد و ثناء کرنے والی روح بن جاؤں گی۔ پھر تم مجھے کبھی اس دُنیا میں نہیں پاؤ گے۔''

روہنی یعنی سلطانہ نے پہلے کبھی میرے ساتھ ایسی روحانی عظمتوں والی گفتگو نہیں کی تھی۔ اس کی باتیں خود میرے اندر ایک روحانی بلندی کا احساس پیدا کر رہی تھیں اور خدا پر میرا ایمان اور پختہ ہو رہا تھا اور میرا دل گواہی دینے لگا تھا کہ ''سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔''

میں نے روہنی سے کہا۔ ''سلطانہ! روحانیت کے اس مقام پر پہنچنے کے بعد کیا تم اپنے مشترکہ دشمن رگھو اور نتالیا کے آسیب کو ہلاک کر سکو گی؟''

روہنی نے اس کے جواب میں کہا۔ ''ہم منشائے خداوندی کے مطابق عمل کرتی ہیں۔ جس طرح جادو ٹونہ کرنے والے اور بدروحیں قدرت کے قانون میں دخل اندازی کر کے بعض مقاصد اپنی مرضی کے مطابق حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہم ایسا نہیں کرتیں۔ یہ ہمارے مسلک کے خلاف ہے۔ ہم قانون قدرت کی خلاف ورزی کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔''

میں نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ نتالیا کا آسیب تو میری شیش ناگن والی انگوٹھی چرانے کے بعد آسانی سے مجھے اپنے قابو میں کر لے گا اور رگھو جو کہ میری جان کا دشمن ہے جب چاہے گا مجھے موت کی نیند سلا دے گا۔''

روہنی کہنے لگی۔ ''یاد رکھو! کوئی زندہ شے بے موت نہیں مرتی۔ انسان کی موت صرف اسی وقت آتی ہے جب اس کو اللہ کے حکم سے آنا ہوتا ہے۔ زندگی اور موت کا اختیار صرف اللہ کی ذات پاک کو ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس میں دخل دے سکے۔''

''لیکن روہنی۔'' میں نے کہا۔ ''بعض جادو ٹونوں سے تو انسان اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔ پھر ایسا کیوں ہوتا ہے؟''

روہنی نے کہا۔ ''جادو ٹونے سے کبھی کبھی اپنا مقصد حاصل کرنے والا آدمی اسے اپنی کامیابی ہی سمجھتا ہے لیکن اسے علم نہیں ہوتا کہ یہ کامیابی اُس کی سب سے بڑی ناکامی ہے۔ ایسا آدمی خدا کے حضور مدد کے لئے جھولی پھیلانے کی بجائے جادو ٹونہ کرنے والے سے مدد کی بھیک مانگتا ہے۔ یہ شرک ہے یعنی وہ تمام جہانوں کے سب سے بڑھ کر پالنے والے اور تمام حاکموں کے سب سے اعلیٰ تر حاکم کے اختیار میں دخل اندازی کر کے شرک کے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور یوں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے لیتا ہے اور یاد رکھو وہ آدمی دنیا کا بدقسمت ترین آدمی ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے.... اب میں تمہیں تمہارے سوال کا جواب دیتی ہوں۔ تم نے پوچھا تھا کہ اگر رگھو کی بدروح یا نتالیا کے آسیب نے ہم پر حملہ کر دیا تو کیا میں ان کا مقابلہ نہیں کروں گی؟ تم نے بڑا صحیح سوال کیا ہے۔ میں مقابلہ اسی طرح کروں گی جس طرح ایک نیک آدمی برائی کا مقابلہ کرتا ہے جس طرح ایک نیک خیالات رکھنے والا آدمی برے خیالات کا مقابلہ کرتا ہے اور اپنے نیک خیالات کی طاقت سے برے خیالات کو شکست دیتا ہے۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ میں اپنا اور تمہارا دفاع کروں گی۔ میں کسی پر حملہ نہیں کروں گی اور جب کوئی انسان یا نیک روح نیکی کی طاقت کے ساتھ اپنا

دفاع کرتی ہے یا دفاع کرتا ہے تو بدی خود بخود شکست کھا کر روپوش ہو جاتی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''لیکن سلطانہ! میں تو ایک کمزور انسان ہوں اور میرے ساتھ میرے گناہ بھی جڑے ہوئے ہیں۔ میں کیا کروں گا؟''

روہنی نے جواب دیا۔ ''تم صرف اللہ پاک پر اپنے ایمان کو مضبوط رکھنا۔ سوائے اللہ کے اور کسی کو مدد کے لئے نہ پکارنا۔ تمہارے سارے کام اپنے آپ ٹھیک ہو جائیں گے اور کوئی شیطانی طاقت تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔''

جیسے جیسے میں روہنی یعنی سلطانہ کی باتیں سن رہا تھا مجھے اپنے اندر ایک حیرت انگیز روحانی طاقت کا احساس ہو رہا تھا۔ روہنی کرسی پر سے اٹھ کر بیڈ روم کی کھڑکی کے پاس گئی۔ باہر جھانک کر دیکھا اور میرے پاس آ کر کہنے لگی۔ ''اب تم اطمینان سے سو جاؤ۔ میں فلیٹ کے اوپر اور باہر چل پھر کر تمہاری حفاظت کروں گی۔''

روہنی بیڈ روم کے بند دروازے میں سے نکل گئی۔ اُس کے جانے کے بعد میں نے باتھ روم میں جا کر وضو کیا۔ اس کے بعد واپس آ کر دو نفل شکرانے کے ادا کئے اور پانچ دفعہ کلمہ پاک پڑھ کر پلنگ پر لیٹ گیا اور خدا سے اپنے گناہوں کی بخشش کی دعائیں مانگتا مانگتا گہری نیند سو گیا۔

O

صبح مجھے جمشید نے آکر جگایا۔ کہنے لگا۔ ”کیا بات ہے۔ رات دیر سے سوئے تھے؟ اٹھو دن کے دس بج رہے ہیں۔ نیچے آؤ میں نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔“

میں جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ باتھ روم میں جاکر منہ ہاتھ دھویا اور نیچے ناشتہ کرنے آگیا۔ میں نے نیچے آکر اِدھر اُدھر دیکھا۔ مجھے روہنی کہیں نظر نہ آئی۔ میں اور جمشید بازار کی طرف والے چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگے۔ جمشید کہنے لگا۔ ”فیروز! جب سے تم گئے ہو میں بھی شکار پر نہیں گیا۔ اب تم آگئے ہو تو کیا خیال ہے کسی روز شکار کھیلنے نہ چلیں؟“

میں نے کہا۔ ”مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ پروگرام بنالو۔ چلے چلیں گے میں نے بھی ایک مدت سے شکار نہیں کھیلا.....“

کمرے کی کھڑکی کھلی تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں چائے کی پیالی ہاتھ میں لے کر کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا اور نیچے سڑک پر بمبئی شہر کی ٹریفک کو دیکھنے لگا۔ اصل میں، میں روہنی کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ابھی تک مجھے کہیں دکھائی نہیں دی تھی۔

جمشید ابھی تک ناشتے کی میز پر ہی بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔ اُس نے مجھے آواز دے کر کہا۔ ”فیروز! یار میرے ساتھ چائے کی دوسری پیالی ہی پی لو۔ تم بڑی جلدی ناشتہ کرتے ہو۔“

میں ناشتے کی ٹیبل پر آکر بیٹھ گیا اور اپنے لئے چائے کی دوسری پیالی بنانے لگا۔

بمبئی کا علاقہ مرطوب علاقہ ہے۔ وہاں بارشیں بہت ہوتی ہیں اس لئے اس علاقے میں چائے بہت پی جاتی ہے۔ آدمی چائے نہ پئے تو جسم ٹوٹنے لگتا ہے۔ مرطوب آب و ہوا آدمی کو سست بنا دیتی ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے تمام مشرقی اور مغربی ساحل کے شہروں میں چائے کا بہت رواج ہے۔ جنوبی ہندوستان میں موسم اور زیادہ گرم مرطوب ہو جاتا ہے کیونکہ وہاں بارشیں بہت ہوتی ہیں چنانچہ بنگلور، مدراس اور دوسرے جنوبی شہروں میں کافی بہت زیادہ پی جاتی ہے۔ وہاں چائے کی نسبت کافی کا رواج عام ہے۔

میں چائے کی دوسری پیالی کا ایک ایک گھونٹ پی رہا تھا اور کمرے میں اِدھر اُدھر بھی دیکھ لیتا تھا۔ میں حیران تھا کہ روہنی ابھی تک کیوں نہیں دکھائی دی۔ میرے اِدھر اُدھر بار بار دیکھنے کو جمشید نے نوٹ کر لیا اور پوچھنے لگا۔ ”تم اِدھر اُدھر کیا دیکھ رہے ہو؟“

میں نے کہا۔ ”کچھ نہیں۔ ویسے ہی دیکھ رہا ہوں۔“

اتنے میں مجھے روہنی دروازے میں سے کمرے میں داخل ہوتی نظر آئی۔ روہنی کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے ایسا ہوتا تھا کہ میں تو اس کی آواز سن لیتا تھا مگر وہاں پر موجود کوئی دوسرا آدمی اُس کی آواز نہیں سن سکتا تھا۔ روہنی کو دیکھ کر میرے منہ سے بے اختیار نکلنے ہی لگا کہ تم کہاں تھیں مگر میں جلدی سے سنبھل گیا کہ جمشید نے سن لیا تو وہ حیران ہو کر پوچھے گا کہ تم کس سے مخاطب ہو۔ روہنی سیدھی میرے پاس آکر میرے پاس جو کرسی تھی اُس پر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔ ”میں علاقے میں بدروحوں کی سراغ رسانی کرتی ذرا دور نکل گئی تھی۔ تم پریشان تو نہیں ہوئے؟“

اب میرے منہ سے نکل گیا۔ ”تھوڑا پریشان تو ضرور تھا۔“

میرا جملہ جمشید نے سن لیا۔ وہ میرے سامنے بیٹھا تھا۔ اُس نے تو سننا ہی تھا۔ تعجب سے میری طرف دیکھ کر بولا۔ ”تم کس لئے پریشان تھے فیروز؟“

میں نے جلدی سے سنبھل کر کہا۔ ''وہ میں... میرا مطلب ہے کہ میں نے بمبئی میں داخل ہونے کے بعد علاقے کے تھانے میں رپورٹ نہیں کی تھی۔ بس اسی لئے پریشان تھا۔''

جمشید کہنے لگا۔ ''کوئی بات نہیں۔ تم ابھی میرے ساتھ پولیس سٹیشن چلے چلو۔ تھانیدار میرا دوست ہے۔ میں خود تمہاری آمد درج کروادوں گا۔''

میں نے جلدی سے کہا۔ ''نہیں نہیں۔ تمہیں ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اکیلا ہی چلا جاؤں گا۔''

یہ میں نے اس لئے کہا تھا کہ میرے پاس نہ تو کوئی پاسپورٹ تھا اور نہ میرا کوئی ویزا لگا ہوا تھا۔ میں کیا لے کر جمشید کے ساتھ تھانے جاؤں گا۔ مگر جمشید میرے پیچھے پڑ گیا۔ وہ بھی سچا تھا۔ کہنے لگا۔ ''تمہارا پولیس سٹیشن رپورٹ کرنا بہت ضروری تھا۔ تم نے پہلے ہی دیر کر دی ہے اکیلے گئے تو تھانیدار قانون کی خلاف ورزی کے جرم میں ممکن ہے تمہیں پاکستانی جاسوس سمجھ کر پکڑ لے اور اس طرح سے مجھ پر بھی کوئی مصیبت نازل ہو سکتی ہے۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ میں خود تمہیں لے کر تھانے جاؤں گا۔''

میں خوامخواہ کی مشکل میں پھنس گیا تھا۔ میں نے روہنی کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ کہنے لگی۔ ''فکر کیوں کرتے ہو۔ میں تمہیں تمہارا پاسپورٹ بھی لا دوں گی جس پر بمبئی کا ایک مہینے کا ویزا بھی لگا ہوا ہو گا۔''

جمشید پیالی رکھ کر اٹھتے ہوئے بولا۔ ''جلدی سے کپڑے بدل کر نیچے آ جاؤ۔ پولیس سٹیشن نزدیک ہی ہے۔ میں تھانیدار کو فون کر دیتا ہوں کہ ہم آ رہے ہیں۔''

یہ کہہ کر جمشید نیچے چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد میں نے کہا۔ ''میں خوامخواہ بول پڑا۔ اب تھانے کا چکر لگانا پڑے گا۔''

روہنی نے کہا۔ ''کوئی بات نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔''

میں نے پوچھا۔ ''میرا پاسپورٹ تم کہاں سے لاؤ گی؟''

اُس نے کہا۔ ''وہ سامنے والی الماری کا نچلا دراز کھول کر دیکھو۔ ایک لفافے میں تمہارا پاسپورٹ موجود ہے۔''

میں اُٹھ کر الماری کے پاس گیا۔ اُس کے نچلے دراز کو کھولا تو اندر بھورے رنگ کا ایک لفافہ پڑا تھا۔ لفافہ لے کر میں روہنی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اسے کھول کر دیکھا تو اس میں ایک پاکستانی پاسپورٹ تھا۔ پاسپورٹ پر میری فوٹو بھی لگی ہوئی تھی اور اُس کے نیچے میرا پورا نام فیروز دین اور ولدیت بھی لکھی ہوئی تھی۔ میں نے ورق الٹ کر دیکھا۔ ایک ورق پر باقاعدہ بمبئی کا ویزا لگا ہوا تھا اور ساتھ پاکستان میں انڈیا کے ہائی کمشنر کے ویزا آفس کی مہر بھی لگی ہوئی تھی۔

میں نے مسکرا کر روہنی کی طرف دیکھا۔ ''یہ تم کہاں سے لائی ہو؟''

روہنی نے کہا۔ ''یہ مت پوچھو کہ میں یہ کہاں سے لائی ہوں اور یہ کہاں سے آیا ہے۔ اتنا میں تمہیں ضرور بتانا چاہوں گی کہ یہ جعلی پاسپورٹ نہیں ہے بالکل اصلی پاکستانی پاسپورٹ ہے اور یہ بھی سن لو کہ جب تمہاری بمبئی میں قیام کی مدت ختم ہو جائے گی یا جس دن تمہیں میرے ساتھ یہاں سے واپس جانا ہو گا یہ پاسپورٹ اپنے آپ غائب ہو جائے گا۔''

نیچے سے نوکر نے آ کر کہا۔ ''فیروز بابو.... مالک نیچے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

میں نے پاسپورٹ کو لفافے میں ڈالا۔ لفافہ اپنی پتلون کی جیب میں رکھا اور دوسری بش شرٹ پہن کر نیچے آ گیا۔ روہنی بھی میرے ساتھ ہی نیچے آ گئی۔ جمشید اپنی پرانی کھٹارا جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر بولا۔ ''آ جاؤ یار۔''

میں جیپ میں اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا اور جیپ پولیس سٹیشن کی طرف

روانہ ہو گئی۔ جیپ کی چھت نہیں تھی۔ میں نے سر اٹھا کر اوپر کو دیکھا مجھے روحی جیپ کے اوپر ساتھ ساتھ اُڑتی دکھائی دی۔ مجھے اطمینان ہو گیا۔ ہم پولیس سٹیشن پہنچ گئے۔ تھانیدار ہندو مرہٹہ تھا اور اُس کے دفتر کے باہر اے آر کھانڈیکر کی تختی لگی تھی۔ وہ بڑے تپاک سے جمشید کو ملا اور بولا۔ "سیٹھ! آج کیسے آنا ہو گیا۔ بیٹھو۔ بیٹھو۔"

جمشید نے کہا۔ "کھانڈیکر صاحب! یہ میرا دوست ہے۔ اس کا نام فیروز ہے۔ یہ پاکستان سے خاص طور پر ویزا لے کر مجھ سے ملنے آیا ہے۔"

مرہٹہ تھانیدار نے کہا۔ "بات کیا ہے بولو۔ کیا اس کی جیب کٹ گئی ہے بمبئی میں؟"

جمشید نے کہا۔ "ارے نہیں کھانڈیکر بابو! آپ کے ہوتے ہوئے علاقے میں ایسے جرائم بھلا کبھی ہو سکتے ہیں۔"

"پھر کیا بات ہے؟" تھانیدار نے پوچھا۔

تب جمشید نے تھانیدار کو بتایا کہ میرے دوست سے ایک غلطی ہو گئی ہے کہ اُس نے بمبئی میں آنے کے فوراً بعد پولیس سٹیشن رپورٹ نہیں کی تھی۔

تھانیدار نے اب مجھے گھورتے ہوئے دیکھا اور پوچھا۔ "تم بمبئی کس روز انٹر ہوئے تھے؟"

میں نے کہا۔ "ایک دن پہلے انٹر ہوا تھا سر! بس رپورٹ کرنا یاد نہیں رہا۔ آئی ایم ویری سوری سر!"

تھانیدار نے کہا۔ "اپنا پاسپورٹ دکھاؤ۔"

میں نے پاسپورٹ دے دیا۔ تھانیدار دیر تک پاسپورٹ کے ورق الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر اس ورق کو بڑے غور سے دیکھا جس پر میرا ویزا لگا ہوا تھا اور ساتھ ہی بھارتی ہائی کمشنر کی مہر لگی ہوئی تھی۔

تھانیدار نے پاسپورٹ مجھے واپس دیتے ہوئے جمشید سے کہا۔ "سیٹھ! پاسپورٹ تو تمہارے دوست کا ایک دم ٹھیک ہے۔ ویزا بھی ٹھیک لگا ہوا ہے۔ مگر اسے آتے ہی تھانے میں رپورٹ کرنی چاہئے تھی۔ اس نے ایسا نہیں کیا اس لئے مجھے قانونی کارروائی پوری کرنی ہو گی۔"

جمشید نے تشویش کے ساتھ پوچھا۔ "کس قسم کی کارروائی کھانڈیکر بابو!"

تھانیدار نے ہنس کر کہا۔ "ارے سیٹھ! گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہارے دوست کو صرف اپنا پاکستانی شناختی کارڈ دکھانا ہو گا۔"

پھر تھانیدار نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "پلیز! اپنا شناختی کارڈ دکھاؤ۔"

شناختی کارڈ میرے پاس کہاں سے آتا۔ میں نے کہہ دیا۔ "سر! پاسپورٹ پر میرے شناختی کارڈ کی کاپی لگی ہوئی ہے۔"

تھانیدار نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔ "وہ تو میں نے دیکھ لی۔ میں اوریجنل شناختی کارڈ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

پاکستان سے جو لوگ ویزا لے کر انڈیا جاتے تھے ان کے پاس ان کے شناختی کارڈ کا ہونا ضروری ہوتا تھا۔ میرے منہ سے نکل گیا۔ "سر! شناختی کارڈ تو میرے پاس نہیں ہے۔"

تھانیدار نے حیران ہو کر کہا۔ "دوسرے ملک سے جو کوئی غیر ملکی انڈیا میں آتا ہے اس کے پاس اس کا شناختی کارڈ ہونا چاہئے۔ یہ قانون ہے۔ تمہارے پاس تمہارا شناختی کارڈ کیوں نہیں ہے؟"

روحی میرے قریب ہی تھی۔ اُس نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا کہہ دیا تم نے؟ تمہارا شناختی کارڈ میرے پاس موجود ہے۔ اپنی پتلون کی پچھلی جیب میں دیکھو۔"

میں نے جلدی سے کہا۔ "آئی ایم سوری سر! میں بھول گیا تھا کہ شناختی کارڈ تو

میں اپنے ساتھ لے کر چلا تھا۔ ابھی دکھاتا ہوں سر!"

میں نے پتلون کی دو جیبیں محض دکھانے کے لئے ٹٹولیں اور پھر پچھلی جیب میں ہاتھ ڈالا تو میری انگلیاں کسی چیز سے ٹکرائیں۔ میں نے اسے باہر نکالا۔ یہ میرا پاکستانی شناختی کارڈ تھا۔ شناختی کارڈ دیکھ کر میرے دوست جمشید نے بھی اطمینان کا سانس لیا ورنہ وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔ میں نے شناختی کارڈ تھانیدار کے حوالے کر دیا۔ اس نے شناختی کارڈ کو بڑے غور سے الٹ پلٹ کر دیکھا اور بولا۔ "بالکل ٹھیک ہے۔"

تھانیدار نے ایک رجسٹر منگوا کر اس پر میرا نام، پتہ، پاسپورٹ نمبر اور تاریخ درج کی اور بولا۔ "آئندہ آپ بھارت آئیں تو اسی روز تھانے میں رپورٹ کرنا نہ بھولیں۔"

جمشید نے کہا۔ "کھانڈیکر بابو! اب آیا تو میں اسی وقت اسے آپ کے پاس لے آؤں گا۔"

روہنی نے مجھ سے کہا۔ "یہ معاملہ بھی طے ہو گیا۔ اچھا ہوا۔"

میں نے کہا۔ "ہاں بڑا اچھا ہوا۔"

جمشید نے میری طرف کچھ چونک کر دیکھا اور بولا۔ "ہاں.... بڑا اچھا ہو گیا ہے۔ چلو واپس چلتے ہیں۔"

جمشید نے کھانڈیکر تھانیدار کو نمستے کیا اور ہم جیپ میں بیٹھ کر واپس فلیٹ پر آ گئے۔ دوسرے دن شکار کا پروگرام بن گیا۔ روہنی کو میرے شکار کے پروگرام کا علم ہوا تو کہنے لگی۔ "میرا دل نہیں مانتا کہ تم شکار پر جاؤ۔"

"کیوں؟" میں نے کہا۔ "اس میں کیا برائی ہے؟"

وہ بولی۔ "جنگل میں بدروحوں اور آسیب کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "سلطانہ! اب اگر مجھے یہاں رہنا ہے تو میں بالکل پتھر کا بت بن کر تو

یہاں نہیں رہ سکتا۔ کچھ سیر و تفریح بھی کرنی ہوتی ہے اور پھر ہم دونوں شروع ہی سے شکار کے شوقین رہے ہیں۔"

روہنی نے کہا۔ "اور شاید تم بھولے نہیں کہ اسی شکار کے شوق نے تمہیں اس مصیبت میں پھنسا دیا تھا جس میں تم ابھی تک پھنسے ہوئے ہو۔ نہ تم شکار پر جنگل میں جاتے، نہ وہاں تمہیں بارش کی طوفانی رات میں پرانے قلعے میں پناہ لینی پڑتی اور نہ تمہارے سامنے وہ قتل کی واردات دہرائی جاتی جس کے بعد تم میری بدروح کو آزاد کر کے آج تک اس کی سزا بھگت رہے ہو۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "سلطانہ! مقدر میں جو لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ اور پھر میں سمجھتا ہوں کہ قدرت نے میرے ہاتھوں یہ کام کروانا تھا کہ میں تمہاری بدروح کو مرتبان سے نکال کر آزاد کر دوں تا کہ تم پچھتاوے اور ملال کے ایک طویل مرحلے سے گزر کر قدرت خداوندی سے معافی حاصل کر سکو۔"

روہنی خاموش ہو گئی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے کہا۔ "اور پھر تم بھی تو میرے ساتھ ہو گی۔ تم ایک اچھی روح ہو۔ تمہیں کئی باتوں کا پہلے سے علم ہو جاتا ہو گا۔ تم مجھے کسی بھی خطرے سے پہلے ہی خبردار کر سکتی ہو۔"

روہنی کہنے لگی۔ "یہ تمہیں کس نے کہا کہ روحوں کو پہلے سے کئی باتوں کا علم ہو جاتا ہے۔ جس طرح بعض آدمیوں کی چھٹی حس بڑی تیز ہوتی ہے اور انہیں کسی آنے والے خطرے کا سگنل موصول ہو جاتا ہے اسی طرح ایک اچھی روح کو بھی کبھی کبھی کسی خطرے کی بات کا احساس ہو جاتا ہے لیکن کسی چیز کا تفصیل سے علم ہو جانا ایسا نہیں ہوتا۔ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ ہاں وہ اپنی رحمت سے کسی نیک روح کو تھوڑا سا یہ وصف دے دے یہ الگ بات ہے لیکن اس نیک روح پر واجب بلکہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ قدرت کے دیئے ہوئے اس عطیئے کو بے جا استعمال نہ کرے۔"

میں نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ تمہیں خطرے کا احساس تو ہو سکتا ہے نا؟''
''ہاں۔ تھوڑا تھوڑا۔ پیشگی احساس ہو سکتا ہے۔'' روہنی نے جواب دیا۔
میں نے کہا۔ ''تو پھر میں شکار پر جانے سے کیوں ڈروں؟ اگر کہیں کوئی ایسی ویسی بات ہونے والی ہو گی تو تم مجھے خبر کر دینا میں اسی وقت شکار سے واپس آ جاؤں گا۔''
روہنی کہنے لگی۔ ''پھر بھی میرا دل نہیں مانتا کہ تم شکار کھیلنے جنگل میں جاؤ۔''
میں ہنس پڑا۔ ''سلطانہ! کبھی کبھی تم بالکل بچوں کی طرح ضد کرنے لگتی ہو۔''
وہ بولی۔ ''کیا کروں۔ یہ میری تم سے محبت ہے جس کے ہاتھوں مجبور ہو جاتی ہوں۔ بس اس دنیا کی یہی ایک کمزوری میرے ساتھ رہ گئی ہے۔''
میں نے اور جمشید نے شکار کی تیاریاں شروع کر دیں۔ بندوقیں، رائفلیں صاف کر کے انہیں آئیل وغیرہ دیا گیا۔ جمشید کے تین ملازم عبدل وغیرہ بھی ہمارے ساتھ شکار پر جا رہے تھے۔ وہ ہمیشہ شکار پر ساتھ جاتے تھے۔ عبدل شکار کا گوشت بڑا اچھا پکاتا تھا اور بندوق کا نشانہ بھی بڑا اچھا لگاتا تھا۔
آخر ایک دن ہم دو جیپوں میں شکار کا ساز و سامان رکھ کر شکار پر روانہ ہو گئے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں ہم بمبئی کے قریبی جنگل میں ہی شکار کھیلنے جایا کرتے تھے۔ یہ جنگل ہمارے دیکھے بھالے تھے۔ بمبئی سے ہم دن کے وقت ناشتہ کر کے نکلے تھے۔ دوپہر کے وقت ہم بمبئی سے سوڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر واقع ایک بہت بڑے اور گھنے جنگل میں پہنچ گئے۔ اس جنگل میں ہرن، چیتل اور نیل گائے کا شکار بہت ملتا تھا۔ کبھی کبھی کوئی شیر چیتا بھی اس جنگل میں آ نکلتا تھا مگر شیر اور چیتے عام طور پر اس جنگل کے بہت آگے جہاں دریا بہتا تھا وہاں ہی رہتے تھے۔
ہم نے گھنے جنگل میں ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ عبدل دو تین جنگلی مرغیاں شکار کر کے لے آیا۔ انہیں بھون کر پکایا اور ہم نے انہیں کھا کر کچھ دیر آرام کیا اور شام ہونے سے کچھ دیر پہلے جنگل میں شکار کے لئے نکل پڑے۔ ہرنوں کی ڈاریں عام طور

پر شام کے وقت تالابوں پر پانی پینے آتی تھیں مگر اس روز وہاں کوئی ہرن دکھائی نہ دیا۔ میں نے جمشید سے کہا۔ ''آج یہ ہرن کس طرف پانی پینے نکل گئے ہیں؟''
وہ کہنے لگا۔ ''میں بھی پہلی بار دیکھ رہا ہوں کہ تالاب پر ایک بھی ہرن نہیں ہے۔ چلو آگے چلتے ہیں۔''
جنگل میں اس جگہ دو تین چھوٹے بڑے تالاب تھے۔ ہم دوسرے تالاب پر گئے۔ وہاں بھی کوئی ہرن یا چیتل نہ ملا۔ اسی طرح تیسرا تالاب بھی خالی پڑا تھا۔ جمشید بولا۔ ''میں اپنی شکاری زندگی میں پہلی بار یہ بات دیکھ رہا ہوں کہ شام کے وقت تالاب پر ایک بھی ہرن نہیں ہے۔''
میں نے کہا۔ ''کہیں ہرن ڈر کر اس جنگل سے فرار تو نہیں ہو گئے؟''
جمشید نے کہا۔ ''ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ ہرن کو صرف شیر کا ہی ڈر ہوتا ہے لیکن شیر سے ڈر کر آج تک کوئی ہرن جنگل چھوڑ کر جاتا نہیں دیکھا، نہ کبھی سنا ہی ہے۔''
''پھر ہرن کہاں چلے گئے؟'' میں نے پوچھا۔
جمشید بولا۔ ''یہ معمہ میری سمجھ سے باہر ہے۔''
روہنی اس وقت ہمارے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اگر وہ مجھ سے کوئی بات کرے گی تو اس کی آواز میرے سوا اور کوئی نہیں سن سکے گا۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''شیروان! مجھے اس جنگل میں کسی آسیب کی بو محسوس ہو رہی ہے۔ شاید ہرن اس آسیب کی بو پا کر ہی یہاں سے بھاگ گئے ہیں۔''
میں نے کہا۔ ''کیا جانور بھی آسیب اور بدروحوں سے ڈرتے ہیں؟''
میرا یہ جملہ جمشید نے سن لیا تھا۔ وہ یہ سمجھا کہ یہ بات میں نے اس سے مخاطب ہو کر کہی ہے۔ کہنے لگا۔ ''میرا خیال ہے جانوروں کو کسی بدروح کا سب سے پہلے احساس ہو جاتا ہے۔ مگر تمہیں بدروں کا خیال کہاں سے آ گیا؟''
مجھے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا کہ مجھے روہنی کی بات کے جواب خاموش رہنا

چاہئے تھا۔ میں نے روہنی کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ میں نے جمشید سے کہا۔ ''یونہی خیال آگیا تھا۔ جنگل میں سنا ہے آسیب اور بدروحیں راتوں کو گھومتی پھرتی رہتی ہیں۔''

جمشید بولا۔ ''میں ان باتوں کو نہیں مانتا۔ چلو واپس چلتے ہیں۔ صبح کے وقت نکلیں گے اس وقت پرندوں کا شکار بھی بہت مل جائے گا۔''

ہم اپنے پڑاؤ پر واپس آگئے۔ ہم نے ایک چھوٹا سا خیمہ لگا رکھا تھا۔ خیمے کے آگے ہم نے آگ کا الاؤ روشن کر لیا۔ اس کے دو فائدے تھے ایک فائدہ تو یہ تھا کہ آگ کے دھوئیں سے ہمیں مچھروں سے نجات مل جاتی تھی اور دوسرا فائدہ یہ تھا کہ آگ کی وجہ سے کوئی جنگلی درندہ اُس طرف نہیں آتا تھا۔

وہیں ہم نے رات کا کھانا کھایا۔ عبدل نے چائے بنا دی۔ ہم چائے پینے اور باتیں کرنے لگے۔ روہنی ہمارے خیمے کے آس پاس پھر رہی تھی جیسے میری دیکھ بھال کر رہی ہو۔ جب رات کافی گہری ہو گئی تو جمشید بولا۔ ''یار! مجھے تو نیند آ رہی ہے۔ میں سونے چلا۔''

وہ خیمے میں سونے چلا گیا۔ عبدل بھی برتن وغیرہ سمیٹ کر ایک درخت کے نیچے جا کر لیٹ گیا۔ ایک نوکر الاؤ کے قریب بندوق لے کر رات کی چوکیداری کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔ آدھی رات تک اسے پہرہ دینا تھا اس کے بعد اس کی جگہ دوسرے نوکر کو لینی تھی۔

میں خیمے کے باہر لکڑی کے سٹول پر بیٹھا روہنی یعنی سلطانہ کی نیک روح کو دیکھ رہا تھا کہ وہ کس طرح سے چوکس ہو کر میری خبر گیری کر رہی ہے۔ اُس نے بھی جب مجھے اکیلا دیکھا تو میرے پاس آگئی۔ میں نے پوچھا۔ ''اب بھی تمہیں یہاں کسی بدروح کی بو محسوس ہو رہی ہے؟''

روہنی نے کہا۔ ''نہیں۔ اب بو محسوس نہیں ہو رہی۔ مگر کوئی بری روح یہاں

ضرور آئی تھی ورنہ مجھے اس کی بو کبھی نہ آتی۔''

میں نے کہا۔ ''جنگل میں تو ہر قسم کی بری روحیں گھومتی پھرتی رہتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کوئی بری روح آئی ہو اور تمہیں دیکھ کر فرار ہو گئی ہو۔''

وہ بولی۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن ہمیں ہوشیار ہو کر رہنا چاہئے۔ اگر یہ بدروح یہاں آگئی تھی تو نتالیا کا آسیب اور رگھو پجاری کی بدروح بھی یہاں آسکتی ہے۔''

''مگر میرے پاس تم ہو اور پھر میرے ہاتھ میں شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی ہے اور میرے بازو پر اللہ کے پاک نام کا تعویذ بندھا ہوا ہے۔ مجھے کس بات کا ڈر ہے۔''

میری اس بات کے جواب میں روہنی کہنے لگی۔ ''ڈر تمہیں صرف خدا کا ہونا چاہئے۔ اگر انسان کے دل میں صرف خدا کا ڈر ہو تو پھر وہ دوسرے ہر ڈر خوف سے اپنے آپ نجات پا لیتا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں تو خیمے میں سونے جا رہا ہوں۔ تم کہاں جاؤ گی سلطانہ؟''

سلطانہ یعنی روہنی نے کہا۔ ''میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ تم سو جاؤ میں تمہاری رکھوالی کروں گی۔''

میں خیمے میں جا کر دری پر لیٹ گیا۔ ایک طرف جمشید سویا ہوا تھا اور خراٹے لے رہا تھا۔ میں جنگل میں سارا دن پھر پھر کر تھک گیا تھا۔ لیٹتے ہی گہری نیند میں کھو گیا۔ مجھے کوئی خبر نہیں کہ میں کب تک سویا رہا۔ پھر اچانک کسی نے مجھے زور سے ہلایا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ روہنی میرے اوپر جھکی ہوئی کہہ رہی تھی۔ ''جلدی سے میرے ساتھ باہر چلو۔''

میں جلدی سے روہنی کے ساتھ خیمے سے باہر آگیا۔ باہر الاؤ کی آگ مدھم پڑ

چکی تھی۔ اس کے پاس جو ملازم پہرہ دینے بیٹھا تھا وہ بھی وہیں لیٹ کر سو چکا تھا۔ روہنی مجھے خیمے سے کچھ دور ایک تالاب کے پاس لے گئی اور کہنے لگی۔ ''یہاں جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھ جاؤ۔''

میں جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ روہنی تیزی سے پرواز کرتی تالاب کی طرف گئی۔ رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ جنگل پر سناٹا چھایا ہوا تھا مگر روہنی مجھے دکھائی دے رہی تھی۔ اُس نے بڑی تیزی سے تالاب کے اوپر ایک چکر لگایا اور پھر اسی تیزی سے میرے پاس آگئی۔ میں نے آہستہ سے پوچھا۔ ''کیا بات ہوئی ہے سلطانہ؟''

سلطانہ نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ سر اٹھائے تالاب کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں تالاب کی طرف سے جنگل کے سناٹے میں ایک ایسی آواز آئی جیسے کوئی کسی کا گلا دبا رہا ہو اور اس کے گلے میں سے غرغراہٹ کی آوازیں نکل رہی ہوں۔

یہ آوازیں بڑی ڈراؤنی تھیں۔ آوازیں دور سے آرہی تھیں۔ پھر یہ قریب سے سنائی دینے لگیں۔ روہنی ایک دم سے تالاب کی طرف پرواز کر گئی۔ جیسے ہی وہ تالاب کے قریب پہنچی ڈراؤنی آوازیں دور ہوتے ہوتے غائب ہو گئیں۔ میں روہنی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ تالاب کے اوپر مسلسل دائرے کی شکل میں چکر لگا رہی تھی۔ ایک دو منٹ تک وہ چکر لگاتی رہی پھر وہ واپس میرے پاس آگئی اور کہنے لگی۔ ''میرے ساتھ واپس چلو۔''

ہم خیمے کے باہر الاؤ کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ میں نے کہا۔ ''کیا یہ نتالیا کا آسیب تھا؟''

روہنی نے کہا۔ ''اس کے سوائے اور کون ہو سکتا ہے؟ وہ تمہاری تلاش میں آیا تھا مگر مجھے آس پاس دیکھ کر دفع ہو گیا۔''

میں نے پوچھا۔ ''سلطانہ! جب میرے بازو پر اللہ کے پاک نام کا تعویذ بندھا ہے اور میرے ہاتھ میں شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی ہے پھر تم میری اتنی فکر کیوں کرتی ہو؟ یہ آسیب تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

روہنی نے کہا۔ ''شیروان! تم شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی پر اتنا بھروسہ نہ کرو۔ یہ مہرہ کسی بھی وقت تمہیں دھوکا دے سکتا ہے۔ اس آسیب اور بدروحوں سے اگر کوئی طاقت تمہیں بچا سکتی ہے تو وہ اللہ کے پاک نام والا تعویذ ہی ہے۔ تم اس پر بھروسہ کر سکتے ہو۔ اس کے باوجود تمہیں غافل نہیں ہونا چاہئے۔ رگھو اور نتالیا کا آسیب جمشید کے کسی نوکر کے ذہن کو اپنے قبضے میں کر کے اسے حکم دے سکتا ہے کہ وہ تمہارے بازو سے تعویذ اتار کر لے آئے۔''

مجھے تشویش سی لگ گئی۔ واقعی اگر ایسا ہو گیا اور سوتے میں کسی نے میرے بازو پر سے تعویذ اُتار لیا یا میری انگلی سے انگوٹھی اُتار لی تو میں کیا کروں گا۔ روہنی کا تو یہ بدروحیں کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی کیونکہ وہ ان کی منحوس دنیا سے نکل آئی ہے بلکہ بدروحیں تو اس کے قریب بھی نہیں آئیں گی لیکن میں روح نہیں ہوں۔ میں تو ایک عام کمزوریوں والا گناہ گار انسان ہوں مجھے تو یہ بدروحیں ایک سیکنڈ میں اپنے قبضے میں کر لیں گے۔ لیکن میں نے اللہ کے خیال اور اس پر ایمان کی طاقت سے اپنے دل کو مضبوط کیا اور روہنی سے کہا۔ ''سلطانہ! مجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے۔ میرا اپنے خدا پر ایمان ہے۔ بدی کی شیطانی طاقتیں مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتیں۔ اس کے باوجود میں تمہاری ہدایات پر عمل کروں گا اور ہر وقت اپنے دشمنوں سے ہوشیار رہوں گا۔''

O

ہم تین دن تک جنگل میں شکار کھیلتے رہے۔ اس دوران روہنی میرے ساتھ رہ کر میری حفاظت کرتی رہی۔ پھر ہم واپس بمبئی آ گئے۔ بمبئی آنے کے بعد روہنی نے مجھے کہا۔ ''شیروان! تمہیں اکیلا چھوڑ کر جانے کو میرا دل تو نہیں چاہتا لیکن میرا جانا بھی بڑا ضروری ہے۔ ہمارے دشمن پجاری رگھو اور نتالیا کا آسیب ہمارے خلاف ضرور کوئی خطرناک منصوبہ بندی کر رہے ہوں گے۔ ہمیں اُن سے بے خبر نہیں رہنا چاہئے۔ میں پتہ لگانا چاہتی ہوں کہ وہ ہمارے خلاف کیا سازشیں کر رہے ہیں اور کیا چال چلنے والے ہیں تاکہ ہم پہلے سے اس کا دفاع سوچ لیں۔''

''مگر تم کہاں جاؤ گی؟'' میں نے روہنی سے پوچھا۔

وہ کہنے لگی۔ ''یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ لیکن اتنا تم یقین رکھو کہ مجھے کچھ نہیں ہوگا اور میں اپنے اور تمہارے دشمنوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر کے ہی آؤں گی۔''

میں نے اُس سے پوچھا۔ ''کیا میں اس جگہ تمہارا انتظار کروں؟''

اس نے کہا۔ ''اس سے محفوظ جگہ میرے خیال میں تمہارے لئے اور کوئی نہیں ہے۔ تم بالکل فکر نہ کرنا۔ میں درمیان میں آ کر تم سے ملتی رہوں گی اور تمہاری خیریت معلوم کرتی رہوں گی۔ لیکن ایک بات کا خاص خیال رکھنا اور وہ یہ کہ اپنے بازو سے اللہ کے پاک نام والا تعویذ کسی حالت میں بھی اپنے سے الگ نہ کرنا۔''

میں نے کہا۔ ''میں اسے کبھی اپنے سے جدا نہیں کروں گا۔ تم بے فکر رہو۔''

روہنی نے کہا۔ ''اب میں جا رہی ہوں۔ بہت جلد میں اپنے دشمنوں کے ناپاک

عزائم کا سراغ لگا کر واپس آ جاؤں گی۔''

اور روہنی یعنی سلطانہ غائب ہو گئی۔

بمبئی میں مجھے اپنے دوست جمشید کے پاس رہتے ہوئے روہنی کے جانے کے بعد مزید ایک ہفتہ گزر گیا۔ ایک دن جمشید مجھے کہنے لگا۔ ''فیروز! تمہارے ویزے کی مدت ایک ماہ ہے۔ اس میں باقی دس گیارہ دن ہی رہ گئے ہیں۔ بمبئی میں کئی تاریخی مقامات ایسے ہیں جو تم نے ابھی تک نہیں دیکھے۔ ان میں ایلورا کے قدیم غار بھی ہیں۔

میں نے کہا۔ ''ہاں یار! میں نے ان کا نام تو سنا ہوا ہے۔ ان غاروں میں کیا ہے؟''

جمشید نے کہا۔ ''ان غاروں کی تاریخ یہ ہے کہ جب ہندوستان میں مہاتما گوتم بدھ کا بدھ مت بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا تو یہاں کے ہندو دھرم کے برہمنوں کو بڑی تشویش ہوئی کہ اگر بدھ مت اسی طرح پھیلتا چلا گیا تو ان کا ہندو مت ختم ہو کر رہ جائے گا۔ مگر برہمن کچھ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ہندوستان میں راجہ اشوک کی حکومت تھی جو بدھ مت کا ماننے والا تھا اور جس کی وجہ سے بدھ مت کو بڑا فروغ مل رہا تھا۔ لیکن بادشاہ اور راجا ہمیشہ حکومت نہیں کرتے رہتے۔ ایک نہ ایک دن وہ مر جاتے ہیں۔ چنانچہ راجہ اشوک بھی انتقال کر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے برہمن سیناپتی نے تخت پر قبضہ کر لیا اور بدھ مت کی جگہ ہندو مت کو سرکاری مذہب بنا لیا۔ اس کے ساتھ ہی برہمن ازم کو ایک بار پھر عروج حاصل ہونا شروع ہو گیا۔ برہمن نواز ہندو سیناپتی راجہ کے حکم سے ملک میں سے بدھ مت کی تمام نشانیاں مٹا دی گئیں۔ بدھ مت والوں کی تمام خانقاہیں اور عبادت گاہیں مسمار کر دی گئیں اور بدھ راہبوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ کئی راہبوں کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیا گیا۔ سینکڑوں کی تعداد میں بدھ راہب جنہیں بھکشو کہتے ہیں ملک سے فرار ہو گئے اور انہوں نے سری لنکا اور ہند چینی اور تبت میں جا کر پناہ لی۔ کچھ بدھ راہب ایسے تھے کہ

جن کے دل میں خیال آیا کہ انہیں ہندوستان سے فرار نہیں ہونا چاہئے۔ اس طرح سے تو ہندوستان میں بدھ مذہب کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا وہ سرِ عام اپنے مذہب کی اشاعت تو کر نہیں سکتے تھے انہوں نے کیا کیا کہ بمبئی کے قریب سمندر میں پہاڑی غاروں میں جا کر چھپ گئے۔ ان غاروں میں انہوں نے گوتم بدھ کی زندگی کے مختلف واقعات اور اس کے اصولوں کو غار کی دیواروں کے پتھروں پر تراش کر لکھنا شروع کر دیا۔ کہتے ہیں کہ مہاتما گوتم بدھ کے یہ جان نثار بھکشو گیارہ برس تک ان غاروں میں رہے اور اس دوران انہوں نے غاروں کی دیواروں پر مہاتما بدھ کے کئی یادگار بت تراشے اور مہاتما بدھ کی تعلیمات کو غار کی پتھریلی دیواروں پر کندہ کر دیا۔ وقت گزرتا گیا۔ ہندوستان کی سرزمین سے مہاتما گوتم بدھ کا بدھ مت بالکل ختم کر دیا گیا اور ہندو مت کا راج ہو گیا۔ برہمنوں نے ایک طرح سے پھر عروج حاصل کر لیا۔ ان کا راجہ کے درباروں میں اس قدر زیادہ عمل دخل تھا کہ راجہ ان کی مرضی پوچھے بغیر کوئی حکم صادر نہیں کر سکتا تھا۔ ان برہمنوں کو پتہ چلا کہ بمبئی کے ایلورا غاروں میں کچھ بدھ راہبوں نے گوتم بدھ کی زندگی کے حالات اور اس کی تعلیمات کندہ کی ہیں تو وہ فوراً غاروں میں پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے بدھ مت کی کئی مورتیاں اور مجسمے اور کندہ کی ہوئی تعلیمات توڑ پھوڑ ڈالیں اور ان کی جگہ ہندو دھرم کی دیوی دیوتاؤں کے عریاں مجسمے بنا دیئے۔ بس یہ ہے ایلورا کے غاروں کی مختصر سی تاریخ... کیا اب تم ایلورا کے غار دیکھنا پسند نہیں کرو گے؟"

میں نے فوراً کہا۔ "کیوں نہیں۔ میں ابھی تمہارے ساتھ ایلورا کے غاروں میں چلنے کو تیار ہوں۔"

جمشید بولا۔ "ایسا کرتے ہیں کہ سورج غروب ہونے کے بعد چلیں گے۔ آج مجھے دن میں کاروبار کے سلسلے میں ایک جگہ جانا ہے۔"

چنانچہ ہمارا سورج غروب ہونے کے بعد کا ایلورا کے تاریخی غار دیکھنے کا پروگرام

بن گیا۔ دوپہر کو جمشید اپنے کاروباری سلسلے میں کسی سے ملنے چلا گیا۔ وہ سورج غروب ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے واپس آ گیا۔ کہنے لگا۔ "بس ہم چائے پی کر چل پڑیں گے۔"

میں نہا دھو کر تیار ہو گیا۔ جمشید بھی منہ ہاتھ دھو کر آ گیا۔ ہم چائے منگوا کر پینے لگے۔ میں نے جمشید سے پوچھا۔ "یہ ایلورا کے غار یہاں سے کتنی دور کس جنگل میں ہیں؟"

جمشید بولا۔ "یہ جنگل میں نہیں بلکہ سمندر میں ہیں۔'

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

جمشید کہنے لگا۔ "جن پہاڑیوں کے اندر یہ غار ہیں وہ پہاڑیاں بمبئی کے ساحل سے کچھ فاصلے پر سمندر میں واقع ہیں۔ وہاں تک سٹیمر چلتے رہتے ہیں۔ دوسرے ملکوں کے سیاح دور دور سے یہ عجیب و غریب غار دیکھنے آتے ہیں۔"

یہ جان کر مجھے اطمینان ہو گیا کہ ہمیں کسی دور دراز جنگل میں نہیں جانا پڑے گا۔ چائے پینے کے بعد جمشید نے عبدل سے کہا۔ "جیپ باہر نکالو اور ہمیں گیٹ وے آف انڈیا تک چھوڑ آؤ۔"

گیٹ وے آف انڈیا بمبئی کے شمال جنوب میں ساحل سمندر پر ایک بارہ دری ہے جسے انگریزوں نے بنایا تھا۔ چونکہ انگریز ہندوستان میں سمندر کے راستے سے آئے تھے اس لئے انہوں نے یادگار کے طور پر یہ بارہ دری تعمیر کرائی تھی۔ یہ انگریزی طرز تعمیر کا نمونہ ہے۔ چاروں طرف اس کے چوکور ستون ہیں۔ عقب میں سیڑھیاں سمندر میں اترتی ہیں جہاں ایک گھاٹ بنا ہوا ہے۔ اس گھاٹ پر سے لوگ کشتیوں اور سٹیمروں میں بیٹھ کر سمندر کی سیر کو جاتے ہیں۔ ایلورا کے غاروں کو بھی اسی جگہ سے سٹیمر چلتے ہیں۔

عبدل ہمیں گیٹ وے آف انڈیا کی بارہ دری ٹائپ کی تاریخی عمارت کے پاس

چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ ہم نے پیچھے گھاٹ پر آ کر ٹکٹ لئے اور ایلورا کے غاروں کی طرف جانے والے سٹیمر میں سوار ہو گئے۔ سٹیمر میں کچھ غیر ملکی سیاح مرد اور عورتیں بھی بیٹھی تھیں۔ سٹیمر سمندر میں روانہ ہو گیا۔ ایلورا کے غاروں والی پہاڑیاں ساحل سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ ہم دس پندرہ منٹ میں وہاں پہنچ گئے۔

ایلورا کے کئی تاریخی غار تھے جو پہاڑیوں کے اندر ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ ایک جگہ سے ہم نے ٹکٹ لئے اور پہلے غار میں داخل ہو گئے۔ یہ غار واقعی بڑے پراسرار تھے۔ ان کی چھتیں بہت اونچی تھیں اور دیواروں کو کھود کر کہیں پتھروں میں مورتیاں تراشی ہوئی تھیں اور کہیں راجہ کو دربار لگائے دکھایا گیا تھا۔ اگرچہ برہموں نے اپنے دور اقتدار میں بدھ مت کی بے شمار نشانیوں کو مٹا دیا تھا مگر پھر بھی کچھ ان کے ہاتھوں سے بچ گئی تھیں۔ ان میں مہاتما بدھ کی پیدائش سے لے کر ان کے گیان حاصل کرنے تک کے خاص خاص واقعات جو دیواروں پر تراشے گئے تھے ابھی تک صحیح حالت میں موجود تھے۔ کئی جگہوں پر گوتم بدھ کے بڑے بڑے بت بنے ہوئے تھے۔ پتھر کی وہ سلیں بھی محفوظ تھیں جن پر پالی زبان میں بدھ مت کی خاص خاص تعلیمات کندہ کی ہوئی تھیں لیکن زیادہ مورتیاں ہندو مت کی دیومالا کی دیوی دیوتاؤں کی تھیں۔ دیواروں پر راجہ کے دربار میں دیوداسیوں کو رقص کرتے ہوئے بھی دکھایا گیا تھا۔

ہم نے گھوم پھر کر تین چار غار دیکھے پھر ذرا سانس لینے کے لئے ایک جگہ بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک گائیڈ عورت جس نے گائیڈ کی وردی پہنی ہوئی تھی ہمارے پاس آئی۔ ہمیں نمستے کیا اور بولی۔ ''سر! آپ نے ابھی تک شاید متھراوُلی کا غار نہیں دیکھا۔ سر! اگر آپ نے متھراولی غار کو نہیں دیکھا تو یقین کریں کہ آپ نے کچھ نہیں دیکھا۔ اس غار کو دیکھنے دنیا بھر کے سیاح آتے ہیں اور غار کی تصویریں اتار کر لے جاتے ہیں۔''

میں تھک گیا تھا۔ ویسے بھی مجھے ان بتوں اور مورتیوں والے غاروں سے کوئی زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ جتنا دیکھنا تھا بس دیکھ لیا تھا لیکن جمشید اس قسم کی تفریحات کا بڑا دلدادہ تھا۔ کہنے لگا۔ ''اچھا؟ یہ متھراولی کا غار کہاں پر ہے؟''

گائیڈ عورت نے کہا۔ ''سر! ان ہی پہاڑیوں میں ہے۔ یہاں سے آگے تیسرا غار ہے۔ میرے ساتھ چلیں۔ میں آپ کو اس غار میں بنی ہوئی تصویروں کی تاریخ بھی بتاتی جاؤں گی۔ میری فیس کی پرواہ نہ کریں۔ میں آپ سے کچھ نہیں لوں گی۔''

جمشید بڑا کفایت شعار تھا۔ یہ سن کر کہ وہ مفت میں متھراوُلی غار کی سیر کرے گا فوراً چلنے کو تیار ہو گیا۔ پتہ نہیں کیا بات تھی کہ میرا اس غار کی طرف جانے کو دل نہیں مانتا تھا مگر جمشید مجھے کھینچ کر اپنے ساتھ لے گیا۔

متھراوُلی کا غار دوسرے غاروں کی نسبت زیادہ کشادہ نہیں تھا بالکل تنگ گلی کی طرح تھا۔ چھت بھی زیادہ اونچی نہیں تھی۔ کہیں کہیں دھیمی روشنی والے بجلی کے بلب جل رہے تھے۔ دیواروں پر ان کی مدھم روشنی میں عجیب و غریب ہندو دیوی دیوتاؤں کی ابھری ہوئی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ غار میں داخل ہوتے ہی میرے دل پر ایک بوجھ سا پڑ گیا۔ میرا دل فوراً وہاں سے واپس چلے جانے کو چاہا مگر جمشید کے شوق کو دیکھ کر میں خاموش رہا۔ جمشید بڑے اشتیاق کے ساتھ دیوار پر کندہ مورتیوں اور تصویروں کو دیکھ رہا تھا۔ گائیڈ عورت ایک ایک مورتی اور تصویر کا تاریخی پس منظر بیان کر رہی تھی۔ غار کی فضا میں مجھے گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی۔ میں بادلِ نخواستہ جمشید کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

گائیڈ عورت ایک تصویر کے پاس جا کر رُک گئی۔ اس تصویر میں ایک ڈانس کرنے والی نرتکی یا دیوداسی ایک سانپ کو اپنے جسم کے ساتھ لپیٹے رقص کے پوز میں دکھائی گئی تھی۔ دونوں جانب عجیب ڈراؤنی شکلوں والے لوگ زمین پر چوکڑیاں مار کر بیٹھے ہوئے تھے۔ گائیڈ عورت نے کہا۔ ''یہ متھراوُلی نرتکی ہے۔ کہتے ہیں یہ راجہ

بکرماجیت کے دربار میں سانپ کا رقص کیا کرتی تھی۔ جب یہ رقص کرتی تھی تو زمین کے نیچے پاتال سے راکھشش اس کا رقص دیکھنے آجاتے تھے۔ اس تصویر میں آپ کو دونوں جانب جو ڈراؤنی شکل والے بت نظر آرہے ہیں یہ پاتال کے راکھشش ہیں۔ راجہ بکرماجیت ان راکھششوں کی بڑی سیوا کرتا تھا اور اپنا تخت چھوڑ کر چلا جاتا تھا تاکہ پاتال کے راکھشش اکیلے بیٹھ کر متھراؤلی کا نرت دیکھیں۔ اس تصویر میں وہ سامنے ایک تخت خالی پڑا ہے یہ راجہ کا تخت ہے جو راکھششوں کے آنے کے بعد تخت چھوڑ کر چلا گیا ہے۔"

جمشید نے پوچھا۔ "یہ عورت جس کا نام تم نے متھراؤلی بتایا ہے، سانپ جسم کے گرد لپیٹ کر کیوں رقص کر رہی ہے؟ کیا یہ کوئی خاص ڈانس تھا؟"

گائیڈ عورت نے کہا۔ "متھراؤلی نرتکی کے بارے میں پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ آگ کے دیوتا سے بیاہی ہوئی تھی۔ مگر وہ راکھششوں سے بہت ڈرتی تھی اور ان کو اپنا رقص دکھانے ضرور ان کے پاس پاتال میں جایا کرتی تھی۔ اس کی خبر ناگ دیوتا کو ہوگئی۔ اس نے متھراؤلی نرتکی کو ڈس کر ہلاک کر دیا اور اس کی لاش پاتال کے ایک گہرے غار میں پھینک دی۔ پاتال کے راکھششوں کو جب پتہ چلا کہ ناگ دیوتا نے حسد میں آکر ان کی پسندیدہ نرتکی متھراؤلی کو ہلاک کر دیا ہے تو وہ اس غار میں پہنچ گئے جہاں متھراؤلی نرتکی کی لاش پڑی تھی۔

ہندو دیومالا کی کتابوں میں لکھا ہے کہ راکھششوں نے اپنے جادو کے زور سے متھراؤلی کو پھر سے زندہ کر دیا اور اسے بکرماجیت کے دربار میں لے گئے اور راجہ سے کہا کہ یہ متھراؤلی نرتکی ہے۔ ہمیں اس کا نرت اچھا لگتا ہے ہم اس کا نرت دیکھنے تمہارے دربار میں آجایا کریں گے۔ اس وقت دربار میں ہمارے اور نرتکی متھرا کے سوا اور کوئی نہیں ہونا چاہئے۔ راجہ نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ مہان دیوتاؤ! ایسا ہی ہوگا۔ یہ میرے لئے بڑے سوبھاگ کی بات ہے کہ آپ میرے دربار میں پدھاریں گے۔

اس کے بعد متھراؤلی نرتکی صرف اس وقت ڈانس کرتی جب راکھششوں نے آنا ہوتا تھا۔"

جمشید نے پوچھا۔ "یہ سانپ جو اس عورت نے اپنے جسم پر لپیٹا ہوا ہے کیا یہ ناگ دیوتا ہے؟"

گائیڈ عورت نے کہا۔ "نہیں۔ یہ ناگ دیوتا نہیں ہے بلکہ ناگ دیوتا کی طرف سے متھراؤلی کی نگرانی کرنے والا سانپ ہے۔ ناگ دیوتا پاتال کے راکھششوں کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا تھا لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی پتنی متھراؤلی کو راکھشش اپنے ساتھ پاتال میں لے جائیں۔ چنانچہ اس نے خفیہ طور پر ایک زہریلا سانپ متھراؤلی کے جسم کے گرد لپیٹ دیا اور متھراؤلی کو خبردار کر دیا کہ اگر کبھی اس نے کسی راکھشش کے ساتھ پاتال میں جانے کا ارادہ کیا یا کسی راکھشش سے کوئی بات کی تو یہ سانپ اسی وقت اسے ڈس لے گا اور یہ سانپ اتنا زہریلا ہے کہ اس کے ڈستے ہی متھراؤلی کے جسم کو آگ لگ جائے گی اور وہ جل کر راکھ ہو جائے گی۔ اس وجہ سے متھراؤلی مجبور تھی کہ سانپ کو ہر وقت اپنے جسم کے ساتھ لگائے رکھے کیونکہ سانپ نے اسے کہہ دیا تھا کہ میں ہر وقت تمہارے جسم سے لپٹا رہوں گا۔ ایک لمحے کے لئے بھی تم سے الگ نہیں ہوں گا۔"

میں اس گائیڈ کی خرافات سنتے سنتے تنگ آگیا تھا۔ میں نے جھنجلا کر کہا۔ "تم یہ کیا کتھا کہانی لے بیٹھی ہو۔ ہمیں ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ چلو جمشید واپس چلو۔"

گائیڈ عورت نے میری طرف چونک کر دیکھا اور اس لمحے مجھے ایسی نظروں سے دیکھنے لگی جیسے اس نے پہلی بار مجھے دیکھا ہو اور مجھے اس جگہ دیکھ کر حیران ہو رہی ہو۔ اس کے چہرے پر مجھے حیرت کے ساتھ ساتھ خوف کا عنصر بھی دکھائی دے رہا تھا۔ پھر اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مہاراج! مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ کو

پہچانا نہیں تھا۔"

اس کے ساتھ ہی ہندو گائیڈ عورت نے ہاتھ جوڑ کر میرے آگے سر جھکا لیا اور منہ ہی منہ میں سنسکرت کا کوئی اشلوک پڑھا۔ جمشید کو تو حیران ہونا ہی تھا میں خود حیران ہو کر اس عورت کو دیکھنے لگا کہ یہ کیا کہہ رہی ہے لیکن میں نے اس کے عجیب سے جملے پر زیادہ غور نہ کیا اور جمشید کا بازو پکڑ کر واپس چل پڑا۔ جمشید میرے ساتھ چل پڑا۔ کہنے لگا۔ "اس عورت نے تمہیں یہ کیا کہہ دیا کہ مہاراج مجھے معاف کر دیں میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

میں نے کہا۔ "ارے یہ سب ان لوگوں کی ڈرامہ بازی ہے۔ یہ اس طرح کی باتیں نہ کریں تو لوگ ان کی باتوں پر اعتبار کیسے کریں اور یہ ان سیاحوں سے پیسے کیسے بٹوریں؟"

جمشید بولا۔ "لیکن اس نے تو ہم سے کچھ بھی نہیں مانگا تھا۔"

"یہ بھی اس کا ایک ڈھونگ تھا۔" میں نے جواب دیا۔

کہنے کو تو میں نے جمشید سے یہ کہہ دیا تھا لیکن دل میں سوچنے لگا تھا کہ اس عورت کو کہیں پتہ تو نہیں چل گیا کہ میرا تعلق بدروحوں اور آسیبوں کی دنیا سے کسی نہ کسی صورت میں رہا ہے۔ یہ ہندو گائیڈ عورت ہندوؤں کی دیومالا کے ماحول میں رہنے والی عورت تھی۔ ہو سکتا ہے اس ماحول میں رہتے رہتے اس میں اتنا شعور پیدا ہو گیا ہو اور وہ ایسے لوگوں کو پہچان لیتی ہو جن کا تعلق دیومالائی ماحول سے وابستہ ہو یا وابستہ رہا ہو۔"

ہم ایلورا کے غاروں سے باہر نکل آئے۔

باہر آ کر جمشید نے کہا۔ "میرا خیال ہے اس عورت نے محض ڈرامہ بازی ہی کی ہے۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔"

میں نے کہا۔ "جمشید! ان لوگوں کا کاروبار ہی یہی ہے۔ یہ اس قسم کی باتیں نہ

کریں تو ان کو کوئی نہ پوچھے اور سیاح خود ہی غاروں کی سیر کرتے رہیں۔"

ہم سٹیمر میں بیٹھ کر گیٹ وے آف انڈیا آ گئے۔ یہاں سے ہم نے ایک ٹیکسی پکڑی اور اپنے فلیٹ پر آ گئے۔ اس وقت رات کا پہلا پہر شروع ہو چکا تھا۔ جمشید کا آٹو ورکشاپ اور گیراج رات دس گیارہ بجے تک کھلا رہتا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد دس بجے تک میں ورکشاپ میں ہی جمشید کے پاس بیٹھا اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ پھر مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ میں نے جمشید سے کہا۔ "میں تو سونے جا رہا ہوں۔ بڑی نیند آ رہی ہے۔"

جمشید بولا۔ "بس میں بھی تھوڑی دیر میں آ رہا ہوں۔"

میں اوپر کمرے میں آ کر پلنگ پر لیٹ گیا اور ایلور کے غار کی گائیڈ عورت کے جملے پر غور کرنے لگا کہ اس نے مجھے جو کچھ کہا تھا اس میں واقعی کچھ حقیقت تھی کہ وہ محض ڈرامہ بازی کر رہی تھی۔ اصل میں میں ایسے ایسے حالات سے گزرا تھا بلکہ گزر رہا تھا کہ جس پر انسانی عقل مشکل ہی سے یقین کر سکتی تھی بلکہ عقل یقین کر ہی نہیں سکتی تھی۔ سوچنے لگا ہو سکتا ہے اس گائیڈ عورت نے میرے چہرے پر کسی بدروح کے سائے کو گزرتے دیکھ لیا ہو۔ آخر بدروحیں اور آسیب میرے پیچھے تو لگی ہوئی ہی تھیں۔ جب میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا تو میں نے ٹیبل لیمپ بجھایا اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

ابھی میں بیداری اور نیند کی درمیانی حالت میں ہی تھا کہ اچانک مجھے روہنی کے جسم سے آنے والی خوشبو کا احساس ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ٹیبل لیمپ اپنے آپ روشن ہو گیا۔ میں نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ میرے سامنے روہنی کھڑی تھی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور روہنی سے کہا۔ "سلطانہ! اچھا ہوا تم آ گئیں۔ اس وقت مجھے تمہاری ہی ضرورت تھی۔"

روہنی کے چہرے پر ایک پراسرار سا تبسم تھا۔ وہ میرے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی

اور مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا۔ ''آج میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ ہوا.....''

روہنی کے چہرے کا تبسم غائب ہو گیا۔ اُس نے سنجیدہ آواز میں کہا۔ ''شیروان! مجھے معلوم ہے تمہارے ساتھ کیا واقعہ ہوا ہے۔ تمہیں ایلورا کے غاروں میں نہیں جانا چاہئے تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم وہاں سے صحیح سلامت واپس آ گئے ہو۔''

میں نے کہا۔ ''سلطانہ! میں وہاں نہیں جانا چاہتا تھا جمشید مجھے زبردستی لے گیا تھا۔''

روہنی نے مجھے ہلکی سی ڈانٹ کے ساتھ کہا۔ ''تمہیں کوئی زبردستی موت کے منہ میں لے جائے گا تو کیا تم اس کے ساتھ چل پڑو گے؟ تم نے سخت غلطی کی تھی۔ تمہاری قسمت اچھی تھی کہ تم وہاں سے بچ کر آ گئے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اس قسم کی جگہیں جہاں دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں اور بت ہوں منحوس ہوتی ہیں؟ اور تم خاص طور پر جس قسم کے حالات سے گزر رہے ہو تمہیں تو ایسی جگہوں میں جانے کا نام بھی نہیں لینا چاہئے۔''

میں نے کہا۔ ''مجھے معاف کر دو سلطانہ! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ وعدہ کرتا ہوں آئندہ ایسی غلطی کبھی نہیں ہو گی۔ اب میں اس کمرے سے باہر قدم بھی نہیں رکھوں گا۔''

روہنی خاموش ہو گئی۔ پھر کہنے لگی۔ ''مجھے تو جیسے ہی پتہ چلا کہ تم ایلورا کے غاروں میں گئے ہو میں اسی وقت واپس روانہ ہو پڑی تھی۔ مجھے بمبئی کی فضا میں داخل ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ تم خیریت کے ساتھ اس منحوس جگہ سے واپس اپنے فلیٹ پر پہنچ گئے ہو اور میں سیدھی تمہارے پاس آ گئی۔''

میں نے کہا۔ ''اچھا بابا! اب مجھے معاف بھی کر دو۔ کہہ دیا ناں کہ میں آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔''

روہنی نے محبت بھری ناراضگی کے لہجے میں کہا۔ ''شیروان! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے تمہارا کس قدر خیال لگا رہتا ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تمہیں ان حالات سے نکالنے کے لئے کتنی جدوجہد کر رہی ہوں۔ یقین کرو میں ایسے ایسے خطرات مول لے رہی ہو جن کا میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ صرف اور صرف تمہاری خاطر..... میں تو ایک روح ہی ہوں۔ پہلے ایک بری روح تھی اب ایک ایسی روح ہوں جس کو معافی مل چکی ہے اور جس کے گناہ اُس سے الگ کر دیئے گئے ہیں۔ پھر بھی میں ایک روح ہی ہوں۔ تم ایک زندہ انسان ہو۔ میں تو ہر قسم کے حالات میں اپنا بچاؤ کر سکتی ہوں مگر تم بعض حالات میں اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے۔ آج تم ایسے ہی حالات میں پھنس گئے تھے کہ جہاں سے اپنا بچاؤ کرنا تمہاری طاقت سے باہر تھا۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ کسی غیبی طاقت نے تمہاری مدد کی ہے اور تم ان خطرناک اور منحوس غاروں سے زندہ بچ کر واپس آ گئے ہو۔''

پھر اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑے درد کے ساتھ کہا۔ ''فیروز! میں جانتی ہوں تم حقیقت میں شیروان نہیں ہو۔ مگر تمہارا نقش ہو بہو شیروان کا ہے۔ مجھے تمہاری آواز میں، تمہاری آنکھوں میں اور تمہارے بات کرنے کے انداز میں شیروان ہی شیروان نظر آتا ہے۔ شیروان میرا محبوب بھی تھا اور میرا خاوند بھی تھا۔ اس نے مجھے اتنا پیار دیا تھا کہ میں اس کے پیار کو مرنے کے بعد بھی نہیں بھلا سکی ہوں۔ میں تم میں اپنے شیروان کو ہی دیکھ رہی ہوں اور نہیں چاہتی کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ تمہیں کچھ ہو گیا تو خدا جانے پھر میں تمہاری شکل بھی دیکھ سکوں یا نہ دیکھ سکوں۔''

روہنی کی آواز اتنی اداس ہو گئی کہ اسے تسلی دینا میرا فرض بن گیا۔ میں نے کہا۔ ''سلطانہ! میں تم سے ایک بار پھر وعدہ کرتا ہوں کہ آج کے بعد تمہیں مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ اگر تم کہو گی تو میں اس وقت تک اپنے آپ کو اس کمرے

میں بند کر لوں گا جب تک کہ تم ہمارے دشمنوں رگھو کی بدروح اور نتالیا کے آسیب کا کام ختم نہیں کر لیتیں۔"

روہنی کے چہرے پر تبسم نمودار ہو گیا۔ کہنے لگی۔ "ٹھیک ہے۔ مجھے تم پر اعتبار آ گیا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تم اس کمرے میں بند ہو کر رہ جاؤ۔ بے شک باہر نکل کر چلو پھرو۔ لیکن کسی خطرے والی جگہ پر مت جاؤ۔ خواہ وہ کوئی جنگل ہو، کوئی غار ہو، کوئی پرانی حویلی ہو، کوئی اجاڑ، ویران کھنڈر ہو یا کوئی ویران تاریخی قلعہ ہو۔ بمبئی میں بے شمار تفریحی جگہیں ہیں۔ پارک ہیں، ریستوران ہیں۔ تم جمشید کے ساتھ وہاں جا کر اپنا دل بہلا سکتے ہو۔"

میں نے کہا۔ "میں تمہاری ہدایات پر پورا عمل کروں گا۔ اب مجھے بتاؤ کہ تم نے دشمنوں کی کہاں تک سراغ رسانی کی ہے؟ کیا کچھ پتہ چلا کہ نتالیا اور رگھو کی بدروح ہمارے خلاف کیا سازش کر رہی ہیں؟"

روہنی بولی۔ "مجھے کافی حد تک ان کی سازشوں کا پتہ لگ چکا ہے۔ میں دو ایک دن میں تمہارے پاس تمہیں اور زیادہ محتاط رہنے کی ہدایت کرنے آنے ہی والی تھی۔ یہ تو مجھے اچانک آنا پڑ گیا تاکہ تمہیں منع کروں کہ آئندہ ایلورا کے غاروں کی قسم کی کسی جگہ پر مت جانا۔"

"نتالیا اور رگھو ہمارے خلاف کیا سازش کر رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

روہنی نے کہا۔ "وقت آنے پر میں تمہیں خبردار کر دوں گی بلکہ میں خود تمہاری حفاظت کے لئے تمہارے پاس آ جاؤں گی۔ ابھی میں تمہیں صرف یہی کہوں گی کہ وہ مجھے اور خاص طور پر تمہیں اپنے قبضے میں کرنے کے لئے بڑا خطرناک جال بچھانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "سلطانہ! کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی خطرناک سازشوں میں کامیاب ہو جائیں۔"

روہنی بولی۔ "جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ میں عین وقت پر تمہیں آنے والی مصیبت سے دور لے جاؤں گی۔ بس تم میری ہدایات پر عمل کرتے رہنا۔"

"وہ تو میں کرتا رہوں گا۔" میں نے اس کی تسلی کرتے ہوئے کہا۔

روہنی اٹھ کھڑی ہوئی۔ کہنے لگی۔ "اب تم آرام سے سو جاؤ۔ میں پھر آؤں گی۔"

میں نے کہا۔ "اب مجھے بالکل نیند نہیں آ رہی۔"

اُس نے کہا۔ "تو پھر چلو کسی جگہ چل کر تھوڑی سیر کرتے ہیں۔ میری بھی تفریح ہو جائے گی۔"

میں نے کہا۔ "کہاں جائیں گے؟"

روہنی نے کہا۔ "کہیں کسی باغ میں سمندر کے کنارے چلے چلتے ہیں۔ بمبئی میں بڑے باغ ہیں۔ چلو بال کیشر گارڈن چلتے ہیں وہاں سے سمندر کا منظر رات کے وقت بڑا خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔"

مجھے خود بال کیشر گارڈنز بہت پسند تھے۔ یہ چوپاٹی کے شروع میں ایک بلند پہاڑی پر واقع تھے اور اوپر سے دور تک سمندر نظر آتا تھا۔ رات کے وقت میرین ڈرائیو کی بتیوں اور فلیٹوں کی روشنیاں سمندر میں پڑتی تھیں تو وہ منظر اور زیادہ دلکش ہو جاتا تھا۔ میں نے کہا۔ "چلو وہیں چلتے ہیں۔"

پھر مجھے جمشید کا خیال آ گیا کہ وہ تو ابھی نیچے گیراج میں ہی ہے۔ میں نے روہنی سے کہا۔ "میں نیچے جمشید کو کہہ دیتا ہوں کہ سمندر کی سیر کرنے جا رہا ہوں۔"

روہنی ہنس پڑی۔ کہنے لگی۔ "وہ کیا سوچے گا کہ تم رات کے گیارہ بجے سمندر پر کیا کرنے جا رہے ہو؟ اس کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم یہیں اس کھڑکی سے باہر نکل جاتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ ''یہ ٹھیک ہے۔ میں بتی بجھا دیتا ہوں۔ دروازے کو اندر سے کنڈی لگی ہوئی ہے وہ یہی سمجھے گا کہ میں سو گیا ہوں۔''

روہنی نے کہا۔ ''میرا ہاتھ پکڑ لو۔''

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہاتھ پکڑتے ہی روہنی کے ساتھ میں بھی غائب ہو گیا۔ ہم نے کھڑکی میں سے باہر بڑے آرام سے چھلانگ لگا دی اور نیچے گرنے کی بجائے ہوا میں تیرتے ہوئے اوپر کی طرف بلند ہونے لگے۔ ایک خاص بلندی پر پہنچ کر روہنی مجھے ساتھ لے کر بال کیشر گارڈنز کی سمت پرواز کرنے لگی۔

O

ہم بال کیشر گارڈنز میں آ کر اُتر گئے۔

ایک جگہ جہاں سے نیچے سمندر میں میرین ڈرائیو کی روشنیوں کا جھلملاتا ہوا عکس نظر آ رہا تھا ہم ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔ بڑی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ وہاں اُترنے کے بعد ہم دونوں اپنی انسانی شکلوں میں واپس آ گئے۔

روہنی کہنے لگی۔ ''آج سے تین سو برس پہلے جس زمانے میں، میں زندہ تھی اور ہماری ریاست جھانسی کے قریب ہوا کرتی تھی بمبئی کا شہر ایسا نہیں تھا۔ تب یہ ایک ساحلی بستی تھی جہاں سے بصرہ اور ایران سے سمندری جہاز مال لے کر آیا کرتے تھے۔ اس وقت میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ یہ شہر کبھی ایسا بن جائے گا۔''

میں نے کہا۔ ''مجھے سمندر دیکھ کر اپنے وطن پاکستان کا سمندر اور کراچی کا روشنیوں والا شہر یاد آ گیا ہے۔''

روہنی کہنے لگی۔ ''پاکستان بھی بڑا خوبصورت ملک ہے۔ وہاں کے لوگ بڑے بہادر اور غیرت مند لوگ ہیں۔ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہے اور انشاءاللہ اسلام کے ساتھ ہی تا قیامت سلامت رہے گا۔ تم نے ٹھیک کہا۔ کراچی شہر بھی بڑا خوبصورت ہے۔ خاص طور پر رات کے وقت تو کلفٹن پر اس کی رونقیں دیکھنے والی ہوتی ہیں۔''

ہم اس قسم کی چھوٹی چھوٹی معصوم معصوم باتیں کرتے رہے۔ ایسی باتیں جن کا بدروحوں اور آسیبوں کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس سے میرے ذہن کو بھی کافی سکون مل رہا تھا۔ لیکن میری توقع کے خلاف روہنی نے اچانک موضوع بدل کر

نتالیا کے آسیب کی بات شروع کر دی۔
کہنے لگی۔ ''اس دفعہ نتالیا کا آسیب اپنی غلام بدروحوں کی مدد سے تمہیں اپنے قبضے میں کرنے کے لئے جو سازش کر رہا ہے وہ اتنی خفیہ رکھی جا رہی ہے کہ میں کوشش کے باوجود اس کا سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔''
میں نے کہا۔ ''تم تو ایک روح ہو۔ تم تو ان کے درمیان غائب ہو کر جا سکتی ہو۔''
روہنی کہنے لگی۔ ''یہی تو میرے لئے سب سے بڑی مشکل ہے کہ میں ایک ایسی روح ہوں جس پر نتالیا کا آسیب قریب دیکھ کر حملہ کر سکتا ہے۔''
میں نے کہا۔ ''مگر سلطانہ! تم تو کہتی تھیں کہ کوئی بدروح اور آسیب تمہارے قریب نہیں آ سکتا۔''
روہنی کہنے لگی۔ ''میں نے تمہیں صحیح کہا تھا کہ کوئی بدروح اور آسیب ایک اچھی روح کے قریب آتے ہوئے ڈرتی ہے۔ لیکن مجھے ان بدروحوں کا خاتمہ کرنا ہے جس کے لئے مجھے ان پر وار کرنے کے لئے ان کے قریب جانا ہو گا۔ جب میں ان کے قریب جا کر ان پر وار کروں گی تو جواب میں وہ بھی مجھے نقصان پہنچا سکتی ہیں۔''
''پھر اس کا کیا علاج ہے؟'' میں نے پوچھا۔
روہنی نے ایک لمحے کے لئے توقف کیا اور بولی۔ ''ایک طریقہ ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ میں شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن لوں۔ اگر یہ انگوٹھی میرے پاس ہوئی تو بدروح مجھ پر قریب سے بھی حملہ نہیں کر سکے گی۔''
میں نے کہا۔ ''اگر ایسا ہو سکتا ہے تو تم ابھی یہ انگوٹھی پہن لو۔'' اور میں نے شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی انگلی میں سے اُتار کر روہنی کو دے دی۔ اس نے فوراً اپنی انگلی میں پہن لی اور کہا۔ ''شیروان! تم نے انگوٹھی مجھے دے دی ہے، اب تمہاری دفاعی طاقت آدھی رہ جائے گی۔''
میں نے کہا۔ ''میرے بازو پر اللہ کے پاک نام کا جو تعویذ بندھا ہوا ہے میرے

لئے وہی کافی ہے۔''
روہنی کہنے لگی۔ ''بے شک وہ تمہیں بدروحوں کے ہاتھوں کوئی گزند نہیں پہنچنے دے گا۔ لیکن ایک خیال میرے ذہن میں آ رہا ہے۔''
''کون سا خیال؟'' میں نے روہنی سے پوچھا۔
وہ بولی۔ ''کیوں نہ میں اس تعویذ پر ایک خفیہ دُعا پڑھ کر پھونک ماروں؟ اس طرح سے اس تعویذ کی طاقت میں زبردست اضافہ ہو جائے گا۔''
مجھے روہنی کی یہ بات پسند نہ آئی۔ میں نے کہا۔ ''نہیں نہیں سلطانہ! میرے لئے اللہ کا نام ہی کافی ہے۔ یہی میری حفاظت کرے گا اور پھر میں اسے کوئی تعویذ نہیں سمجھتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے بازو پر اللہ کا پاک نام لکھا ہوا ہے اور وہی میرا حافظ و مددگار ہے۔''
روہنی نے کہا۔ ''تمہارے ایمان کی پختگی پر مجھے کبھی کبھی رشک آنے لگتا ہے۔ میں خود تمہارے خیالات کی حامی ہوں۔ لیکن ہمارا واسطہ بری روحوں اور ایک خطرناک آسیب سے ہے۔ ہم مجبور ہیں کہ حالات کے مطابق دفاعی حکمت عملی میں ردوبدل کرتے رہیں۔ خدا نہ کرے کہ تم کسی لمحے غافل ہو جاؤ اور تمہیں غافل پا کر نتالیا کا آسیب تم پر وار کرنے میں کامیاب ہو جائے۔''
''پھر تم کیا چاہتی ہو؟'' میں نے روہنی سے سوال کیا۔
روہنی نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ مجھے تعویذ پر خفیہ دُعا پڑھ کر پھونک مار ہی دینی چاہئے۔ اُس سے تمہیں نقصان تو کچھ نہیں ہو گا لیکن وقت پڑنے پر فائدہ ضرور ہو گا۔''
میں نے کہا۔ ''اگر تم سمجھتی ہو کہ ایسا ضروری ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟'' اور میں نے اپنے دائیں بازو پر سے تعویذ اُتار کر روہنی کو دے دیا۔ شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی میں اسے پہلے ہی دے چکا تھا۔ اب تعویذ بھی اسے دے دیا تھا

اور میں نہتا ہو کر رہ گیا تھا۔ لیکن مجھے ذرا سی بھی فکر نہیں تھی۔ میری محافظ اور خیر خواہ روہنی میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی مجھے کوئی فکر ہونی ہی نہیں چاہئے تھی۔ روہنی نے تعویذ مجھ سے لے لیا۔ جیسے ہی روہنی نے تعویذ اپنے ہاتھ میں لیا تعویذ بجلی کی چمک کے ساتھ غائب ہو گیا۔ میں نے حیران ہو کر روہنی سے پوچھا۔ ''سلطانہ! تعویذ غائب کیوں ہو گیا؟''

میرے دیکھتے دیکھتے روہنی کی شکل تبدیل ہو گئی۔ وہ چیخ مار کر کھڑی ہو گئی۔ یہ دیکھ کر میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ میرے سامنے روہنی کی بجائے نتالیا کھڑی تھی۔ اُس نے ڈراؤنی آواز میں کہا۔ ''تعویذ اس لئے غائب ہو گیا کہ میں تمہاری سلطانہ نہیں ہوں بلکہ نتالیا ہوں۔ میں نے تمہیں کہا تھا فیروز تم مجھ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکو گے۔ تم جہاں بھی جاؤ گے میں تمہیں ڈھونڈ نکالوں گی اور تمہیں اٹھا کر لے جاؤں گی۔ تم نے مجھ سے بچنے کے لئے اپنے اِرد گرد بہت دیواریں کھڑی کر لی تھیں لیکن تم بھول گئے تھے کہ تمہارا مقابلہ کسی بدروح سے نہیں بلکہ ایک آسیب سے ہے اور آسیب تمہاری روہنی کا رُوپ بدل کر بھی تم پر حملہ کر سکتا ہے۔ میں نے یہی کیا اور اس وقت تم میرے قبضے میں ہو۔''

میں اتنا خوف زدہ نہیں تھا جتنا مایوس اور اپنے آپ کو شکست خوردہ اور بے یارو مددگار محسوس کر رہا تھا۔ یہ منحوس آسیب اُس کا بھیس بدل کر مجھ پر حملہ آور ہوا تھا جس نے مجھے اس آسیب سے بچانا تھا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ کاش! مجھے پہلے پتہ چل جاتا کہ میرے سامنے میری ساتھی اور مددگار روہنی نہیں بیٹھی بلکہ نتالیا کا منحوس آسیب بیٹھا ہے۔ میں حیران تھا کہ نتالیا نے کس عیاری کے ساتھ مجھ سے پہلے شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی لی اور پھر میرے دفاع کا سب سے طاقتور ہتھیار اللہ کے پاک نام والا تعویذ بھی مجھ سے چھین لیا۔ مجھے تو اُسی وقت شک پڑ گیا تھا کہ یہ روہنی کی نیک روح نہیں ہے جب مقدس نام والا تعویذ اُس کے ہاتھ سے غائب ہو گیا تھا

کیونکہ پاک تعویذ کسی بھی نجس بدروح کے پاس نہیں رہ سکتا تھا۔ مگر جو ہونا تھا ہو گیا تھا۔ میرے سارے ہتھیار جن سے میں اپنا دفاع کر سکتا تھا میرے دشمن نے مجھ سے چھین لئے تھے۔ میں نے نتالیا سے کہا۔ ''نتالیا! تم آخر مجھ سے کیا چاہتی ہو؟''

اُس نے کہا۔ ''وہی جو ایک پتنی اپنے پتی سے چاہتی ہے۔ میری تم سے شادی ہو چکی ہے میں چاہتی ہوں کہ تم ساری زندگی میرے ساتھ رہو اور میرے سوا کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو۔''

میں نے کہا۔ ''مگر یہ شادی جھوٹی تھی۔ یہ میری رضامندی کے بغیر ہوئی تھی۔ تم نے زبردستی مجھ سے شادی کی تھی۔''

نتالیا کی آواز ایک دم مردانہ آواز بن گئی۔ اس نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔ ''تم کون ہوتے ہو اپنی مرضی جتانے والے؟ ہاں میں نے اپنی مرضی سے تم سے شادی کی تھی۔ مجھے تمہاری رضامندی کی پرواہ نہیں ہے۔ جب کوئی آسیب کسی مرد یا عورت کو پسند کر لیتا ہے تو پھر وہ اُسے ہمیشہ کے لئے اپنے پاس لے آتا ہے۔ اُسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ جس کو اُس نے پسند کیا ہے وہ اس کے پاس رہنا چاہتا ہے یا نہیں رہنا چاہتا۔''

میں بھی غصے میں آ گیا۔ میں نے کہا۔ ''یہ بات ہے تو پھر میں بھی اپنی مرضی کروں گا۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔''

نتالیا کی آواز عورت کی آواز میں بدل گئی۔ اُس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولی۔ ''فیروز! تم نے میری طاقت کو ابھی تک نہیں دیکھا۔ تم نے میرا صرف دلہن کا روپ دیکھا ہے۔ تم نے مجھے آسیب کی شکل میں نہیں دیکھا۔ لیکن میں اپنا آسیبی روپ ابھی تمہیں دکھاؤں گی بھی نہیں کیونکہ تم ایک بے بس انسان ہو اور میں اپنے عورت کے روپ میں ہی تمہیں اٹھا کر لے جا سکتی ہوں۔''

میں نے ایک بار پھر غصیلی آواز میں کہا۔ ''میں نہیں جاؤں گا۔''

اور اس کے ساتھ ہی میں وہاں سے دوڑ پڑا۔ مجھے اپنے پیچھے نتالیا کے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ رات کا وقت تھا۔ بال کیسٹر گارڈنز خالی پڑا تھا۔ یہ باغ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں پہاڑی کے اُوپر واقع ہے میں ڈھلان پر درختوں کے نیچے جھاڑیوں کو پھلانگتا جتنی تیزی سے بھاگ سکتا تھا بھاگ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں نتالیا کے آسیب سے دُور نکل آیا ہوں۔ لیکن یہ میرا خیال خام تھا۔

دوڑتے دوڑتے اچانک میرے پاؤں بھاری ہونا شروع ہو گئے۔ پھر میری ٹانگیں بھی بوجھل ہونا شروع ہو گئیں۔ میری رفتار اپنے آپ آہستہ ہو گئی۔ اب میں ایسے دوڑ رہا تھا جیسے فلموں میں کسی کو سلو موشن میں دوڑتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ پھر اچانک نتالیا میری بائیں جانب نمودار ہو گئی۔ وہ نہ دوڑ رہی تھی نہ چل رہی تھی۔ وہ زمین سے بلند ہو کر میرے ساتھ ساتھ فضا میں تیر رہی تھی۔ اُس نے کہا۔ ”فیروز! اس حالت میں تم کہاں تک دوڑو گے؟ کب تک دوڑو گے؟ تھک جاؤ گے اور میں تمہیں تھکانا نہیں چاہتی۔“

اور نتالیا نے مجھے بازو سے پکڑ لیا۔ جیسے ہی اس کا ہاتھ میرے بازو کو چھوا میرا جسم سن ہو گیا۔ پھر مجھے کوئی ہوش نہ رہا کہ میں کہاں ہوں...... جب ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میں ایک پلنگ پر لیٹا ہوا ہوں۔ یہ پتھر کی دیواروں والا کمرہ ہے جس کی چھت کے ساتھ جلتی موم بتیوں والا فانوس روشن ہے۔ سامنے دیوار پر کسی انسان کی کھوپڑی لگی ہوئی ہے۔ کمرے کے کونوں میں اندھیرا ہے۔ نہ کوئی کھڑکی ہے نہ روشندان ہے۔ کوئی دروازہ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے جسم کی نارمل توانائی واپس آچکی ہے۔

میں پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کمرے کا ایک بار پھر جائزہ لیا۔ بڑا پراسرار ماحول تھا۔ خاموشی اتنی تھی کہ مجھے اپنی سانس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ جس مصیبت

سے میں بچتا پھرتا تھا وہ مجھ پر مسلط ہو گئی ہے۔ اب خدا ہی جس وقت چاہے گا مجھے اس مصیبت سے نکالے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت شاید ایسا نہ کر سکے۔ بال کیسٹر گارڈنز میں بیٹھ کر روہنی کے ساتھ جو باتیں ہوئی تھیں وہ سب مجھے یاد آ رہی تھیں۔ کاش مجھے علم ہو جاتا کہ یہ روہنی نہیں نتالیا ہے اور روہنی کا بھیس بدل کر مجھے اپنے قابو میں کرنے آئی ہے۔ مجھے اصلی روہنی یعنی سلطانہ کا خیال آنے لگا۔ خدا جانے وہ کہاں ہو گی اور جب واپس جمشید کے فلیٹ پر آئے گی تو مجھے وہاں نہ پاکر کیا سوچے گی کہ میں کہاں چلا گیا ہوں۔ کیا اُسے پتہ لگ سکے گا کہ مجھے نتالیا کا آسیب اغواء کر کے لے گیا ہوا ہے؟ شاید اسے پتہ چل جائے۔ شاید اسے پتہ نہ لگے۔ اگر اسے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ نتالیا کے آسیب نے مجھے کس جگہ قید کر رکھا ہے تو پھر میرا کیا ہو گا؟ میں یہاں سے کیسے فرار ہو سکوں گا؟ مجھے ایسے لگ رہا تھا کہ مجھے کسی بہت بڑی قبر میں بند کر دیا گیا ہے جس سے باہر نکلنے کے لئے کوئی دروازہ ہے، نہ روشندان ہے، نہ کوئی کھڑکی ہے۔

اتنے میں سامنے والی دیوار میں پھیکی سی روشنی ہوئی اور میں نے نتالیا کو دیوار میں سے نکل کر اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ پلنگ پر میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ مجھے اس کی مسکراہٹ کسی چڑیل کی مسکراہٹ معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ ”نتالیا! تم نے مجھے قید تو کر لیا ہے لیکن یاد رکھو میں یہاں سے ایک نہ ایک دن فرار ہونے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔“

اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”پہلی بات تو یہ ہے کہ تم یہاں سے بھاگ جانے کا خیال دل سے نکال دو۔ تم کچھ بھی کر لو گے میری قید سے آزاد نہ ہو سکو گے۔ تمہاری روہنی بھی اگر چاہے گی تو تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکے گی۔ اب تو وہ بدروح بھی نہیں رہی۔ اب تو اُس کے پاپ جھڑ گئے ہیں اور وہ ایک نیک آتما بن گئی ہے اور اچھی روحیں، نیک آتمائیں، بدروحوں اور آسیبوں کی دنیا میں کبھی داخل نہیں ہوتیں۔ وہ چاہیں بھی تو ایسا نہیں کر سکتیں۔“

میں نے کہا۔ ''روہنی نہ سہی لیکن میرا خدا تو میرے ساتھ ہے۔ وہ ضرور مجھے اس عذاب سے نکال دے گا۔''

نتالیا کہنے لگی۔ ''مجھے نہیں امید کہ اب تمہارا خدا بھی تمہاری کوئی مدد کرے۔ کیونکہ تمہارے پاپ، تمہارے گناہ تمہارے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ تم ایک کمزور اور گناہ گار انسان ہو۔ ہو سکتا ہے تمہیں تمہارے کسی گناہ کی سزا مل رہی ہو۔''

میں نے کہا۔ ''خدا میرے گناہ ضرور معاف کر دے گا۔ میں نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ کوئی گناہ نہیں کیا۔''

نتالیا کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔ اُس نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''کیا تم نے روہنی کے ساتھ مل کر میری کھوپڑی کو زمین کے اندر سے نکال کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مجھے قتل کرنے کی کوشش نہیں کی؟ اس وقت تم مجھ سے بچ گئے تھے اس لئے کہ تمہارے ہاتھ میں شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی تھی اور تمہارے بازو پر وہ تعویذ بندھا ہوا تھا جس نے تمہیں بچا لیا۔ مگر اب تمہارے پاس ان دونوں چیزوں میں سے ایک بھی نہیں ہے۔ اب تم میرے رحم و کرم پر ہو۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ اگر تمہیں پسند نہ کرتی ہوتی تو اس وقت میں تمہارا خون پی کر تمہارے جسم کے ٹکڑے کر کے کھا چکی ہوتی۔''

نتالیا کی آواز غضب ناک ہو کر مردانہ آواز میں تبدیل ہو گئی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''یاد رکھو! اگر تم یہاں سے بھاگنے کا خیال بھی دل میں لائے تو میری محبت، نفرت میں بدل جائے گی۔ بالکل اسی طرح جس طرح میری آواز بدل کر آسیب کی آواز بن گئی ہے اور اگر مجھے تم سے نفرت ہو گئی جو کسی وقت بھی ہو سکتی ہے تو تم زندہ نہیں رہو گے۔''

حقیقت یہ ہے کہ میں ڈر گیا۔ ایک تو نتالیا کی آواز بدل کر مردانہ آسیب کی آواز ہو گئی تھی۔ دوسرے اس آواز میں بڑی دہشت تھی اور اس نے مجھے میرا خون پی

جانے اور میرے جسم کے ٹکڑے کر کے کھا جانے کی دھمکی بھی دی تھی۔ وہ بڑی آسانی سے ایسا کر سکتی تھی۔ مجھے اس کے بارے میں علم تھا کہ اس کا تعلق جب وہ زندہ تھی تو افریقہ کے ایک آدم خور قبیلے سے تھا۔ اُس نے اپنی زندگی میں نہ جانے کتنے بے گناہ انسانوں کو ہڑپ کیا تھا اور اُن کا خون پی کر انہیں موت کی نیند سلا دیا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ مرنے کے بعد اس کی روح نے ایک آسیب کی شکل اختیار کر لی تھی جو ایک روح کا سب سے کم تر اور عذاب والا درجہ بیان کیا جاتا ہے۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ نتالیا کے ساتھ مجھے محبت پیار سے ہی رہنا چاہئے تا کہ میں محبت پیار سے ہی یہ سراغ لگا سکوں کہ وہاں سے فرار ہونے کی کیا سبیل ہو سکتی ہے۔ پہلے بھی میں نے اسی حکمت عملی پر عمل کیا تھا اور انڈیا سے اسے ہنی مون منانے کے بہانے پاکستان کے شہر راولپنڈی لے گیا تھا اور پھر وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔ اب بھی مجھے اسی حکمت عملی سے کام لینا چاہئے تھا۔ میں نے سر جھکا لیا۔ یہ ظاہر کیا جیسے میں نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ میں نے سر اٹھا کر نتالیا کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''نتالیا! آخر میں ایک زندہ انسان ہوں۔ کسی ایسی عورت کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزار سکتا ہوں جس کے ساتھ مجھے محبت نہ ہو۔''

میرا تیر ٹھیک نشانے پر جا کر لگا تھا۔ نتالیا مسکرانے لگی۔ اُس کی آواز بھی عورت کی آواز میں تبدیل ہو گئی۔ اُس نے کہا۔ ''فیروز! تم مجھ سے محبت کیوں نہیں کرتے؟ کیا میں خوبصورت نہیں ہوں؟ کیا میں تم سے محبت نہیں کرتی؟ اور پھر یہ بھی تو سوچو کہ میں ہمیشہ جوان رہوں گی۔ مجھے نہ بڑھاپا آئے گا نہ موت ہی آئے گی۔ تمہیں اور کیا چاہئے؟''

میں نے کہا۔ ''لیکن میں تو بوڑھا ہو جاؤں گا اور ایک دن مجھے موت بھی آ جائے گی۔ پھر تم کیا کرو گی؟''

نتالیا نے کہا۔ ''میں تمہیں بوڑھا نہیں ہونے دوں گی اور تمہیں موت سے بھی

بچالوں گی۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔"

میں جانتا تھا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ ایسا کرنے کا اس کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے اور موت تو برحق ہے جس وقت میرا وقت پورا ہو جائے گا تو وہ ضرور آئے گی لیکن میں ایک خاص حکمت عملی پر چل رہا تھا۔ میں نے اُسے کہا۔ "اگر ایسی بات ہو سکتی ہے تو پھر مجھے اور کیا چاہئے۔ پھر تو میں ضرور تم سے محبت کرنے لگوں گا۔"

میں نے دیکھا کہ نتالیا کے چہرے پر ایک عجیب دلکشی سی آگئی۔ عورت آسیب ہو یا چڑیل ہو۔ محبت شاید اس کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے۔ میں نے نتالیا کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اُس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوم لیا۔

اُس کے ہونٹ ٹھنڈے تھے۔ مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے میرے ہاتھ پر برف کی ڈلی رکھ دی ہو۔ میں جلدی سے ہاتھ پیچھے کھینچنا چاہتا تھا مگر میں نے ایسا نہ کیا اور دل پر جبر کر کے کہا۔ "نتالیا! کیا تم سچ مچ مجھ سے اتنا ہی پیار کرتی ہو؟"

نتالیا کہنے لگی۔ "تم میرے پیار کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ہم جب کسی انسان سے پیار کرتی ہیں تو ہمارا پیار اس انسان کی موت کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا۔ ہم اس کی موت کے بعد بھی اسے اپنے پاس لے آتی ہیں۔"

میں نے اپنے دل میں کہا۔ خدا نہ کرے کہ کبھی ایسا ہو۔ اوپر سے کہا۔ "نتالیا! میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ ابھی مجھے تم سے اتنا پیار نہیں ہوا جتنا تمہیں مجھ سے ہے لیکن اگر ہو گیا تو میں اپنے آپ کو دُنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھوں گا کیونکہ میرا پیار موت کے بعد بھی زندہ رہے گا۔"

یہ سن کر نتالیا کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اُس نے بے اختیار ہو کر میرے ہاتھ کو ایک بار پھر چوم لیا اور میرا ہاتھ ایک بار پھر ٹھنڈا یخ ہو گیا۔

میں نے نتالیا سے پوچھا۔ "نتالیا! یہ بتاؤ کہ یہ کون سی جگہ ہے جہاں تم مجھے اپنے

ساتھ لائی ہو اور کیا میں تمہارے ساتھ ساری زندگی اسی بند کمرے میں گزار دوں گا؟"

نتالیا نے بڑی لگاوٹ کے ساتھ کہا۔ "جب تم مجھ سے دل سے محبت کرنے لگو گے تو پھر تم یہاں سے باہر نکل کر اس دنیا کی سیر کر سکو گے جہاں میں تمہیں لے کر آئی ہوں۔ ابھی میرے ساتھ آؤ کم از کم میں تمہیں یہ ضرور دکھانا چاہتی ہوں کہ میں نے تمہیں کس جگہ رکھا ہوا ہے۔ آؤ۔"

اُس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ہم دونوں پلنگ پر سے اتر کر سامنے والی دیوار کی طرف بڑھے۔ میں نے کہا۔ "سامنے تو دیوار ہے۔ میں دیوار میں سے کیسے گزروں گا؟"

نتالیا نے کہا۔ "تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے۔ تم میرے ساتھ ہی دیوار میں سے گزر جاؤ گے۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ میں نتالیا کے ساتھ ہی دیوار میں سے گزر گیا۔ دیوار کی دوسری طرف آیا تو دیکھا کہ سامنے ایک تنگ زینہ ہے جو اُوپر کو جاتا ہے۔ نتالیا مجھے ساتھ لے کر زینہ چڑھنے لگی۔ زینہ ختم ہوا تو سامنے پھر ایک دیوار آگئی۔ وہ میرا ہاتھ تھام کر اس دیوار میں سے بھی نکل گئی۔ اب میں نے دیکھا کہ میں ایک شکستہ چبوترے کے پاس کھڑا ہوں جس کے اوپر درمیان میں ایک قبر بنی ہوئی ہے۔ قبر پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی ہے اور اس کے سرہانے کی جانب قبر کے اندر سے درخت کی ایک سوکھی ہوئی ٹہنی باہر نکلی ہوئی ہے اور ٹہنی کے اوپر ایک انسانی کھوپڑی ٹنگی ہوئی ہے۔

یہ دیکھ کر مجھ پر خوف سا طاری ہو گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ میں کسی قبر کے اندر قید کر دیا گیا ہوں۔

میں نے نتالیا سے پوچھا۔ "یہ کس کی قبر ہے؟"

نتالیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہاری قبر ہے۔"

یہ سن کر میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ اس منحوس چڑیل نے یہ کیا کہہ دیا تھا۔ کیا واقعی یہ میری قبر تھی؟ مگر میں تو ابھی زندہ تھا۔

میں نے نتالیا سے کہا۔ ”مگر نتالیا میں تو ابھی زندہ ہوں پھر میری قبر کہاں سے آ گئی؟“

نتالیا کہنے لگی۔ ”اگر تم نے اس بار مجھ سے بھاگنے کی کوشش کی تو میں تمہارا خون پینے اور تمہارے جسم کے ٹکڑوں کا گوشت کھانے کے بعد تمہاری ہڈیوں کو اسی جگہ دفن کردوں گی۔ پھر یہی تمہاری قبر بن جائے گی۔“

نتالیا میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں ایک خون منجمد کر دینے والی دہشت تھی۔ میرے بدن میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

میں نے کہا۔ ”نہیں نتالیا نہیں۔ اگر مجھے تم سے محبت ہو گئی جو ضرور ہو جائے گی تو پھر مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں تم سے بھاگ کر جاؤں گا۔ پھر تو میں ساری زندگی تمہارے ساتھ ہی گزاروں گا۔“

نتالیا نے خوش ہو کر کہا۔ ”میں بھی یہی چاہتی ہوں۔“

میں نے موقع مناسب جان کر نتالیا سے پوچھ لیا کہ یہ کون سی جگہ ہے؟

اس نے کہا۔ ”ابھی میں تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ جب مجھے یقین ہو جائے گا کہ تم نے واقعی میرے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں تمہیں خود اس دنیا کی سیر کراؤں گی۔“

میں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نتالیا سے زبردست اظہار محبت شروع کر دیا۔ وقت کا مجھے وہاں کچھ پتہ نہیں تھا۔ پہلے دو چار دنوں تک مجھے یاد رہا پھر بھول گیا کہ اس قبر کے اندر رہتے مجھے کتنے دن گزر گئے ہیں۔ نتالیا کے ساتھ میں ہمیشہ ہنس کر اور محبت کے انداز میں بات کرتا۔ اسے یہی تاثر دیتا کہ میں اس کے ساتھ بڑا خوش ہوں۔

ایک روز وہ مجھے پوچھنے لگی۔ ”فیروز! کیا تم سچ مچ مجھ سے محبت کرتے ہو یا محض یہ سب کچھ دکھاوے کی خاطر کر رہے ہو؟“

میں نے کہا۔ ”نتالیا! میں پہلے تم سے محبت نہیں کرتا تھا۔ مگر تمہارے ساتھ رہتے ہوئے میں نے محسوس کیا ہے بلکہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اگر میں دنیا میں دوسری بار بھی آ جاؤں تو مجھے تم ایسی وفادار اور محبت کرنے والی بیوی نہیں ملے گی۔ اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمہارے ساتھ رہ کر میں کبھی بوڑھا نہیں ہوں گا۔ ہمیشہ اسی حالت میں تندرست اور جوان رہوں گا۔ یہ دولت تو مجھے دنیا کی کسی عورت کے پاس نہیں مل سکتی سوائے تمہارے۔“

محبت واقعی عورت کی کمزوری ہوتی ہے۔ عورت کتنی ہوشیار، عیار اور سنگدل کیوں نہ ہو محبت کے دو بول اگر مسلسل اس کے کان میں پڑتے رہیں تو ایک بار تو وہ ساری سنگدلی اور چالاکیاں بھول جاتی ہے۔

لیکن میں ابھی جلدی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں بڑے صبر سے کام لے رہا تھا۔ ایسا کرنا بہت ضروری تھا۔ نتالیا بھی اتنی جلدی میرے بدلے ہوئے رویئے سے تبدیل ہونے والی جنس نہیں تھی۔ میں اس حقیقت سے آگاہ تھا اس لئے ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لے رہا تھا۔

میرا خیال ہے مجھے اس قبر نما کوٹھڑی میں رہتے ہوئے شاید ڈیڑھ دو مہینے گزر گئے ہوں گے کہ ایک روز نتالیا نے خود ہی کہا۔ ”فیروز! چلو میں تمہیں باہر کی سیر کرا لاؤں۔“

میں اس کے منہ سے یہی جملہ سننے کو ترس رہا تھا۔ پھر بھی میں نے اپنے اشتیاق کو ذرا سا بھی ظاہر نہ ہونے دیا الٹا کہہ دیا۔ ”نہیں نتالیا! اب میرا جی یہاں بڑا لگ گیا ہے۔ یہاں سے باہر نکلنے کو ذرا جی نہیں چاہتا۔“

وہ میرے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ کہنے لگی۔ میں جانتی ہوں تمہارا یہاں سے نکلنے

کو جی نہیں چاہتا اور نہ تم خود مجھ سے اس خواہش کا اظہار کرتے۔ لیکن آج میرا بھی دل اپنی دنیا کی سیر کرنے کو چاہتا ہے اس لئے میں تمہیں بھی ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔"

اس وقت میں نے کہہ دیا۔ "تم کہتی ہو تو میں چلتا ہوں۔"

ناتالیا نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ہم دیوار میں سے گزر کر اس بند قبر کے اندر سے باہر آ گئے۔ وہ جگہ کسی گھنے جنگل کے درمیان واقعی تھی۔ اِرد گرد اونچے اونچے گنجان درخت ہی درخت تھے۔ درمیان میں گول دائرے کی شکل میں کچھ زمین خالی تھی جہاں ناتالیا نے میری قبل از وقت قبر بنا کر مجھے اس کے نیچے کوٹھڑی میں قید کر رکھا تھا۔ اُس نے میرا ہاتھ بڑی محبت سے پکڑا ہوا تھا۔ اس طرح نہیں پکڑا ہوا تھا جس طرح پولیس کسی مجرم کا ہاتھ پکڑ کر اسے لے جاتی ہے۔ ہم دونوں انسانی شکل و صورت میں چل رہے تھے۔ اونچے گھنے درختوں کے درمیان ایک چھوٹا سا راستہ بنا ہوا تھا جس پر ہلکا ہلکا اندھیرا چھا رہا تھا۔ ہم اس راستے پر سے گزرتے ہوئے ایک کھلے میدان میں آ گئے جہاں جنگلی جھاڑیاں اور گھاس اُگی ہوئی تھی۔ میدان کے آخری کنارے پر ایک بہت بڑی اور اونچی دیوار کھڑی تھی۔ یہ کسی قلعے کی دیوار لگتی تھی۔ میں نے ناتالیا سے پوچھا۔ "کیا آگے کوئی قلعہ ہے جس کی یہ دیوار ہے؟"

ناتالیا نے کہا۔ "یہ اس قلعے کی دیوار ہے جس کے اندر ہم اس وقت موجود ہیں۔ یہاں سے کوئی بھی اس دیوار کو پار کر کے دوسری طرف نہیں جا سکتا۔ اس دیوار پر میری غلام بدروحیں چوبیس گھنٹے پہرہ دیتی ہیں۔"

میں نے کہا۔ "مگر یہاں تو مجھے سوائے اپنے اور کوئی انسان نظر نہیں آیا۔ پھر یہاں سے بھاگ کر کون جائے گا؟"

ناتالیا نے کہا۔ "یہاں بھی ایک مخلوق رہتی ہے جو میرے قبضے میں ہے۔ اسے تم نہیں دیکھ سکتے۔"

میں نے پوچھا۔ "اس دیوار کے پار کیا ہے؟"

ناتالیا نے کہا۔ "یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ آؤ واپس چلتے ہیں۔"

میں اس کے ساتھ گھنے پراسرار اور خاموش جنگل کے تنگ و تاریک راستے میں سے ہوتا ہوا واپس اپنی قبر نما کوٹھڑی میں آ گیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس کوٹھڑی میں اس آسیبی عورت ناتالیا کے ساتھ رہتے ہوئے نہ تو مجھے بھوک لگتی تھی نہ پیاس لگتی تھی اور نہ میں کچھ کھاتا تھا، نہ پیتا تھا اور مجھے کسی قسم کمزوری بھی کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ تین چار دن کے بعد ناتالیا مجھے وہاں سے نکال کر پیچھے درختوں کے جھنڈ میں لے جاتی تھی جہاں درختوں کی جھکی ہوئی شاخوں کے درمیان ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔ وہاں میں نہاتا اور نہانے کے بعد ناتالیا کے ساتھ ہی اپنی کوٹھڑی بلکہ جیل میں آ کر بند ہو جاتا۔

O

نتالیا پر میں اپنے رویئے سے یہی ظاہر کر رہا تھا کہ میں وہاں بڑا خوش اور مطمئن ہوں۔ ایک بار میں نے اسے کہا۔ ”نتالیا! یقین کرو۔ میرا دل واپس اپنی دنیا میں جانے کو بالکل نہیں چاہتا۔ دنیا میں تو میرے ساتھ کئی غم فکر لگے رہتے تھے کھانے پینے کا فکر، یہ فکر کہ بیمار نہ پڑ جاؤں، روپے پیسے کا فکر۔ یہاں مجھے کوئی فکر نہیں۔ یہاں میں نہ کبھی بیمار ہی ہوا ہوں اور نہ کبھی معمولی سا سر درد ہی ہوا ہے۔“

نتالیا کہنے لگی۔ ”یہ جگہ تمہیں زمین پر اور کہیں نہیں ملے گی لیکن ایک بات بتاؤ کیا تم دل میں اب بھی میری دشمن روہنی کو یاد کرتے ہو؟“

خواہ نتالیا ایک چڑیل ہی تھی مگر عورت تھی اور حسد کا جذبہ اس کے اندر بھی موجود تھا۔ میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”یقین کرو نتالیا! تم نے مجھے اتنی محبت، اتنا پیار دیا ہے کہ میرے دل میں روہنی کا کبھی خیال بھی نہیں آیا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ روہنی سے میں نے کبھی محبت نہیں کی تھی۔ وہ ضرور مجھ سے کبھی کبھی محبت کا اظہار کرنے لگ جاتی تھی لیکن میرے دل میں اس کے لئے محبت کا ذرا سا خیال بھی کبھی نہیں آیا تھا بلکہ الٹا مجھے اس سے کوفت ہونے لگتی تھی کیونکہ اس کی وجہ سے میں خوامخواہ کی مصیبتوں میں پھنس گیا تھا۔ روہنی اور تم میں زمین، آسمان کا فرق ہے۔ وہ تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تم نے تو پہلے دن ہی مجھے دیکھتے ہی پسند کر لیا تھا اور جب میں نے تمہیں بھارت کے شہر میں پہلی بار ویران خانقاہ میں دیکھا تھا جہاں تم مجھے لے کر گئی تھیں تو مجھے تم بڑی اچھی لگی تھیں اور مجھے تم سے محبت ہو گئی تھی۔“

نتالیا کہنے لگی۔ ”تو پھر تم مجھے راولپنڈی شہر میں چھوڑ کر کیوں چلے گئے تھے؟“

میں نے فوراً کہا۔ ”میں تمہیں کیسے بتاؤں نتالیا کہ اس وقت مجھ پر اپنی دنیا، انسانوں کی دنیا کے لوگوں اور اپنے دوستوں اور رشتے داروں کے پاس واپس جانے کا خیال غالب آ گیا تھا۔ آخر میں انسان ہوں۔ یہ کمزوری تو ہر انسان میں ہوتی ہے کہ وہ اپنے جیسے انسانوں کی دنیا میں ضرور واپس جانا چاہتا ہے۔“

نتالیا کہنے لگی۔ ”کیا اب بھی اگر تمہیں اپنے لوگوں کا خیال آ گیا تو تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟“

میں نے کہا۔ ”میں بڑا احمق ہوں گا اگر اب تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں ذرا سوچو مجھے تم ایسی عورت، انسانوں کی دنیا میں کہاں ملے گی جو انتہائی حسین بھی ہو، جو مجھ سے بے پناہ پیار بھی کرتی ہو اور جس کے پاس رہ کر مجھ پر عمر کا اثر نہ ہوتا ہو اور میں سدا صحت مند اور جوان رہ سکتا ہوں۔ نہیں نہیں نتالیا! آئندہ مجھ پر اس قسم کا شک نہ کرنا۔ میں تم سے اب کبھی جدا نہیں ہوں گا بلکہ میں تم سے بھی یہی کہوں گا کہ تم بھی مجھے چھوڑ کر نہ جانا۔“

نتالیا کا چہرہ ایک بار پھر خوشی سے کھل گیا۔ اُس نے کہا۔ ”فیروز! میں تم سے الگ ہونے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔“

میں نے جان بوجھ کر چہرے کو اداس بناتے ہوئے کہا۔ ”لیکن نتالیا مجھے ایک بات کبھی کبھی پریشان کرتی ہے۔“

”کون سی بات؟“ نتالیا نے بے قرار سی ہو کر پوچھا۔

میں نے کہا۔ ”روہنی تمہاری دشمن ہے۔ وہ تمہیں مجھ سے جدا کرنے کی ضرور کوشش کرے گی۔“

نتالیا کہنے لگی۔ ”اس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ ہمارے قریب بھی پھٹک سکے۔ وہ ہمیں کیا جدا کرے گی؟“

میں نے کہا۔ ''لیکن اُس نے تمہاری کھوپڑی کا راز کہیں سے معلوم کر لیا ہے۔ وہ جان گئی ہے کہ اگر کسی طرح تمہاری کھوپڑی تلاش کر کے اس کو توڑ دیا جائے تو تمہاری موت واقع ہو سکتی ہے۔''

نتالیا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہنے لگی۔ ''وہ بڑی بے وقوف ہے۔ اس کو کہیں سے میری کھوپڑی کا راز ضرور معلوم ہو گیا تھا اور اُس نے میری کھوپڑی کو توڑنے کی کوشش بھی کی تھی۔ لیکن اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں نے اپنی کھوپڑی کو ایک ایسی خفیہ جگہ پر چھپا کر رکھا ہوا ہے کہ جہاں روہنی ایک ہزار سال تک بھی کوشش کرتی رہے تو نہیں پہنچ سکتی۔''

میں نے نتالیا سے بالکل نہ پوچھا کہ وہ کون سی خفیہ جگہ ہے۔ مجھے معلوم تھا اگر میں نے پوچھا تو اُسے مجھ پر شک ہو سکتا ہے کہ آخر میں کس لئے پوچھ رہا ہوں۔ میں نے کہا۔ ''بس۔ اب میری تسلی ہو گئی ہے۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ روہنی ہم دونوں کو جدا کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو گی۔''

مجھے ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ نتالیا نے شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی مجھ سے چھین کر کہاں چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔ یہ انگوٹھی اس کی کسی بھی انگلی میں بھی مجھے نظر نہیں آئی تھی۔ اس وقت موقع تھا۔ میں نے کہا۔ ''لیکن اگر روہنی کسی طریقے سے شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی تمہارے قبضے سے اُڑا کر لے گئی تو پھر تو تمہارا جادو اس پر نہیں چل سکے گا۔ شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی کو ڈھال بنا کر روہنی تم پر کاری وار کر سکے گی۔''

نتالیا کے چہرے پر کرختگی سی آ گئی۔ ایک دم اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور اس کی آواز بھی بدل گئی۔ وہ بڑی ڈراؤنی مردانہ آواز میں بولی۔ ''روہنی میں اتنی طاقت نہیں کہ میرے قبضے سے شیش ناگن کی انگوٹھی اٹھا کر لے جا سکے۔ اگر اس دفعہ اس نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو میں اسے لاوا اگلتے جوالا مکھی میں جھونک دوں گی۔

وہ پگھلا ہوا پتھر بن کر اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غائب ہو جائے گی۔''

میں نے یہ پوچھنے کی بالکل جرات نہ کی کہ اس نے شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی کون سی خفیہ جگہ پر چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔ میں نے صرف اتنا ہی کہا۔ ''نتالیا! روہنی کو ختم کرنے میں میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتا کہ وہ مجھے تم سے جدا کر دے۔''

محبت کے یہ الفاظ سن کر نتالیا کا چہرہ اور آواز اپنی اصلی حالت میں واپس آ گئے۔ اُس کے چہرے پر پہلے ایسی دلکشی آ گئی۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور بولی۔ ''تم کیوں فکر کرتے ہو فیروز! جب میں نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ ہم دونوں کو دنیا کی کوئی طاقت جدا نہیں کر سکے گی تو بس سمجھ لو کہ ہم رہتی دنیا تک ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے۔''

میں نے فوراً جواب دیا۔ ''بس نتالیا! اب ہمیشہ کے لئے میں مطمئن ہو گیا ہوں۔ اب میں کبھی ایسی پریشانی کی بات زبان پر نہیں لاؤں گا۔''

نتالیا نے محبت کے جذبے سے مغلوب ہو کر میرا ہاتھ چوم لیا اور میرا ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈا ہو گیا۔ اس طرح وہاں قبر نما کوٹھڑی میں رہتے رہتے کچھ اور وقت گزر گیا۔ یہ ایک مہینہ بھی ہو سکتا ہے اور ایک سال بھی ہو سکتا ہے۔ وقت کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اس دوران میں نے اپنے رویئے سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ میں دنیا میں اگر کسی سے محبت کرتا ہوں تو وہ صرف نتالیا ہی ہے۔ اسے بھی میری محبت کا یقین ہو گیا تھا چنانچہ اب وہ مجھے کبھی کبھی اپنے ساتھ باہر جنگل کی سیر کو لے جاتی تھی۔ اس کے ساتھ جنگل اور قلعے کے بلند اور مضبوط دیوار کے آس پاس پھرتے ہوئے میں ایک ایک چیز کو بڑے غور سے دیکھتا تھا اور انہیں اپنے ذہن میں نقش کر لیتا تھا کہ کوئی پتہ نہیں کب مجھے یہاں سے فرار ہونا پڑ جائے۔

میں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں زیادہ دن وہاں نہیں رہوں گا اور وہ

وقت آن پہنچا تھا جب مجھے وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرنی ہوگی۔ ایک دن نتالیا مجھے قلعے کی دیوار کے اندر میدان کے مشرق کی جانب ایک پرانے کھنڈر کے قریب لے گئی یہ کھنڈر کسی قدیم مندر کا کھنڈر لگتا تھا۔ دیواریں شکستہ ہو رہی تھیں۔ مندر کا دروازہ غائب تھا اور جنگلی گھاس نے اندر جانے والے راستے کو آدھے سے زیادہ چھپا رکھا تھا۔ اس کھنڈر کے قریب سے گزرتے ہوئے نتالیا رُک گئی۔ پھر اس کی طرف اشارہ کیا اور کہنے لگی۔ ''یہ ایک ہزار سال پرانا مندر ہے۔ کسی زمانے میں یہاں آدم خوروں کے دیوتا کی پوجا ہوتی تھی۔ ایک مدت سے یہ مندر ویران پڑا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''کیا اب یہاں کوئی بدروح بھی نہیں رہتی؟''

نتالیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''نہیں۔ کوئی بدروح نہیں رہتی۔ لیکن ایک تمہاری دنیا کا انسان ضرور رہتا ہے۔''

''یہ انسان یہاں کیا کر رہا ہے؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

نتالیا نے کہا۔ ''یہ میری غلام بدروحوں کا شکار ہے۔ بدروحیں ہر مہینے زندہ انسانوں کی دنیا سے ایک انسان کو پکڑ کر لے آتی ہیں۔ اسے ایک مہینے تک یہاں قید میں رکھ کر اسے خوب کھلا پلا کر صحت مند کرتی ہیں۔ پھر ایک رات اس کا گلا کاٹ کر پہلے باری باری اس کا سارا خون پی جاتی ہیں۔ اس کے بعد اس کا گوشت نوچ کر کھا جاتی ہیں۔ بدروحیں یہ انسان کل ہی انسانوں کی دنیا سے شکار کر کے لائی ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''لیکن اس کھنڈر کا تو کوئی دروازہ بھی نہیں ہے۔ پھر قیدی انسان نکل کر بھاگ کیوں نہیں جاتا؟''

نتالیا نے کہا۔ ''اسے اندر باندھ کر رکھا ہوا ہے۔ اور پھر وہ بھاگ کر جائے گا بھی کہاں۔ اس قلعے کی چار دیواری کے باہر اور اندر بدروحوں کا پہرہ ہے۔ وہ تو فوراً پکڑا جائے گا۔''

نتالیا میرا ہاتھ پکڑ کر آگے چل دی۔ میرا ذہن اس بدنصیب انسان کے بارے

میں سوچ رہا تھا جس نے ایک مہینے بعد یہاں کی آدم خور بدروحوں کی خوراک بن جانا تھا۔ یونہی میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اس بدنصیب انسان سے ملنا چاہئے۔ میں اس انسان کو بڑی آسانی سے مل سکتا تھا کیونکہ ایک تو ویران کھنڈر کے باہر کسی بدروح کا پہرہ نہیں تھا۔ دوسرے اب نتالیا کے خود اپنے اصرار پر میں کبھی کبھی اکیلا بھی قلعے کی چار دیواری کے اندر اِدھر اُدھر سیر کرنے نکل جایا کرتا تھا۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ باہر نکل کر جائزہ لوں کہ وہاں سے فرار ہونا ممکن بھی ہے یا نہیں۔ جب مجھے نتالیا نے بتایا کہ کوٹھڑی میں ایک زندہ انسان قید ہے۔ جس کو ایک ماہ کے بعد قتل کر کے بدروحیں کھا جائیں گی تو میں نے اس سے ملنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ معلوم کروں کہ یہ آدمی کون ہے۔ اگر اس جنگلی علاقے کا ہوا تو اُسے ضرور اس جگہ کے اسرار و رموز کا علم ہوگا اور وہ خود بھی وہاں سے فرار ہونے کے لئے بے تاب ہوگا۔ اس سے مل کر میرے فرار کا بھی کوئی راستہ نکل سکتا تھا۔

میں نتالیا کی موجودگی میں اُس آدمی سے ملنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ نتالیا ہفتے میں ایک دو دن کے لئے کہیں چلی جایا کرتی تھی۔ میں اُس کے جانے کا انتظار کرنے لگا۔ آخر مجھے موقع مل گیا۔ نتالیا کہنے لگی۔ ''میں اپنے قبیلے کے سردار سے ملنے جا رہی ہوں۔ مجھے دو دن لگ جائیں گے۔ تمہارا باہر چلنے پھرنے کو دل چاہے تو یہاں سے زیادہ دُور نہ جانا۔''

میں نے کہا۔ ''نتالیا! تمہارے بغیر تو میرا باہر ٹہلنے کو بھی جی نہیں کرتا۔''

''نہیں نہیں۔ باہر نکل کر ٹہل لیا کرنا۔'' نتالیا نے کہا۔ ''میں زیادہ سے زیادہ دو دنوں کے بعد آجاؤں گی۔''

نتالیا چلی گئی۔ وہ جس وقت گئی شام ہو رہی تھی۔ میں رات کا اندھیرا ہو جانے کا انتظار کرنے لگا۔ جب رات گہری ہو گئی تو میں اپنی قبر نما کوٹھڑی سے نکل آیا اور اندھیرے میں درختوں کی آڑ لیتا اجاڑ مندر کے کھنڈر کے عقب میں آ گیا۔ کھنڈر میں

جو ویران کوٹھڑی تھی اس پر گہری خاموشی اور اندھیرا چھایا ہوا۔ کوٹھڑی کا کوئی دروازہ تو تھا نہیں۔ آگے اونچی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ میں دبے پاؤں چلتا گھاس کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ مجھے کسی انسان کے سانس لینے کی آواز آئی۔

میں نے کہا۔ ”کیا تم جاگ رہے ہو؟“

ایک نوجوان آدمی کی مدھم سی آواز ابھری۔ ”تم کون ہو؟ میرا خون پینے آئے ہو تو میں حاضر ہوں۔ میں چاہوں بھی تو اپنے بچاؤ کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔“

میں نے مدھم آواز میں جلدی سے کہا۔ ”میں بھی تمہاری طرح ان بدروحوں کی قید میں ہوں۔ تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ کیا یہاں سے فرار ہونے کی کوئی سبیل بن سکتی ہے؟“

اندھیرا اتنا گہرا تھا کہ مجھے بدقسمت قیدی نظر نہیں آرہا تھا۔ اچانک ایک ہاتھ میرے کندھے سے آلگا۔ پھر اس ہاتھ نے میرا بازو تھام لیا اور کہا۔ ”کیا تم واقعی انسان ہو؟ کوئی بدروح تو نہیں ہو؟“

میں اُس آدمی کے قریب بیٹھ گیا اور دھیمی آواز میں کہا۔ ”بھائی میں کوئی بدروح نہیں ہوں۔ تمہاری طرح قسمت کا مارا ایک بدنصیب انسان ہوں جو ان بدروحوں کے قبضے میں آگیا ہے۔“

”مجھے یقین نہیں آتا۔“ اُس آدمی نے کہا۔

میں نے کہا۔ ”بھائی ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ یہاں سے فرار کیسے ہوا جائے؟“

وہ بولا۔ ”اگر تم میرا ساتھ دو تو ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ بتاؤ کہ یہ بدروحیں تمہیں کہاں سے پکڑ کر لے آئی ہیں؟“

اُس نے کہا۔ ”بس میری بدقسمتی کہ میں ان کے ہاتھ آگیا۔ میرا نام شکالا ہے۔ یہاں سے بہت دور ہمارا قبیلہ ایک جنگل میں رہتا ہے۔ میرا باپ قبیلے کا سردار ہے۔“

میں نے کہا۔ ”شکالا! باقی باتیں بعد میں ہو جائیں گی۔ جلدی سے بتاؤ کہ ہم یہاں سے فرار کیسے ہو سکتے ہیں؟“

شکالا کہنے لگا۔ ”یہاں چاروں طرف قلعے کی اونچی فصیل ہے۔ اس فصیل پر بدروحوں کا پہرہ ہے۔ اگر ہم نے اس طرح وہاں سے دیوار پھاندنے کی کوشش کی تو بدروحیں ہمیں پکڑ لیں گی اور میرے ساتھ تمہیں بھی اپنا تر نوالہ بنانے کے لئے قید میں ڈال دیں گی۔“

میں نے پوچھا۔ ”کیا کوئی ایسا طریقہ نہیں کہ ہم جان بچا کر یہاں سے فرار ہو سکیں؟“

شکالا اندھیرے میں میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے اندھیرے میں اُس کا دھندلا سا ہیولا نظر آرہا تھا۔ وہ نوجوان تھا اور اس نے جسم پر صرف ایک نیکر سی پہن رکھی تھی۔ کہنے لگا۔ ”ان بدروحوں کی سردارنی ایک آسیبی عورت ہے۔ اس کا نام نتالیا ہے۔ اگر ہمیں اس آسیبی عورت کے سر کے کچھ بال مل جائیں تو ہم آسانی سے فرار ہو سکتے ہیں اور ہمیں کوئی دیکھ بھی نہیں سکے گا۔“

مجھے یاد آگیا کہ نتالیا صبح صبح کوٹھڑی میں اپنے بالوں میں کنگھی کر کے اُترے ہوئے بالوں کا گچھا بنا کر کوٹھڑی کے ایک طاق میں رکھ دیا کرتی تھی۔ جب میں نے شکالا کو بتایا کہ میں آسیبی عورت کے سر کے بال لا سکتا ہوں تو بے اختیار اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور بولا۔ ”کیا تمہیں یقین ہے کہ تم ایسا کر سکتے ہو؟“

میں نے کہا۔ ”یقین کی کیا بات ہے۔ میں ابھی جا کر آسیبی عورت کے بال لے آتا ہوں۔“

شکالا کو میں عالم حیرت میں ڈوبا چھوڑ کر کوٹھڑی سے نکل گیا۔ اندھیرے میں

درختوں کے عقب میں تیز تیز چلتا میں اپنی قبر نما کوٹھڑی میں آ گیا۔ کونے والے طاق میں ہاتھ ڈالا تو نتالیا کے بالوں کا ایک گچھا میرے ہاتھ میں آ گیا۔ میں نے اُسے اپنے کپڑوں میں چھپایا اور جس تیزی سے آیا تھا اُسی تیزی سے چلتا شکالا کے پاس آ گیا۔

میں نے نتالیا کے بالوں کا گچھا اُسے دیتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ ''یقین کرو۔ یہ آسیبی عورت کے سر کے بال ہی ہیں۔''

شکالا کہنے لگا۔ ''ابھی پتہ چل جائے گا۔ میں ان بالوں کو جلا کر اس کی راکھ کو اپنے جسم پر اور تمہارے جسم پر ملوں گا۔ اگر ہم دونوں غائب ہو گئے تو یہ بال آسیبی عورت کے ہی ہوں گے۔''

میں نے کہا۔ ''بالوں کو جلاؤ گے کیسے؟ کیا تمہارے پاس ماچس ہے؟''

شکالا نے کہا۔ ''ماچس نہیں ہے۔ لیکن تم فکر نہ کرو میں ابھی آتا ہوں۔''

شکالا مجھے کوٹھڑی میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں درخت کی دو کٹی ہوئی ٹہنیاں تھیں۔ اُس نے نتالیا کے بالوں کا گچھا مجھ سے لے کر زمین پر اپنے پاؤں کے درمیان رکھا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے اوپر درخت کی شاخوں کو زور زور سے رگڑنے لگا۔ یہ آگ جلانے کا جنگلی طریقہ تھا۔ ایک دو منٹ تک وہ زور زور سے درخت کی شاخوں کو رگڑتا رہا۔ پھر اچانک ان میں سے چنگاریاں نکلنے لگیں اور بالوں کے گچھے نے آگ پکڑ لی اور وہ جل کر راکھ ہو گیا۔ شکالا نے راکھ اُٹھا کر پہلے اپنے جسم پر ملی اور وہ میرے سامنے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ میں نے اندھیرے میں ہاتھ بڑھا کر شکالا کو چھونا چاہا مگر وہ میرے ہاتھ نہ آیا۔ کہنے لگا۔ ''یہ آسیبی عورت کے ہی بال ہیں۔ اب میں تمہیں غائب کرنے لگا ہوں۔''

اس نے نتالیا کے بالوں کی راکھ میرے چہرے پر ملی تو میں بھی غائب ہو گیا۔ شکالا نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ کہنے لگا۔ ''اپنا ہاتھ مت چھڑانا۔ چلو یہاں سے نکل چلیں۔''

''ہم کس طرف جائیں گے؟'' میں نے پوچھا۔

شکالا نے کہا۔ ''تم خاموشی سے دیکھتے چلو۔ بولنا بالکل نہیں۔''

کھنڈر کی کوٹھڑی سے غیبی حالت میں باہر نکلتے ہی شکالا نے قلعے کی اونچی فصیل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ پھر وہ دوڑنے لگا اور میرا ہاتھ پکڑ کر ساتھ مجھے بھی دوڑا رہا تھا۔ ہم بہت جلد فصیل کے پاس پہنچ گئے۔ شکالا نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ اُس نے میرے کان کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔ ''گھبرانا نہیں۔ ہم دیوار کے اندر سے گزر جائیں گے۔''

میں نے سرگوشی میں ہی کہا۔ ''شکالا! یہاں بدروحوں کا پہرہ ہے۔''

شکالا کہنے لگا۔ ''ہمارے جسموں پر ان بدروحوں کی سردارنی کے بالوں کی راکھ ہے۔ یہ نہ ہمیں دیکھ سکتی ہیں نہ ہم پر ان کا کوئی جادو اثر کر سکتا ہے۔''

شکالا مجھے ساتھ لئے قلعے کی مضبوط چٹانی دیوار میں سے نکل گیا۔

میں اس قسم کے تجربوں سے پہلے کئی بار گزر چکا تھا اس لئے مجھے تعجب نہ ہوا۔ بس ایک ہی ڈر تھا کہ اگر کسی طرح سے نتالیا کو میرے فرار کا پتہ چل گیا تو وہ ایک سیکنڈ میں یہاں پہنچ جائے گی اور پھر مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔ لیکن مجھے ایک نہ ایک دن یہ خطرہ تو مول لینا ہی تھا۔

جیسے ہی ہم قلعے کی فصیل سے باہر آئے شکالا نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور کہا۔ ''ہم ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں۔ جتنی تیز بھاگ سکتے ہو میرے ساتھ بھاگنا شروع کر دو۔''

میرا خیال تھا کہ شاید ہم ہوا میں اُڑنے لگیں گے لیکن ایسا نہ ہوا۔ ہم اُڑ نہیں سکتے تھے صرف دوڑ سکتے تھے۔ ہمارے جسم بالکل ہلکے نہیں ہوئے تھے۔ مجھے بھی اپنے جسم کا بوجھ محسوس ہو رہا تھا لیکن یہ بوجھ نہ ہونے کے برابر تھا جس کی وجہ سے ہم معمول کی رفتار سے شاید دس گنا زیادہ تیزی کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ باہر ستاروں کی

روشنی میں ہم ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے مگر ہمیں کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھ سکتا تھا۔ شکالا بڑی تیز رفتاری سے بھاگ رہا تھا۔ وہ جنگلی قبیلے کا نوجوان تھا اسے تیز دوڑنے کی عادت تھی۔ اوپر سے ہمارے جسموں کا بوجھ دس گنا کم ہو گیا تھا۔ اس اعتبار سے ہم طوفانی آندھی کی طرح دوڑ رہے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے کہیں سے کہیں پہنچ گئے تھے۔ آگے دریا آگیا۔

شکالا نے دوڑتے دوڑتے مجھ سے کہا۔ ”دریا میں چھلانگ لگا دو۔“

پہلے اُس نے دریا میں چھلانگ لگائی اور اس کے پیچھے میں بھی دریا میں کود گیا۔ ہم دریا میں کودنے کے بعد صرف گھٹنوں تک پانی میں ڈوبے اور پھر جس طرح کوئی گیند دریا کی سطح پر واپس آجاتا ہے ہمارے پاؤں بھی دریا کی سطح پر واپس آگئے۔ اب ہم دریا کے اوپر دوڑ رہے تھے۔ یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ ہمارے پاؤں دریا کی لہروں پر دوڑتے ہوئے صرف ٹخنوں تک پانی میں جاتے تھے اور فوراً اُبھر آتے تھے۔ ایسا صرف اس لئے ہو رہا تھا کہ ہمارا وزن دس گنا کم ہو چکا تھا اور دوسرے ہمارے دوڑنے کی رفتار بھی بڑی تیز تھی۔

جو شے تیزی سے حرکت کر رہی ہو سائنس کے اصول کے مطابق ویسے بھی زمین کی کشش کی شعاعیں اسے بہت کم نیچے کی طرف کھینچتی ہیں۔ ہم ایک ڈیڑھ منٹ میں دریا عبور کر گئے۔ آگے جنگل شروع ہو گیا۔ ہم جنگل میں بھی دوڑتے چلے گئے۔ ہمارے سانس بھی زیادہ نہیں پھولے تھے۔ جنگل ختم ہوا تو آگے پہاڑیاں آگئیں۔ پہاڑیوں کے درمیان گزرنے کے لئے تنگ قدرتی راستے بنے ہوئے تھے۔ ہم ان راستوں پر دوڑنے لگے۔ ہم نے پہاڑیاں بھی عبور کر لیں۔ پہاڑیوں کی دوسری طرف آکر شکالا نے کہا۔ ”یہاں بیٹھ جاتے ہیں۔“

ہم بیٹھ گئے۔ ہم اتنا ہی ہانپ رہے تھے جیسے کوئی شخص ایک فرلانگ دوڑ کر ہانپتا ہے۔ کچھ دیر کے بعد ہمارے سانس معمول پر آگئے تو میں نے شکالا سے پوچھا۔ ”ہم

کس طرف جا رہے ہیں؟“

اُس نے کہا۔ ”میں اپنے قبیلے کی طرف جا رہا ہوں جو یہاں سے اب زیادہ دُور نہیں ہے۔ صرف ایک دریا راستے میں ہے۔“

میں نے کہا۔ ”تمہارے خیال میں بدروحوں کو تو ہمارا پتہ نہیں چلا ہو گا ناں؟“

شکالا بولا۔ ”تم آسیبی عورت کے جو بال لے آئے تھے یہ تم نے ایک ناممکن بات کو ممکن کر دکھایا تھا۔ یہ سب آسیبی عورت کے بالوں کی راکھ کا طلسم ہے کہ جس کی وجہ سے ہمارے فرار کا اس وقت تک کسی کو علم نہیں ہو سکتا جب تک کہ کوئی بدروح میری کوٹھڑی میں نہیں آتی۔“

مجھے اطمینان ضرور ہو گیا تھا لیکن ایک خطرے کا احساس ضرور تھا کہ نتالیا بڑی زبردست طلسمی طاقت رکھتی ہے لیکن چونکہ ابھی تک اس نے مجھ پر کوئی جوابی حملہ نہیں کیا تھا اس لئے مجھے کچھ تسلی بھی ہو رہی تھی کہ شکالا درست کہتا ہے نتالیا کے بالوں کی راکھ نے ہمیں ابھی تک نتالیا اور اس کی بدروحوں کے اثرات سے بچایا ہوا تھا۔

ہم نے ایک بار پھر دوڑنا شروع کر دیا۔ کافی دیر تک دوڑتے رہے۔ ایک بہت بڑا میدان عبور کیا۔ ایک وادی میں سے آندھی کی طرح سے گزر گئے۔ آگے دوسرا دریا آگیا۔ شکالا نے دوڑتے دوڑتے کہا۔ ”دریا میں میرے ساتھ چھلانگ لگا دو۔“

ہم نے دریا میں چھلانگیں لگا دیں اور دریا کی سطح پر دوسرے کنارے کی طرف کسی تیز لہر سے بھی زیادہ رفتار کے ساتھ دوڑنے لگے۔ دو منٹ میں ہم نے وہ دریا بھی عبور کر لیا۔

دریا کے دوسرے کنارے پر ایک اونچا نیچا پتھریلا میدان تھا۔ ہم دوڑتے چلے گئے اور یہ میدان بھی پار کر گئے۔ اُس میدان کی دوسری طرف پھر ایک جنگل آگیا۔ یہ جنگل اتنا گھنا تھا کہ ہم اس کے اندر دوڑ نہیں سکتے تھے۔ ہم چلنے لگے۔

شکالا نے کہا۔ ”میں اپنے قبیلے کے جنگل میں آ گیا ہوں۔ یہاں سے ہمارے قبیلے کا گاؤں زیادہ دور نہیں ہے۔“

میں نے شکالا سے کہا۔ ”تمہارے قبیلے کے لوگوں اور سردار کو کیسے پتہ چلے گا کہ ہم آ گئے ہیں۔ وہ تو ہمیں دیکھ ہی نہیں سکیں گے۔“

شکالا نے کہا۔ ”قبیلے کا سردار میرا باپ ہے۔ اس نے اپنے پاس ہمیشہ سے ایک افریقی جادوگر رکھا ہوا ہے جو قبیلے کو جنگل کی بدروحوں کے اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسے ہم کالا جادوگر کہتے ہیں۔ اس کے جادو سے ہم دوبارہ نظر آنے لگیں گے۔“

جنگل میں کچھ دیر چلنے کے بعد مجھے ایک تالاب کے کنارے بہت سے جھونپڑے دکھائی دیئے۔ ان جھونپڑوں کے درمیان الاؤ روشن تھا۔ جس جھونپڑے کے آگے الاؤ روشن تھا وہ جھونپڑا دوسرے جھونپڑوں سے کافی بڑا تھا اور اس کے باہر دو حبشی نیزے تھامے پہرہ بھی دے رہے تھے۔ شکالا نے دور سے مجھے بڑا جھونپڑا دکھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ میرے باپ کا جھونپڑا ہے۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہو گا۔ میرے ساتھ جھونپڑے میں آؤ۔“

ہم جھونپڑے کے بند دروازے میں سے اندر چلے گئے۔ چونکہ ہم غائب تھے اس لئے حبشی پہرے دار ہمیں نہ دیکھ سکے۔ جھونپڑے کے اندر ایک بہت بڑے تخت پوش پر بستر لگا تھا جس پر ایک بھاری بھرکم حبشی سو رہا تھا۔ شکالا سیدھا اس حبشی کے پاس چلا گیا اور اسے ہلاتے ہوئے بولا۔ ”بابا! میں آ گیا ہوں۔“

اس کا باپ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور چاروں طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ جھونپڑے میں ایک تیل کا بڑا لیمپ روشن تھا۔ اُس نے کہا۔ ”شکالا! تم مجھے نظر نہیں آ رہے۔ کیا تم شکالا کی روح ہو؟“

شکالا نے کہا۔ ”نہیں بابا! میں روح نہیں ہوں۔ میں شکالا ہوں۔ میرے ساتھ

میرا ایک دوست بھی ہے۔ ہم نے اپنے جسم پر ایک آسیبی عورت کے بالوں کی راکھ ملی ہوئی ہے جس کی وجہ سے ہم غائب ہو کر آسیبی عورت کی قید سے فرار ہو کر یہاں پہنچے ہیں۔“

حبشی سردار نے کہا۔ ”فکر نہ کرو شکالا۔ میں ابھی کالے جادوگر کو بلا کر تمہیں انسانی شکل میں واپس لاتا ہوں۔ تم میرے پاس بیٹھ جاؤ اپنے دوست کو بھی کہو کہ وہ بھی یہاں بیٹھ جائے۔“

ہم تخت پوش پر بیٹھ گئے۔ شکالا کے باپ نے چلا کر پہرے دار حبشیوں کو آواز دی۔ دونوں گھبرائے ہوئے فوراً اندر آ گئے۔ شکالا کے باپ نے کہا۔ ”کالے جادوگر کو بلاؤ۔ فوراً۔“

دونوں حبشی جلدی سے باہر چلے گئے۔ شکالا کے باپ نے اپنے بیٹے سے کہا۔ ”شکالا! خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ سلامت میرے پاس واپس آ گئے۔ ہم تو تمہاری طرف سے مایوس ہو چکے تھے۔ تم کہاں چلے گئے تھے؟“

شکالا نے اپنی ساری داستان اپنے باپ کو بیان کر دی کہ کس طرح وہ رات کے وقت جنگل میں سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک بدروح نے درخت کے اوپر سے اس پر چھلانگ لگائی اور اسے اٹھا کر لے گئی۔ اس نے جب میرے بارے میں بتایا کہ بابا اگر یہ آدمی میری مدد نہ کرتا تو میں کبھی تمہارے پاس واپس نہیں آ سکتا تھا۔ اس کے باپ کو میں نظر تو نہیں آ رہا تھا اس نے اندازے سے میری طرف دیکھ کر کہا۔

”بیٹا! تم نے مجھے ساری زندگی کے لئے خرید لیا ہے۔ میں تمہارا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔“

میں نے کہا۔ ”میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔ میں خود بھی ان بدروحوں کی قید سے فرار ہونا چاہتا تھا۔“

اتنے میں قبیلے کا کالا جادوگر آ گیا۔ اُس نے جھک کر سردار کو سلام کیا اور زمین پر

چوکڑی مار کر بیٹھ گیا۔ اس کے کندھے پر ایک تھیلا لٹک رہا تھا۔ زمین پر بیٹھتے ہی کالے جادوگر نے فضا میں کچھ سونگھتے ہوئے کہا۔ "سردار! مجھے یہاں تمہارے بیٹے شکالا کی بو آ رہی ہے۔ اس کے ساتھ کسی دوسرے آدمی کی بو بھی ہے۔"

سردار نے کہا۔ "کالے جادوگر! تم نے بالکل صحیح کہا۔ شکالا اپنے ایک دوست کے ساتھ اس وقت میرے قریب ہی بیٹھا ہے۔ وہ بدروحوں کی قید سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر وہ اور اس کا دوست دونوں غائب ہیں۔ ہمیں نظر نہیں آ رہے کیونکہ انہوں نے کسی بدروح کے بالوں کی راکھ اپنے جسموں پر ملی ہوئی ہے۔"

شکالا نے کہا۔ "یہ بدروح نہیں بلکہ ایک آسیبی عورت تھی جس کے بالوں کی راکھ میں نے اور میرے دوست نے اپنے جسم پر ملی ہوئی ہے اور ہم نظر نہیں آ رہے۔"

کالے جادوگر نے کہا۔ "میں ابھی اس راکھ کا اثر زائل کئے دیتا ہوں۔ تم دونوں میرے سامنے آ کر بیٹھ جاؤ۔"

میں اور شکالا تخت پوش پر سے اٹھ کر کالے جادوگر کے سامنے بیٹھ گئے۔ کالے جادوگر نے پٹاری میں سے کچھ ہڈیاں نکال کر زمین پر پھینکیں اور خدا جانے کس زبان میں منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اندازے سے ہم دونوں کی طرف منہ کر کے پھونکیں مارتا جاتا تھا۔ پھر اس نے ایک پیالے میں پانی ڈال کر اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا اور کچھ منتر پڑھ پڑھ کر ہم پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا۔ تیسرے چوتھے چھینٹے کے بعد ہم نظر آنے لگے اور اپنی انسانی شکل و صورت میں واپس آ گئے۔ حبشی سردار نے اپنے بیٹے کو گلے لگا لیا۔ پھر مجھے بھی گلے لگایا اور کہنے لگا۔

"سب لوگوں کو جگا دو۔ ہم جشن منائیں گے۔"

اسی وقت باہر تخت بج گیا۔ قبیلے کے سارے حبشی جھونپڑیوں میں سے نکل آئے اور سردار کے بیٹے کو ایک ایک کر کے گلے لگانے لگے۔ الاؤ زیادہ تیز روشن کر دیا گیا۔

میں اور شکالا تخت پر سردار کے دائیں اور بائیں بیٹھ گئے۔ اسی وقت ایک بھینس کو ذبح کر کے اس کا گوشت بھونا جانے لگا اور حبشیوں نے ڈھول بجا کر رقص شروع کر دیا۔ یہ جشن صبح تک جاری رہا اس کے بعد میں نے شکالا کے باپ کو بتایا کہ جس آسیبی عورت کی قید سے ہم لوگ فرار ہو کر آئے ہیں وہ بڑی خطرناک جادوگرنی عورت ہے اور وہ ضرور شکالا کے ساتھ مجھے بھی دوبارہ اٹھا کر لے جانے کے لئے ضرور آئے گی۔ شکالا کا باپ پریشان سا ہو کر میرا منہ تکنے لگا۔

O

شکالا کے باپ نے اسی وقت جشن بند کرا دیا اور مجھے شکالا اور کالے جادوگر کو لے کر اپنے شاہی جھونپڑے میں آ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''شیروان! جو کچھ تم نے مجھ سے کہا ہے وہ کالے جادوگر کو بھی بتاؤ۔''

میں نے اپنا نام انہیں شیروان ہی بتایا تھا اور یہ کہا تھا کہ میں بھی بمبئی کے ایک جنگل میں شکار کھیل رہا تھا کہ ایک بدروح کا آسیب مجھے وہاں سے اغوا کر کے لے گیا تھا۔ کالے جادوگر نے پوچھا۔ ''شیروان! تم نے سردار کو کیا بتایا ہے؟''

میں نے کہا۔ ''سنو کالے جادوگر! ہم لوگ بدروحوں کی قید سے فرار ہو کر تو آ گئے ہیں اور تم ہمیں غیبی حالت سے ہماری اصلی حالت میں واپس بھی لے آئے ہو لیکن ایک بات میں تمہیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں تو یہاں سے چلا جاؤں گا لیکن شکالا کو اپنے باپ کے پاس یہیں رہنا ہے۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان بدروحوں کی ایک سردارنی ہے جس کا نام نتالیا ہے۔ نتالیا صرف ایک بدروح ہی نہیں ہے وہ ایک بڑا خطرناک آسیب ہے۔ ہم اس آسیبی عورت نتالیا کے قیدی تھے۔ جس وقت ہم وہاں سے فرار ہوئے نتالیا وہاں پر موجود نہیں تھی۔ وہ آج نہیں تو کل واپس آ جائے گی۔ جب اسے پتہ چلے گا کہ میں اور شکالا اس کی قید سے فرار ہو چکے ہیں تو وہ اپنے جادو کے زور سے شکالا کا اور میرا پتہ چلا لے گی اور یہاں پہنچ جائے گی۔ اس کی طاقت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ وہ تمہیں بھی اور تمہارے ساتھ اس قبیلے کے سبھی آدمیوں اور عورتوں اور بچوں کو ہلاک کر کے ان کا خون پی جائے گی۔ بس میں

صرف یہی کہنا چاہتا تھا۔''

کالا جادوگر بڑے غور سے میری باتیں سن رہا تھا۔ جب میں چپ ہوا تو اس نے اپنے کالے جادو کی ڈینگیں مارنے یا اپنے جادو کے بڑے بڑے دعوے کرنے کی بجائے مجھ سے پوچھا۔ ''جس آسیبی عورت کا تم ذکر کر رہے ہو اور جس نے تمہیں قید کیا ہوا تھا کیا کسی وقت اس کی آواز مردوں کی طرح ہو جاتی تھی؟''

میں نے کہا۔ ''ہاں! بالکل ہو جاتی تھی۔ جب وہ غصے کی حالت میں ہوتی تو اس کی آواز بدل کر مرد کی آواز میں بدل جاتی تھی اور بڑی ڈراؤنی ہو جاتی تھی۔''

کالے جادوگر نے اپنے تھیلے میں سے ایک ہڈی نکال کر زمین پر رکھ دی۔ اس کے بعد دوسرا سوال پوچھا۔ ''کیا اس دنیا کی بدروحیں انسان کا خون پیتی تھیں؟''

میں نے کہا۔ ''ہاں..... خون بھی پیتی تھیں اور مردہ لاشوں کا گوشت بھی کھا جاتی تھیں۔''

کالے جادوگر نے تھیلے میں سے دوسری انسانی ہڈی نکال کر زمین پر رکھ دی۔ پھر مجھ سے پوچھا۔ ''کیا یہ بدروحیں رات کے اندھیرے میں چمگادڑیں بھی بن جاتی تھیں؟''

میں نے کہا۔ ''ہاں! ضرور بن جاتی ہوں گی۔ میں نے رات کے وقت اپنے اِرد گرد چمگادڑوں کے غوطے لگانے کے شراٹے اور ان کی باریک سیٹیوں کی آوازیں اکثر سنی تھیں۔''

کالے جادوگر نے کہا۔ ''وہ چمگادڑیں بدروحیں ہی تھیں۔''

اور اس نے تھیلے میں سے ایک اور ہڈی نکال کر رکھ دی۔ پھر شکالا کے باپ کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ ''سردار! یہ بڑی خونی بدروحیں ہیں۔ ان کی طاقت پاتال کی روحوں سے بھی بڑھ کر ہے۔''

سردار نے پریشان لہجے میں پوچھا۔ ''تو کیا وہ میرے بیٹے کو دوبارہ اغوا کر کے بھی

لے جا سکتی ہیں؟"

کالے جادوگر نے کہا۔ "ایسا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان بدروحوں کو ایک ہزار میل سے اپنے دشمن اور اپنے قیدی کی بو آجاتی ہے اور وہ اس کی بو کا پیچھا کرتی کرتی اس کو جا کر دبوچ لیتی ہیں چاہے وہ اس سے دس ہزار میل کے فاصلے پر ہی کیوں نہ ہو۔"

شکالا اور اس کا باپ یہ سن کر بہت زیادہ گھبرا گئے۔ سردار نے کہا۔ "تم بھی بہت بڑے جادوگر ہو۔ کیا تم ان بدروحوں کا کوئی توڑ نہیں کر سکتے؟"

میں خاموشی سے کالے جادوگر کی طرف دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ بے چارہ ان بدروحوں اور خاص طور پر نتالیا کے آسیب کا بھلا کیا مقابلہ کر سکے گا۔

کالے جادوگر نے کہا۔ "سردار! ان بدروحوں اور ان کی سردارنی آسیبی عورت کا جادو مردہ بدروحوں کا جادو ہے کیونکہ وہ سب مر چکی ہیں۔ میرا کالا جادو زندہ جادو ہے۔ میں ان کے جادو کا ایسا توڑ کروں گا کہ کوئی بدروح اور آسیب تمہارے بیٹے شکالا کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکے گا۔"

میں نے سوچا کہ یہ یونہی ڈینگیں مارنے لگا ہے۔ یہ سردار کے بیٹے شکالا کو بدروحوں سے نہیں بچا سکے گا اور اس کے ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا اس لئے میرے لئے یہی بہتر ہے کہ میں دن نکلتے ہی سردار سے اجازت لے کر یہاں سے بھی فرار ہو جاؤں کیونکہ کوئی پتہ نہیں کب اور کس وقت نتالیا کا آسیب اچانک مجھے آکر دبوچ لے۔ اس دفعہ اس نے مجھے اپنے قبضے میں کیا تو پھر وہ وہی کرے گی جو اس نے ایک بار مجھے کہا تھا۔

اس نے کہا تھا کہ۔ "فیروز! اگر اس دفعہ تم نے مجھے دھوکا دیا اور مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے تو میں تمہیں کسی نہ کسی وقت ضرور پکڑ کر واپس لے آؤں گی۔ پھر میں تمہیں ہلاک کر کے تمہیں ایک بدروح بنا کر اپنی غلام بنا لوں گی۔ ایک بار تم میری بدروح غلام بن گئے تو پھر جب تک یہ دنیا قائم ہے تم میرے ساتھ ہی رہو گے۔"

میں یہ سوچ کر ڈر گیا کہ اگر ایسا ہو گیا تو میں قیامت تک اس منحوس عورت کی قید سے آزاد نہ ہو سکوں گا۔ میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ کالے جادوگر نے جو تین انسانی ہڈیاں تھیلے میں سے نکال کر باہر رکھی تھیں ان کے گرد لکڑی سے ایک دائرہ کھینچ دیا اور کچھ پڑھ پڑھ کر ان پر پھونکنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تینوں ہڈیاں جو بڑی چھوٹی تھیں اپنی جگہ پر حرکت کرنے لگیں۔ کبھی وہ آگے جاتیں، کبھی ذرا پیچھے آجاتیں۔ پھر وہ دائرے کی شکل میں ایک دوسری کے پیچھے چلنے لگیں۔ کالا جادوگر تیز آواز میں منتر پڑھ پڑھ کر ان پر پھونکے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد تینوں ہڈیاں رُک گئیں۔

کالے جادوگر نے ایک منتر پڑھ کر ان پر زور سے پھونک ماری تو تینوں ہڈیاں زمین سے ایک فٹ بلند ہو کر ہوا میں لٹک گئیں۔ کالے جادوگر نے ایک ایک کر کے فضا میں ہی ہاتھ بڑھا کر انہیں پکڑا اور جلدی سے اپنے تھیلے میں ڈال دیا۔ پھر سردار کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "سردار! میں نے ان ہڈیوں پر سب سے زبردست جادو پھونک دیا ہے۔ اب کوئی بدروح کوئی برے سے برا آسیب جہاں یہ ہڈیاں ہوں گی قریب بھی نہیں پھٹک سکے گا۔"

کالے جادوگر نے اس کے بعد تینوں ہڈیاں تھیلے سے باہر نکال لیں۔ یہ شاید انسان کی چھوٹی انگلی کی ہڈیوں کے مہرے تھے۔ ان میں سوراخ بھی تھے۔ کالے جادوگر نے تینوں ہڈیوں میں کالا دھاگہ پرو دیا اور شکالا سے کہا۔ "شکالا میرے پاس آؤ۔"

شکالا اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ کالے جادوگر نے ایک ہڈی کو تعویذ کی طرح شکالا کے بازو کے ساتھ باندھ دیا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔ "اب تم میرے پاس آؤ۔"

میں بھی اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ کالے جادوگر نے دوسری ہڈی میں کالا دھاگہ پرو کر اسے میرے بازو کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر اس نے تیسری ہڈی میں

دھاگہ پرو یا اور اٹھ کر سردار کے پاس جا کر کہنے لگا۔ ”سردار! یہ ہڈی میں تمہارے بازو کے ساتھ باندھنا چاہتا ہوں۔ اس کی وجہ سے تم بھی بدروحوں اور آسیب کے حملے سے محفوظ ہو جاؤ گے۔“

سردار نے اپنا بازو آگے کر دیا۔ کالے جادوگر نے تیسری ہڈی سردار کے بازو کے ساتھ باندھ دی۔ سردار نے پوچھا۔ ”کیا میرا بیٹا اب بدروحوں سے بالکل محفوظ ہو جائے گا؟“

کالے جادوگر نے کہا۔ ”سردار! اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو میں تمہیں تجربہ کر کے دکھا سکتا ہوں۔“

سردار نے پوچھا۔ ”کس قسم کا تجربہ؟“

میں بھی کچھ تعجب کے ساتھ کالے جادوگر کو دیکھنے لگا کہ یہ کس قسم کا تجربہ کر کے دکھانے کی بات کر رہا ہے۔ کالے جادوگر نے کہا۔ ”سردار! میں ابھی اپنے کالے جادو کی طاقت سے اس جنگل کی ایک بدروح کو یہاں بلاتا ہوں۔ وہ تم پر حملہ کرنے کی سر توڑ کوشش کرے گی۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی اور آخر میں تم لوگوں سے خوف زدہ ہو کر بھاگ جائے گی۔“

مجھے کالے جادوگر کی بات کا یقین نہ آیا۔ سردار نے بھی شک کا اظہار کیا اور کہا۔
”اور اگر اس بدروح نے ہمیں کوئی نقصان پہنچایا تو اس کا ذمہ دار کون ہو گا؟“

کالے جادوگر نے کہا۔ ”اس کا یہی علاج ہے۔ تم تلوار دے کر اپنے غلام کو میرے پاس کھڑا کر دو اور اسے حکم دے دو کہ اگر بدروح کے ہاتھوں تم تینوں میں سے کسی کو بھی نقصان پہنچا تو تمہارا غلام یہ تلوار مار کر میرا سر تن سے جدا کر دے۔“

سردار نے کہا۔ ”مجھے منظور ہے۔ تم بدروح کو بلانے کی تیاری کرو۔“

کالے جادوگر نے مجھے، شکالا اور اس کے باپ کو جھونپڑے میں جو تخت پوش تھا اس کے درمیان میں بٹھا دیا اور خود کونے میں بیٹھ کر منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔

سردار نے اپنے خاص باڈی گارڈ حبشی غلام کو اندر بلایا اور اس کے ہاتھ میں اپنی تلوار دے کر کہا۔ ”کالے جادوگر کے پاس کھڑے ہو جاؤ۔ جس وقت میں تمہیں حکم دوں تلوار سے اس کی گردن اڑا دینا۔“

حبشی غلام نے کہا۔ ”جو حکم سردار!“ اور وہ ننگی تلوار لے کر جادوگر کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ کالا جادوگر منتر پڑھتے پڑھتے رک گیا۔ سردار سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔
”سردار! بدروح آ کر تم تینوں کو طرح طرح کی آوازیں نکال کر ڈرائے گی۔ تم پر پتھر پھینکے گی۔ لیکن ایک بھی پتھر تمہارے قریب نہیں آ سکے گا۔ تم خود دیکھ لو گے کہ ایک بھی پتھر تمہیں نہیں لگے گا۔ جب میں تمہیں آواز دے کر کہوں کہ سردار بولو تو تم نے بدروح سے مخاطب ہو کر کہنا ہو گا۔ اے بدروح چڑیل! دفع ہو جا۔ نہیں تو میں تمہیں ابھی بھسم کر دوں گا۔ اس کے بعد جو کچھ ہو گا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔“

کالے جادوگر نے مجھے اور شکالا سے بھی یہی کہا کہ ڈرنا بالکل نہیں اور خاموشی سے بیٹھے رہنا ہے۔

سردار نے کہا۔ ”ٹھیک ہے۔ ہم تمہاری ہدایات پر عمل کریں گے۔“

اس کے بعد کالے جادوگر نے دوبارہ منتر پڑھ پڑھ کر پھونکنے شروع کر دیئے۔

اس وقت رات کا پچھلا پہر تھا۔ باہر جنگل میں سکوت چھایا ہوا تھا۔ میں سردار اور شکالا کے ساتھ تخت پر چوکڑی مار کر بیٹھا جادوگر کو گردن ہلا ہلا کر منتر پڑھتے دیکھ رہا تھا۔

اتنے میں جنگل کی جانب سے ایک چیخ کی آواز بلند ہوئی۔

کالے جادوگر نے کہا۔ ”ہوشیار! بدروح آ رہی ہے۔ خبردار گھبرانا بالکل نہیں۔ تم خود دیکھ لو گے کہ بدروح تم میں سے کسی کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکے گی اور اس کا سارا جادو بے اثر ہو جائے گا۔“

میں دل میں ڈر رہا تھا کہ اس کالے جادوگر پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ میرے

پاس تو شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی بھی نہیں ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ کہیں میں بھی نہ مارا جاؤں۔ مگر میں اب وہاں سے بھاگ نہیں سکتا تھا کیونکہ بدروح باہر جنگل میں آچکی تھی اور وہ مجھے راستے میں ہی دبوچ سکتی تھی۔ میں دل میں خدا سے دعائیں مانگتا رہا اور وہیں بیٹھا رہا۔

دوسری بار بدروح کی چیخ جنگل میں گونجی تو معلوم ہوا کہ وہ جھونپڑے کے بالکل قریب پہنچ چکی ہے۔ کالے جادوگر نے آہستہ سے کہا۔ ''سردار، شکالا، شیروان! گھبراؤ نہیں۔ میں نے تمہارے بازوؤں پر جو چیز باندھ دی ہے وہ اتنی طاقتور ہے کہ کوئی بدروح تمہارے نزدیک نہیں آسکے گی۔''

کالا جادوگر جھونپڑی کے کونے میں بیٹھا تھا۔ اب وہ منتر نہیں پڑھ رہا تھا۔ اس کے سر پر حبشی ننگی تلوار لئے بالکل تیار کھڑا تھا کہ سردار کا حکم ملے اور وہ کالے جادوگر کی گردن اڑا دے۔ کالے جادوگر نے اپنے اور غلام کے ارد گرد ایک دائرہ کھینچ دیا تھا تاکہ بدروح حبشی غلام کے اور خود اس کے قریب نہ آسکے۔

اتنے میں جھونپڑے کے اندر بدروح کی بھیانک چیخ کی آواز بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی جھونپڑی میں تیز آندھی چلنے لگی۔ جھونپڑے کی دیواریں آندھی کے زور سے لرز رہی تھیں لیکن نہ ہم تینوں کو آندھی کی ہوا چھو رہی تھی نہ کالے جادوگر اور حبشی غلام پر آندھی کا اثر ہو رہا تھا۔ بدروح ہمیں نظر نہیں آرہی تھی مگر اس کے حلق میں سے نکلتی غرغراہٹ کی آواز ضرور بلند ہو رہی تھی۔ آندھی چیخیں مار رہی تھی۔

اچانک آندھی رک گئی اور جھونپڑی کے اندر آسمانی بجلیاں چمکنے لگیں۔ ایک دھماکے کے ساتھ آسمانی بجلی ہمارے تخت کے اِرد گرد گرتی اور زمین میں جذب ہو جاتی مگر ایک بار بھی بجلی ہمارے تخت پر نہیں گری تھی۔ ہم ان بجلیوں میں بالکل محفوظ تھے۔

چمکتی کڑکتی بجلیاں بھی غائب ہو گئیں۔

اس کے ساتھ ہی جھونپڑے میں پتھر گرنا شروع ہو گئے۔ پتھر چھوٹے بھی تھے

اور بڑے بھی تھے۔ پتھر زمین پر زور سے گرتے اور گرتے ہی غائب ہو جاتے۔ میں خاموشی سے یہ خرافات دیکھ رہا تھا۔ مجھے ڈر یہی لگ رہا تھا کہ اگر ان میں سے ایک بھی پتھر میرے سر پر آکر لگا تو میرا زندہ بچنا ناممکن ہے لیکن کالے جادوگر کی ایک ایک بات سچ ثابت ہو رہی تھی۔ سارے پتھر دھماکوں کے ساتھ ہمارے تخت پوش کے اِرد گرد ہی گر رہے تھے۔ تخت پر کوئی پتھر نہیں گر رہا تھا، اسی طرح جہاں کالا جادوگر اور حبشی غلام کھڑا تھا وہاں بھی کوئی پتھر نہیں گر رہا تھا۔

پتھروں کی یہ بارش ایک منٹ تک جاری رہی۔

پھر یہ بارش بھی رک گئی۔ اب بدروح نے ڈراؤنی آوازیں نکالنی شروع کر دیں۔ اپنی زبان میں خدا جانے وہ کیا بول رہی تھی۔ وہ شاید ہمیں ڈرا کر چاہتی تھی کہ ہم تخت پوش سے اٹھ کر باہر کو بھاگیں اور وہ ہم تینوں کو دبوچ لے۔

عین اس وقت کالے جادوگر نے چلا کر سردار سے کہا۔ ''سردار! بولو!''

سردار گرج دار آواز میں بولا۔ ''اے بدروح چڑیل! دفع ہو جا۔ نہیں تو میں تمہیں ابھی بھسم کر دوں گا۔''

سردار کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ بدروح کے جسم کو آگ لگ گئی اور وہ بھڑکتے شعلوں میں چیختی چلاتی چکراتی غائب ہو گئی۔ جھونپڑی میں خاموشی چھا گئی۔ کالا جادوگر اٹھ کر ہمارے پاس آیا اور سردار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''سردار! اب تمہیں میری بات کا یقین آگیا ہو گا کہ میں نے تم تینوں کے بازوؤں پر جو طلسمی ہڈیوں کے مہرے باندھے ہیں وہ تم لوگوں کو بدروحوں سے محفوظ رکھیں گے۔ کوئی بدروح تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ ہو سکتا ہے جن بدروحوں کی قید سے یہ دونوں فرار ہو کر آئے ہیں وہ انہیں پکڑنے کے لئے ان پر حملہ کر دیں لیکن وہ ان کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گی۔ اگر کوئی بدروح آجائے، پتھر پھینکے، کڑکتی بجلیاں چمکیں تمہیں نہ تو کوئی پتھر لگے گا اور نہ ہی تم پر کوئی بجلی گرے گی۔ جب تم بلند آواز میں کہو گے کہ دفع ہو جا

اے بدروح چڑیل! نہیں تو میں تمہیں بھسم کر دوں گا تو بدروح آگ کے شعلوں میں لپٹی چیختی چلاتی غائب ہو جائے گی۔"

میں دل میں بہت خوش ہوا۔ شیش ناگن کے مہرے والی انگوٹھی نتالیا نے مجھ سے چھین لی تھی لیکن اس کے بدلے کالے جادوگر نے جو انسانی ہڈی میرے بازو پر باندھی تھی مجھے اس کا تحفظ مل گیا تھا لیکن اب بھی میرے دل میں شک تھا کہ کالے جادوگر کی ہڈی مجھے بدروحوں سے تو محفوظ رکھ سکتی تھی لیکن نتالیا کے آسیب کے حملے سے اپنا بچاؤ کرنے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں تھا۔

میں نے کالے جادوگر سے کہا۔ "ماسٹر! تم نے ہمیں بدروحوں سے تو بچا لیا ہے مگر میں اور شکالا ایک اور آسیب کے قیدی بھی تھے۔ وہ ایک عورت کا آسیب ہے اور یہ تم بھی جانتے ہو کہ آسیب بدروح سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے۔ اگر آسیب نے ہم پر حملہ کر دیا تو کیا تمہاری ہڈی کا تعویذ ہماری حفاظت کر سکے گا؟"

کالے جادوگر نے کہا۔ "شیروان! میں نے ہڈی پر جو منتر پڑھ کر پھونکا ہے اس کے آگے خطرناک سے خطرناک آسیب کی کوئی حقیقت نہیں۔ آسیب تو معمولی چیز ہے اس کا باپ بھی تمہارے قریب آنے کی جرات نہیں کرے گا۔"

میری تسلی ہو گئی۔ اب میں ان لوگوں سے جدا ہو کر بڑی بے فکری سے سفر کرتا ہوا کسی نہ کسی طرح اپنے دوست جمشید کے پاس بمبئی پہنچ سکوں گا۔ بمبئی جا کر سوچوں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے اور کیا بمبئی میں اپنے دوست کے پاس رہ کر روہنی کی واپسی کا انتظار کرنا چاہئے یا وہاں سے پاکستان جا کر ایک نئی زندگی کی ابتداء کرنی چاہئے۔

پاکستان میں اپنی نئی زندگی شروع کرنے کا تصور بڑا خوش آئند تھا۔ میں خود ان بدروحوں کی خرافات سے تنگ آ گیا تھا اور چاہتا تھا کہ اس منحوس چکر سے نکل کر نارمل انسانوں کی طرح زندگی گزارنی شروع کر دوں۔ میں تین دن شکالا کے قبیلے میں رہا۔ اب میں وہاں سے چلے جانا چاہتا تھا لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں کس طرح

بمبئی پہنچ سکوں گا۔ یہ مجھے شکالا کی زبانی معلوم ہو چکا تھا کہ میں براعظم افریقہ کے مشرقی ساحل کے ایک چھوٹے سے ملک میں تھا۔ یہ کوئی الف لیلیٰ کا زمانہ نہیں تھا کہ سندباد جہازی کی طرح کسی بحری جہاز میں سوار ہو کر اپنے وطن پہنچ جاؤں۔ یہ بیسویں صدی تھی مجھے کسی بھی ملک میں داخل ہونے کے لئے پاسپورٹ اور ویزے کی ضرورت تھی، غیر ملکی کرنسی کی ضرورت تھی اور میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ روہنی میرے ساتھ ہوتی تھی تو مجھے ان میں سے کسی بھی چیز کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ وہ مجھے اپنے ساتھ غائب کر کے جس ملک میں چاہے لے جاتی تھی لیکن اب روہنی میرے ساتھ نہیں تھی اور میں غائب بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

جب میں نے اپنی اس پریشانی کا شکالا سے ذکر کیا تو وہ کہنے لگا۔ "شیروان! مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس معاملے میں میرا باپ بھی تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ ہم جنگلی قبیلے کے لوگ ہیں ہمیں کیا معلوم کہ پاسپورٹ کیا ہوتا ہے اور ویزا کیا ہوتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "پھر تو میرے لئے بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ یہاں سے ملک انڈیا ہزاروں میل دور ہے۔ پاکستان اس سے بھی زیادہ دور ہے میں تو اپنے وطن کبھی نہیں پہنچ سکوں گا شکالا.....

شکالا سوچ میں پڑ گیا۔ کہنے لگا۔ "تم فکر نہ کرو۔ میں اپنے بابا سے بات کرتا ہوں۔ اس کا دوسرے قبیلوں میں بھی بڑا اثر ورسوخ ہے۔ تمہارے لئے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا۔ چلو میں تمہیں بابا کے پاس لئے چلتا ہوں۔"

شکالا مجھے اپنے قبیلے کے سردار باپ کے پاس لے گیا۔ وہ مجھے بڑی خندہ پیشانی سے ملا اور بولا۔ "شیروان! تمہارے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں کوئی بات پریشان کر رہی ہے۔ مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟"

شکالا نے ساری بات اپنے باپ کو بیان کر دی اور کہا۔ "بابا! اگر ہم شیروان کی

مدد نہ کر سکے تو مجھے بڑا دکھ ہو گا۔ شیروان نے میری جان بچائی ہے۔"

سردار نے کہا۔ "شکالا! ہم شیروان کی ضرور مدد کریں گے۔"

شکالا نے کہا۔ "بابا ہم شیروان کو روپیہ پیسہ تو کہیں سے لا کر دے دیں گے لیکن اس کے لئے پاسپورٹ اور ویزا کہاں سے لائیں گے اور ان چیزوں کے بغیر شیروان کسی سمندری یا ہوائی جہاز میں سفر نہیں کر سکتا۔"

سردار کہنے لگا۔ "مجھے تھوڑا سا موقع دو میں کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکال لوں گا۔"

اسی روز سردار کہیں چلا گیا۔ وہ دوسرے روز واپس آیا۔ آتے ہی اس نے مجھے اور شکالا کو اپنے جھونپڑے میں بلوالیا۔ وہ اپنے بڑے تخت پوش پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہم اس کے قریب بیٹھ گئے۔

شکالا نے پوچھا۔ "بابا! شیروان کے لئے کوئی انتظام ہوا؟"

سردار مسکرانے لگا۔ بولا۔ "ایک راستہ نکل آیا ہے۔ اب شیروان کو نہ کسی پاسپورٹ کی ضرورت پڑے گی، نہ ویزے کی ضرورت ہو گی۔ میں اسے جن لوگوں کے سپرد کر دوں گا وہ اسے اس کی منزل پر حفاظت سے پہنچا دیں گے۔"

میں بڑا خوش ہوا۔ مگر دل میں حیران ضرور تھا کہ اس جنگلی سردار کے ذرائع ماڈرن زمانے کے مقابلے میں بڑے محدود ہیں اس نے کیا راستہ نکالا ہو گا۔ میں نے پوچھ ہی لیا۔ "سردار! یہ کون لوگ ہیں آپ مجھے جن کے سپرد کریں گے؟"

سردار نے کہا۔ "میرے ایک دوست کا اپنا بحری جہاز ہے۔ وہ مال لے کر ملک ملک کی بندرگاہوں پر جاتا ہے۔ اتفاق سے ان دنوں ہمارے ملک کی بندرگاہ کے قریب ہی اس کا جہاز لنگر انداز ہوا ہے۔ میں نے اس سے مل کر ساری بات طے کر لی ہے۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گا اور میں اس ملک میں پہنچا دے گا جہاں تم جانا چاہتے ہو۔"

میں نے یہی سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ اس آدمی کا کوئی چھوٹا باربردار جہاز ہو۔ باربردار جہازوں کے کپتان کبھی کبھی کسی مسافر کو جس کے پاس پاسپورٹ وغیرہ نہ ہو جہاز میں بٹھا لیتے ہیں۔ یہ شخص اسی طرح مجھے اپنے جہاز میں سوار کروا کر ہندوستان یا پاکستان پہنچا دے گا۔ مجھے بڑا اطمینان ہو گیا۔

میں نے سردار کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "سردار! آپ کا دوست اپنا جہاز لے کر کب یہاں سے روانہ ہو گا؟"

سردار بولا۔ "اسے تین چار دن لگ جائیں گے لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم کل صبح ہی میرے ساتھ چلے چلو۔ میں خود تمہیں اپنے دوست کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔"

مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ "میں تیار ہوں۔"

دوسرے دن صبح صبح شکالا نے مجھے جگا دیا اور کہنے لگا۔ "شیروان! جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ بابا تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

میں نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو کر تھوڑا سا ناشتہ کیا اور شکالا کے ساتھ اس کے باپ کے پاس آ گیا۔ سردار کے جھونپڑے کے باہر تین گھوڑے بالکل تیار حالت میں کھڑے تھے۔

سردار نے مجھے دیکھ کر کہا۔ "شیروان! گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔ ہم اپنے سفر پر روانہ ہو رہے ہیں۔"

ایک گھوڑے پر سردار، دوسرے پر میں اور تیسرے گھوڑے پر سردار کا باڈی گارڈ بیٹھ گیا اور گھوڑے جنگل میں اپنے سفر پر چل پڑے۔ دوپہر تک ہم مختلف جنگلی راستوں پر سفر کرتے رہے۔ دوپہر کے بعد ہم ایک قصبے میں پہنچے جو کافی بڑا تھا اور چند ایک ماڈرن طرز کی عمارتیں بھی نظر آ رہی تھیں۔

سردار کہنے لگا۔ "یہاں سے آگے ہم ریل گاڑی میں سفر کریں گے۔"

قصبے کا سٹیشن زیادہ بڑا نہیں تھا۔ وہاں ہم نے کھانا کھایا۔ کچھ دیر بعد ہمیں ایک

گاڑی مل گئی ہم اس میں سوار ہو کر اس ملک کے ایک ساحلی شہر میں آ گئے۔ سردار نے اپنے باڈی گارڈ کو گھوڑوں سمیت ریلوے سٹیشن ہی سے واپس بھیج دیا تھا۔ ساحلی شہر چھوٹا سا تھا۔ آبادی بھی بہت کم دکھائی دے رہی تھی۔ سردار ریلوے سٹیشن سے نکل کر ایک طرف چل پڑا۔ میں اس کے ساتھ تھا۔ چلتے چلتے ہم شہر سے کافی دور نکل گئے۔

اب ہماری ایک جانب سمندر دکھائی دینے لگا تھا۔ ہم سمندر کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ آس پاس کوئی آبادی نہیں تھی۔ کوئی جھونپڑی تک دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں خاموشی سے چل رہا تھا۔

سردار کہنے لگا۔ ''میرے دوست کا جہاز سمندر میں فاصلے پر لنگر انداز ہے۔ ہم سٹیمر میں بیٹھ کر جہاز تک جائیں گے۔''

میں نے پوچھا۔ ''سردار! یہ سٹیمر ہمیں کہاں سے ملے گا؟''

سردار بولا۔ ''گھاٹ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ وہاں ہمیں سٹیمر مل جائے گا۔''

کچھ دور چلنے کے بعد ہم ایک چھوٹے سے گھاٹ پر پہنچ گئے۔ گھاٹ بڑا پراسرار سا لگ رہا تھا۔ وہاں کوئی مسافر بھی نہیں تھا۔ دو تین چھوٹی کشتیاں اور ایک بوسیدہ چھت والا پرانا سٹیمر ایک طرف کھڑا تھا۔ کوئی آدمی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ سردار نے مجھے ایک جگہ بیٹھنے کو کہا اور خود سٹیمر کی طرف چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک آدمی تھا جس نے میلی کچیلی پتلون اور نیلے رنگ کی بنیان پہن رکھی تھی۔

سردار نے میری طرف اشارہ کر کے اُس آدمی سے کہا۔ ''ہنری! یہ میرا خاص آدمی ہے۔ اس کو جہاز پر کپتان زولو کے حوالے کر کے واپس آنا۔ میں نے کپتان سے ساری بات کر لی ہوئی ہے۔''

پھر سردار نے مجھ سے کہا۔ ''بے فکر ہو کر جاؤ۔ ہنری بھی میرا خاص آدمی ہے۔ یہ تمہیں جہاز پر پہنچا دے گا۔ کیپٹن زولو میرا جگری دوست ہے اس کا جہاز سمندر میں کچھ فاصلے پر لنگر انداز ہے۔''

سردار نے مجھے تین بار گلے لگایا اور بولا۔ ''تمہیں جس ملک کے روپے پیسے کی ضرورت ہو گی میرا دوست کیپٹن زولو تمہیں دے دے گا۔ اس کی تم بالکل فکر نہ کرو۔''

سردار مجھے میلے کچیلے سیاہ فام حبشی جس کا نام ہنری تھا کے حوالے کر کے چلا گیا۔ ہنری نے سفید دانت نکالتے ہوئے کہا۔ ''آ جاؤ۔''

وہ مجھے سٹیمر میں لے گیا۔ سٹیمر کی حالت انتہائی خستہ ہو رہی تھی۔ فرش چر چر کر رہے تھے۔ سٹیمر میں اور کوئی آدمی نہیں تھا۔

ہنری نے کہا۔ ''وہاں بیٹھ جاؤ۔''

میں سٹیمر کی چھت کے نیچے عرشے کے چھوٹے سے گندے فرش پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ ہنری نے سٹیمر کا انجن سٹارٹ کیا تو انجن نے اتنا شور مچایا جیسے دس بارہ پرانے انجن ایک ساتھ سٹارٹ ہو گئے ہوں۔ سٹیمر آہستہ آہستہ ساحل کو چھوڑنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سمندر میں جا رہا تھا اور اس کا رخ سمندر کے جنوب مشرق کی طرف تھا۔ کافی دیر تک سٹیمر سمندر میں چلتا رہا۔ افریقہ کا ساحل دور پیچھے رہ گیا تھا۔ پھر ساحل نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ابھی تک مجھے سردار کے دوست زولو کا باربردار جہاز نظر نہیں آیا تھا۔ خدا جانے کیپٹن زولو نے اپنا جہاز سمندر میں اتنی دور کیوں لنگر انداز کیا ہوا تھا۔ یہ معمہ میری سمجھ سے باہر تھا۔ آخر مجھے دور سے ایک سمندری جہاز کی چمنی نظر آئی جس میں سے دھوئیں کی باریک سی لکیر نکل رہی تھی۔

ہنری نے اونچی آواز میں کہا۔ ''وہ ہے کیپٹن زولو کا جہاز۔''

سٹیمر کا رخ جہاز کی طرف ہی تھا۔ جس وقت ہمارا سٹیمر جہاز کے قریب پہنچا تو میں

نے دیکھا کہ جہاز زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس کے سٹار بورڈ کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا اور کہیں کہیں جہاز کی دیوار پر زنگ بھی لگا ہوا تھا۔ اوپر عرشے کے جنگلے پر تین چار نیگرو نیچے سٹیمر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سٹیمر کے ہنری نے دونوں بازو ہلاتے ہوئے اپنی زبان میں جہاز کے آدمیوں کو کچھ کہا۔ انہوں نے اوپر سے رسے کی ایک سیڑھی نیچے لٹکا دی۔ ہنری نے سٹیمر رسے کی سیڑھی کے پاس جا کر کھڑا کر دیا۔

ہنری نے سٹیمر کو سیڑھی کے ساتھ باندھا اور مجھے ساتھ لے کر رسے کی سیڑھی پر چڑھنا شروع کر دیا۔ بڑی مشکل سے ہم جہاز کے عرشے یعنی ڈیک پر پہنچے۔ تین نیگرو جنہوں نے میلی میلی پتلونیں اور بنیانیں پہنی ہوئی تھیں مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔

ہنری نے ان سے کہا۔ "یہ کیپٹن کا خاص آدمی ہے۔ اسے کہو کہ سردار نے جس آدمی کا کہا تھا اسے میں لے آیا ہوں۔"

دو نیگرو تو وہیں کھڑے مجھے گھور گھور کر دیکھتے رہے تیسرا ہنری کا پیغام لے کر عرشے پر سے نیچے جاتی سیڑھیاں اتر گیا۔ ہنری ان حبشی خلاصیوں سے اپنی زبان میں باتیں کرنے لگ گیا۔ چند لمحوں کے بعد جو آدمی ہنری کا پیغام لے کر گیا تھا وہ واپس آ گیا۔ اس نے کہا "کیپٹن نے کہا ہے اس آدمی کو نیچے بھیج دو۔"

ہنری نے میری طرف منہ کر کے کہا۔ "جاؤ دوست! کیپٹن زولو تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

میں اس آدمی کے ساتھ عرشے کا زینہ اتر کر نیچے جہاز کی تنگ راہ داری میں آ گیا جہاں دونوں جانب چھوٹے چھوٹے کیبن تھے جن کے دروازے بند تھے۔ ایک کیبن کا دروازہ کھلا تھا وہاں جہاز کا کیپٹن زولو میرا انتظار کر رہا تھا۔ پہلی نظر میں ہی وہ مجھے ایک بحری ڈاکو لگا۔ اس کی کمر میں گولیوں کی بیلٹ بندھی ہوئی تھی اور پستول لٹک رہا تھا۔ وہ دونوں ٹانگیں میز پر رکھے پرانے صوفے میں دھنس کر بیٹھا ہوا تھا۔ بالکل سیاہ فام تھا

کانوں میں گولڈن رنگ پڑے ہوئے تھے ایک ہاتھ میں خنجر تھا جس سے وہ سیب چھیل رہا تھا۔ سر پر سرخ رومال بندھا ہوا تھا۔ ایک نیگرو عورت اس کے پاس بیٹھی اس کے مگ میں شاید کافی بنا رہی تھی۔ یہ تھا کیپٹن زولو مجھے جس کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

O

میں کیبن میں داخل ہوتے ہی رُک گیا۔ کیپٹن زولو نے میری طرف دیکھ کر خنجر سے اپنی طرف آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ڈرو نہیں۔ آ جاؤ۔''

میں ڈرتے ڈرتے اس کے سامنے جو لوہے کی کرسی پڑی تھی اس پر بیٹھ گیا۔ نیگرو عورت مجھے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ کیپٹن زولو نے سیب کاٹ کر میری طرف بڑھایا اور کہا۔ ''لو۔ کھاؤ۔''

میں نے سیب کا ٹکڑا ہاتھ میں لے لیا اور دل میں سوچنے لگا کہ سردار نے مجھے کس آدمی کے حوالے کر دیا ہے۔ کیپٹن زولو نے مجھ سے پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

میں نے اسے اپنا نام بتایا۔ اس نے خنجر میز پر رکھ کر ٹانگیں اکٹھی کر لیں اور نیگرو عورت نے اس کے لئے جو کافی کا مگ بنایا تھا وہ میری طرف بڑھا کر کہا۔ ''اسے پی جاؤ۔''

اس کے لہجے میں حکم دینے کا انداز تھا۔ میں نے مگ تھام لیا۔ میرا خیال تھا کہ اس میں کافی ہو گی۔ میں نے مگ ہونٹوں کے قریب کیا تو مجھے اس میں سے بڑی تیز بو آئی میں سمجھ گیا کہ یہ شراب ہے۔ میں نے مگ میز پر رکھ دیا۔ کیپٹن زولو حیران سا ہو گیا۔ کہنے لگا۔ ''کیا تمہیں ہماری رم پسند نہیں آئی؟''

رم بھی شراب کی ایک قسم ہوتی ہے۔

میں نے کہا۔ ''سوری کیپٹن! میں مسلمان ہوں۔ میں شراب نہیں پیتا۔''

کیپٹن زولو نے نیگرو عورت کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''یہ تو مسلمان ہے۔''

پھر میری طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ ''کیا تم انڈین ہو؟''

میں نے کہا۔ ''نہیں۔ میں پاکستانی ہوں۔''

کیپٹن زولو نے مگ اٹھا لیا۔ اس کے دو تین گھونٹ پیئے اور بولا۔ ''تم پاکستان جانا چاہتے ہو؟''

میں نے کہا۔ ''ہاں کیپٹن! سردار نے مجھے کہا تھا کہ میرا دوست کیپٹن زولو تمہیں پاکستان پہنچا دے گا۔''

کیپٹن زولو نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے مجھے گھورتے ہوئے رم کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرتا رہا۔ نیگرو عورت اسی طرح میری طرف دیکھ رہی تھی۔ کیبن میں بڑی تکلیف دہ خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ آخر اس خاموشی کے طلسم کو توڑتے ہوئے کیپٹن زولو بولا۔ ''سردار میرا دوست ہے۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہیں پاکستان تو نہیں پہنچا سکتے لیکن انڈیا کے ساحل پر اُتار دیں گے۔ آگے تم خود پاکستان چلے جانا۔ چلے جاؤ گے؟'' کیپٹن زولو نے اونچی آواز میں مجھ سے پوچھا۔

میں کیا جواب دیتا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ''سر! اگر آپ مجھے پاکستان کے ساحل کے قریب کہیں اُتار دیں تو میرے لئے آسانی ہو گی۔ انڈیا کے ساحل پر اترا تو ساحلی گارڈز مجھے گرفتار کر لیں گے۔ میرے پاس تو کوئی پاسپورٹ وغیرہ بھی نہیں ہے۔''

کیپٹن زولو قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ کہنے لگا۔ ''تم نہ انڈیا جاؤ، نہ پاکستان جاؤ۔ تم ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ یہاں عیش کرو۔ ملک ملک کی سیر کرو۔ اچھا یہ بتاؤ کبھی تم نے کسی کو قتل کیا ہے؟ میرا مطلب ہے پستول کی گولی یا خنجر سے ہلاک کیا ہے؟''

میں سمجھ گیا تھا کہ میں بحری ڈاکوؤں کے جہاز میں آ گیا ہوں جہاں سے اب میں قسمت اچھی ہو گی تو جان بچا کر اُتر سکوں گا۔

میں نے کہا۔ ''نہیں کیپٹن! میں نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا۔''

کیپٹن زولو نے پاس بیٹھی نیگرو عورت سے کہا۔ ''اس نے کبھی کسی آدمی کو قتل نہیں کیا۔ یہ ہمارے کام کا آدمی نہیں ہے۔''

نیگرو عورت نے کہا۔ ''اس سے دو تین آدمی قتل کرواؤ۔ پھر اسے ہم اپنے ساتھ شامل کر لیتے ہیں۔ یہ آدمی ہمارے لئے ٹھیک رہے گا۔''

کیپٹن زولو نے میری طرف منہ کر کے کہا۔ ''میری گرل فرینڈ نے تمہاری سفارش کر دی ہے۔ اب تم میرے گینگ میں شامل ہو گئے ہو۔ میں تمہیں سکھا دوں گا کہ آدمیوں کو قتل کس طرح کیا جاتا ہے۔ اس کی تم فکر نہ کرو۔''

میں ان دونوں کا منہ تکنے لگا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ آخر ہمت کر کے میں نے کہہ دیا۔ ''سر! میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ پلیز آپ مجھے واپس بھجوا دیں۔''

کیپٹن زولو غصے میں آ گیا۔ بولا۔ ''تم نے مجھے اور میرے آدمیوں کو دیکھ لیا ہے۔ اب تم کیسے جا سکتے ہو؟ اب تم ہمارے ساتھ ہی رہو گے۔ یہاں سے فرار ہونے کا کبھی خیال بھی دل میں نہ لانا ورنہ تمہاری لاش سمندر کی مچھلیوں کی خوراک بن جائے گی۔''

یہ ایک نئی مصیبت میرے اوپر آن پڑی تھی۔ میں نے اسی وقت دل میں سوچ لیا کہ ابھی تو جہاز ساحل کے قریب ہی کھڑا ہے۔ میں موقع پا کر سمندر میں کود جاؤں گا اور کسی نہ کسی طرح ساحل پر پہنچ جاؤں گا لیکن یہ میرا خیال خام تھا۔ جہاز کا جرائم پیشہ کپتان زولو اتنا احمق نہیں تھا۔ اس نے دو آدمیوں کو بلوا کر اسی وقت مجھے ایک کیبن میں بند کروا کر باہر سے تالا لگوا دیا۔

دوسرے دن صبح صبح جہاز نے لنگر اُٹھا دیا۔ اب میرے فرار کے تمام راستے مسدود ہو گئے تھے۔ خدا جانے یہ جہاز کس ملک کی طرف جائے گا، کہاں جا کر لنگر ڈالے گا۔ یہ سمگلر اور بحری قزاق قسم کے لوگ تھے۔ انہیں کون اپنے ملک کی

سمندری حدود میں داخل ہونے کی اجازت دے گا۔ ہر ملک کی سمندری حدود چالیس میل تک ہوتی ہے۔ چالیس میل کے بعد کھلا سمندر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ جہاز جس ملک میں بھی جائے گا اس کی چالیس میل سمندری حدود کے پاس ہی لنگر ڈالے گا۔ اگر وہاں سے مجھے چھلانگ لگا کر فرار ہونے کا موقع مل بھی جائے تو میں کیسے چالیس میل تک سمندر میں تیر سکوں گا۔

جب جہاز کو سمندر میں سفر کرتے ایک دن گزر گیا تو مجھے کپتان زولو کے حکم سے کیبن سے نکال کر جہاز کا عرشہ دھونے، کچن کے برتن صاف کرنے وغیرہ کے کاموں پر لگا دیا گیا۔ اُس وقت مجھے روہنی کا بار بار خیال آ رہا تھا۔ اگر وہ میرے ساتھ ہوتی تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ یہ بحری ڈاکو مجھے قید کرتے۔ وہ تو اگر چاہتی تو ان سب کو ایک ایک کر کے ختم کر کے خود جہاز پر قبضہ کر لیتی۔

مگر روہنی مجھ سے جدا ہو چکی تھی۔ وہ میری سچی ہمدرد اور دوست تھی۔ مجھے اس کا خیال آنے لگا کہ خدا جانے کہاں ہو گی، کس حال میں ہو گی اور اس پر کیا گزر رہی ہو گی۔ ان بحری ڈاکوؤں نے مجھے اپنا غلام بنا لیا تھا۔ مجھ سے صبح سے رات تک کام کراتے، کھانے کو جو بچا کھچا ہوتا دے دیتے۔ میں سخت عذاب میں پھنس گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں؟ کیسے ان لوگوں سے جان چھڑاؤں۔ یہ جس کسی ملک کے قریب کھڑے ہوتے تو اس ملک کی سمندری حدود سے باہر یعنی چالیس میل کے فاصلے پر لنگر ڈالتے اور مجھے ایک کیبن میں بند کر کے باہر پہرہ بٹھا دیتے۔ اتنا مجھے علم ہو گیا تھا کہ یہ جس ملک کے قریب کھڑے ہوتے ہیں وہاں سمگلنگ کا مال فروخت کرتے ہیں اور موقع ملنے پر سرکاری اور غیر سرکاری گوداموں کا مال بھی لوٹ کر لے آتے ہیں۔ یہ اپنے کام میں بے حد ماہر تھے اور ان کا ایک آدمی بھی کبھی نہیں پکڑا گیا تھا۔ اس کے علاوہ سمندر میں سفر کرنے والے کسی اکا دکا مال بردار جہاز کو بھی لوٹ لیتے تھے۔ دور سے ایسے جہاز کی نشان دہی کرتے پھر اپنے جہاز میں کسی خرابی کا انہیں

وائرلیس پر سگنل دیتے۔ جب وہ جہاز ان کے قریب آتا تو ان کے لٹیرے سٹین گنیں، رائفلیں اور ہینڈ گرنیڈ لے کر جہاز پر کود جاتے اور جو سامنے آتا اسے بے دریغ گولیوں سے چھلنی کر کے جہاز کا سارا مال اسباب لوٹ کر آگے روانہ ہو جاتے۔

اس طرح مجھے اس مصیبت میں پھنسے دو مہینے گزر گئے۔

اس دوران نتالیا کی بھیجی ہوئی کوئی بدروح بھی مجھے پکڑنے نہیں آئی تھی۔ نتالیا کو شاید معلوم ہو گیا تھا کہ میرے بازو پر ایک بڑی طاقت والا طلسمی تعویذ بندھا ہوا ہے جس کے جادو کے سامنے اس کی کوئی بھی بدروح زندہ نہیں بچے گی۔ اس لئے نہ اس نے خود میرے قریب آنے کا خطرہ مول لیا تھا اور نہ ابھی تک کسی بدروح کو مجھے اٹھا کر لے جانے کے لئے بھیجا تھا۔ شاید نتالیا اس وقت کا انتظار کر رہی تھی کہ میری غفلت سے میرے بازو پر بندھا کالے جادوگر کا ہڈی والا تعویذ مجھ سے گم ہو جائے تو وہ اچانک حملہ کر کے مجھے اٹھا کر لے جائے۔ لیکن میں اس طرف سے بھی غافل نہیں تھا اور ہر روز رات کو سوتے وقت اور صبح اٹھ کر تعویذ کو اپنے بازو پر دیکھ لیتا تھا۔ اگر اس کی ڈوری ڈھیلی ہو گئی ہوتی تھی تو اسے اتارے بغیر وہیں کس دیتا تھا۔ میں اسے ایک لمحے کے لئے بھی بازو سے اُتارنے کا خطرہ مول نہیں لیتا تھا۔

مجھے معلوم تھا کہ نتالیا کا آسیب غافل نہیں ہو گا۔ خود نہیں تو اس نے کسی نہ کسی بدروح کو میرے پیچھے لگا دیا ہو گا کہ جیسے ہی میں ایک سیکنڈ کے لئے کسی وقت تعویذ اپنے بازو سے اتاروں وہ مجھے وہیں دبوچ لے۔

کپتان زولو کی جو گرل فرینڈ نیگرو عورت تھی وہ اس وقت جب میں کپتان کے کیبن کی صفائی کرنے جاتا تھا تو میری طرف کپتان کی نظریں بچا کر دیکھ لیا کرتی تھی۔ خدا جانے میں اُسے پسند آ گیا تھا یا اسے مجھ سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی لیکن اس نے کبھی مجھ سے اپنی ہمدردی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اسی طرح مزید دو مہینے گزر گئے۔

ایک رات میں جہاز کے عرشے کو دھو رہا تھا کہ کپتان زولو نے میرے قریب

سے گزرتے ہوئے حکم دیا کہ میں نیچے جا کر اس کے کیبن کی صفائی کروں۔ میں نے فوراً یس سر کہا اور اس کے کیبن کی طرف چل دیا۔ اس کا کیبن کھلا تھا۔ میں کیبن میں داخل ہوا۔ میز پر جھوٹے برتن پڑے تھے اور فرش پر پھلوں کے چھلکے بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے صفائی شروع کر دی۔ اتنے میں کیپٹن زولو کی گرل فرینڈ نیگرو عورت کیبن میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں رم کی دو بوتلیں تھیں۔ مجھے بلائے بغیر وہ دیوار کے شیلف کی طرف گئی اور دونوں بوتلیں شیلف میں لگا دیں۔

پھر کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگا لیا اور مجھے صفائی کرتے دیکھنے لگی۔ میں نے بھی اس سے کوئی بات کرنی مناسب نہ سمجھی۔ جب میں صفائی کرتے ہوئے اس کے قریب سے گزرنے لگا تو اس نے میرا بازو پکڑ لیا۔ میں نے کسی قدر چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ نیگرو عورت میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہی تھی۔

کہنے لگی۔ ”تم یہاں سے بھاگنا چاہتے ہو؟“

میں نے غیر شعوری طور پر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”نہیں۔“

میں اسے کیسے کہہ سکتا تھا کہ میں وہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہوں۔ وہ کیپٹن زولو کی گرل فرینڈ تھی۔ اگر میں کہہ دیتا کہ ہاں میں اس عذاب سے نکلنا چاہتا ہوں تو کچھ پتہ نہیں کہ وہ یہ بات زولو کو بتا دیتی اور وہ خدا معلوم میرا کیا حشر کرتا۔ نیگرو عورت نے اپنا چہرہ میرے قریب لاتے ہوئے کہا۔ ”ڈرو نہیں۔ میں کیپٹن سے کچھ نہیں کہوں گی۔ مجھے اپنے دل کی بات بتا دو۔ کیا تم یہاں سے بھاگنا چاہتے ہو؟“

میں چپ رہا۔ کوئی جواب نہ دیا۔ نیگرو عورت نے بڑے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

”مجھے اپنی دوست سمجھو۔ تم مجھے پہلے دن ہی اچھے لگے تھے۔ اگر میں زولو کے قبضے میں نہ ہوتی تو تم سے شادی کر لیتی مگر اب میں ایسا نہیں کر سکتی لیکن تمہاری جو دُرگت یہاں بن رہی ہے میں وہ بھی نہیں دیکھ سکتی۔ مجھے بتاؤ کیا تم سچ مچ یہاں سے بھاگ جانا چاہتے ہو؟ کہیں ایسی بات تو نہیں ہے کہ تم بھی اس کام کے عادی ہو گئے ہو اور تمہیں

یہاں کی زندگی راس آگئی ہے؟ بولو۔"

میں نے زبان سے تو کچھ نہ کہا لیکن نفی میں سر ہلا دیا۔ نیگرو عورت نے میرا بازو چھوڑ دیا اور کہنے لگی۔ "ٹھیک ہے۔ جاؤ۔"

میں صفائی کر کے کیبن سے نکل آیا۔ دل میں سوچنے لگا کہ یہ عورت دھوکے سے میرے دل کا حال تو معلوم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مجھے فکر لگ گئی کہ اگر اس نے کیپٹن زولو کو اتنا بھی بتا دیا کہ میں یہاں سے بھاگنا چاہتا ہوں تو وہ تو مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میں سخت پچھتانے لگا کہ میں نے اس عورت کے سامنے اس بات کی حامی کیوں بھری کہ میں اس جہاز سے فرار ہونا چاہتا ہوں۔

ساری رات یہ سوچ سوچ کر میں پریشان رہا۔

دوسرے دن وہ نیگرو عورت مجھے کہیں نظر نہ آئی۔ شاید اپنے کیبن میں سو رہی تھی۔ کیپٹن زولو ایک بار عرشے پر میرے قریب سے گزرنے لگا تو میں ڈر گیا کہ اسے میرے دل کا حال نیگرو عورت نے بتا دیا ہے اور اب یہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا اور اسی جگہ مجھے اپنے پستول سے ہلاک کر کے میری لاش سمندر میں پھینک دے گا لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی اور زولو خاموشی سے آگے چل دیا۔

شام کے وقت نیگرو عورت سے بھی عرشے پر میرا آمنا سامنا ہو گیا لیکن اس نے مجھ سے کوئی بات نہ کی۔ ایک بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ نیگرو عورت نے کیپٹن زولو کے آگے میری شکایت نہیں لگائی اور اسے کچھ نہیں بتایا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس عورت کو واقعی مجھ سے محبت یا ہمدردی ہو گئی تھی اور وہ میری مدد کرنا چاہتی تھی اور شاید کسی موقع کا انتظار کر رہی تھی۔

آخر وہ موقع آگیا۔

خدا معلوم کون سا ملک تھا کہ ہمارے جہاز نے اس کی سمندری حدود کے باہر کھلے سمندر میں لنگر ڈال دیا۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور سمندر پر اندھیرا چھایا

ہوا تھا۔ کیپٹن زولو کا قریبی ملک میں کوئی گودام لوٹنے کا پروگرام تھا۔ جب اندھیرا اور گہرا ہو گیا تو اس نے اپنے مسلح ڈاکوؤں کو ساتھ لیا اور یہ لوگ تیز رفتار کشتیوں میں سوار ہو کر چالیس میل دور ساحل کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاز پر چند ایک ملازم پیشہ لوگ ہی رہ گئے تھے۔

میں اس وقت کچن کی صفائی کر رہا تھا۔ کام ختم کرنے کے بعد میں نیچے سونے کے لئے اپنے کیبن میں آگیا جہاں آلوؤں کی بوریوں کے پاس میں نے سونے کے لئے ایک دری بچھائی ہوئی تھی۔ میں وہیں رات کو سو جاتا تھا۔ سارے دن کا تھکا ہوا تھا لیٹتے ہی مجھے نیند آگئی۔ مجھے نہیں معلوم مجھے سوئے کتنی دیر ہوئی ہو گی کہ کسی نے میرے بازو کو ہلایا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کیبن میں ایک بہت ہی مدھم روشنی والا بلب ہر وقت جلتا رہتا تھا۔

میں نے اس کی مدھم روشنی میں دیکھا کہ نیگرو عورت مجھ پر جھکی ہوئی تھی۔ مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر بولی۔ "میرے ساتھ آجاؤ۔"

میں نے سنبھلتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں؟"

نیگرو عورت نے دھیمی آواز میں سختی سے کہا۔ "خاموش! میرے پیچھے چلے آؤ۔"

میں سمجھ گیا کہ اس نے میرے فرار کا بندوبست کر دیا ہے۔ میں اٹھ کر اس کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ مجھے آخری کیبن کے پاس جو تنگ زینہ اوپر کو جاتا تھا وہاں لے آئی اور سرگوشی میں بولی۔ "جہاز کے پیچھے سمندر میں ایک کشتی کھڑی ہے۔ میں نے اس میں تمہارے لئے سب کچھ رکھ دیا ہے۔ اس میں بیٹھ کر یہاں سے نکل جاؤ۔"

وہ آگے آگے زینہ چڑھ کر اوپر جہاز کے عرشے پر آگئی۔ یہ جہاز کا عقبی حصہ تھا۔ اس طرف کوئی خلاصی سو نہیں رہا تھا یا شاید اس نیگرو عورت نے میری محبت یا ہمدردی کی وجہ سے کسی سے مل کر ایسا انتظام کر دیا تھا کہ اس وقت وہاں آس پاس کوئی

نہ ہو۔ عرشے کا عقبی حصہ خالی پڑا تھا۔ وہ مجھے جہاز کے کونے کی طرف لے گئی۔ وہاں رسی کی ایک سیڑھی لٹکی ہوئی تھی۔

اس نے آہستہ سے کہا۔ ”اس سیڑھی کے ساتھ تمہاری کشتی بندھی ہوئی ہے۔ کشتی میں بیٹھتے ہی رسی کھول کر فرار ہو جاؤ۔ جلدی کرو۔“

میں جلدی میں نیگرو عورت کا شکریہ بھی ادا نہ کر سکا اور جنگلے میں سے نکل کر نیچے لٹکتی ہوئی رسی کی سیڑھی کو پکڑا اور نیچے اترنے لگا۔ نیچے ایک کشتی سمندر کی لہروں پر ڈول رہی تھی۔ میں اس میں اتر گیا۔ اترنے کے فوراً بعد میں نے کشتی کی رسی کھول دی۔ چپو سنبھالا اور تیزی سے کشتی کو جہاز سے دور لے جانے لگا۔

میں نے رات کے وقت زولو کے ساتھیوں کو جہاز سے جاتے وقت دیکھ لیا تھا کہ وہ کس طرف کو جا رہے تھے۔ جس طرف وہ جا رہے تھے اس طرف قریبی ملک کا ساحل تھا۔ میں نے بھی کشتی کا رُخ اسی طرف کر دیا۔ میں پوری طاقت کے ساتھ دائیں بائیں چپو چلا رہا تھا۔ میں کچھ ہی دیر میں جہاز سے کافی دور نکل آیا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ جہاز کی ساری بتیاں گل کر دی گئی تھیں۔ صرف ایک مدھم سی بتی جل رہی تھی وہ مجھ سے کافی دور ہو گئی تھی۔

کشتی روک کر سانس لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں اس منحوس جہاز سے جتنی دور نکل سکتا تھا نکل جانا چاہتا تھا۔ میں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ کشتی میں جو ایک تھیلا پڑا ہے اس میں نیگرو عورت نے میرے لئے کیا کچھ رکھ دیا ہوا ہے۔ کشتی بڑی ہلکی اور چھوٹی تھی اور بڑی تیزی سے ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایک جگہ آ کر میں واقعی تھک گیا۔ میں نے چپو رکھ دیا اور سر جھکا کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ یہ کوئی دریا نہیں تھا کہ کشتی اپنے آپ پانی کے بہاؤ پر بہنے لگتی۔ یہ سمندر تھا اور سمندر بھی ساحل سے کئی میل کے فاصلے کا سمندر تھا جہاں سمندر کی موجیں کسی طرف بہنے کی بجائے اوپر نیچے ہوتی رہتی ہیں۔ ایسی حالت میں صرف ایک ہی خطرہ ہوتا ہے کہ کشتی کا رُخ

نہ بدل جائے یعنی آگے جانے کی بجائے اس کا رُخ پیچھے کی طرف ہو جائے۔ رات کے اندھیرے اور کھلے سمندر میں اتنی چھوٹی کشتی میں سمت کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے۔

میں سانس بھی درست کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ کبھی کشتی کے رُخ کو اور کبھی آسمان پر ستاروں کو دیکھ لیتا تھا تاکہ میری سمت ٹھیک رہے۔ پھر بھی میں نے زیادہ آرام کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کسی بھی وقت مجھے کوئی مغالطہ لگ سکتا تھا اور کشتی کا رُخ کسی دوسری طرف ہو سکتا تھا چنانچہ میں دوبارہ چپو چلانے لگا۔ کشتی مخصوص سمت کو آگے بڑھنے لگی۔ کافی دیر تک میں کشتی چلاتا رہا۔ درمیان میں تھوڑی دیر کے لئے ہاتھ روک لیتا اور سانس درست کرتے ہوئے سامنے کی سمت نظریں جمائے رکھتا کہ کشتی ادھر اُدھر نہ ہو جائے۔

آخر قدرت نے میری مشکل آسان کر دی اور مجھے دور اُفق پر ایک روشنی کا نقطہ ٹمٹماتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ ساحل کی روشنی تھی۔ اسے دیکھ کر میرے جسم میں ایک نئی توانائی آ گئی اور میں پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ کشتی چلانے لگا۔ روشنی کا نقطہ قریب آتا جا رہا تھا۔ پھر دائیں بائیں جانب روشنی کے کچھ اور نقطے ٹمٹماتے دکھائی دینے لگے۔ میں کسی ملک کے ساحل پر پہنچنے والا تھا۔ اب مجھے یہ پریشانی تھی کہ اگر ساحلی کوسٹ گارڈ کے سٹیمروں نے گشت لگاتے مجھے دیکھ لیا تو پکڑا جاؤں گا۔ کوسٹ گارڈز کے سٹیمروں پر سرچ لائٹیں لگی ہوتی ہیں جن کی روشنی کو جب سمندر میں پھینکا جاتا ہے تو سمندر دور دور تک روشن ہو جاتا ہے اور سمندر میں اگر کوئی آدمی تیر بھی رہا ہو تو وہ نظر آ جاتا ہے۔

لیکن قدرت میری مدد کر رہی تھی۔ ابھی تک کسی گشتی پارٹی کے سٹیمر کی نہ تو آواز سنائی دی تھی نہ اس کی روشنی ہی نظر آئی تھی۔ میں نے کشتی کا رُخ اس طرف کر لیا جس طرف ساحل پر روشنی کا صرف ایک ہی نقطہ جھلملا رہا تھا۔ یہ لائٹ ہاؤس کی روشنی نہیں تھی کیونکہ لائٹ ہاؤس کی روشنی بڑی تیز ہوتی ہے اور یہ چاروں طرف

گھومتی رہتی ہے۔ پانی میں تیرتی ہوئی کئی جھاڑیاں کشتی سے ٹکرائیں۔ اس کا مطلب تھا کہ میں ساحل کے پاس آ گیا تھا اور یہ ساحل ریتلا نہیں بلکہ وہاں جھاڑیاں اور سرکنڈے اُگے ہوئے تھے۔ میں چپو چلائے جا رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد مجھے اپنے سامنے سیاہ دھبے دکھائی دینے لگے۔ یہ ساحل کے درخت ہی ہو سکتے تھے۔ آہستہ آہستہ ان سیاہ دھبوں نے ایک دیوار سی بنا دی۔ میں دور ہی سے اس دیوار کو بائیں جانب چھوڑ کر جنوب کی طرف کشتی لے آیا جہاں مجھے نیم دائرے میں درختوں کی قطار دکھائی دی۔ رات تاریک تھی۔ سمندر کی طرف سے ہوا چل رہی تھی۔

میں کشتی کو درختوں کے نیم دائرے کے اندر لے گیا۔ یہ سمندر کی کوئی کھاڑی تھی۔ سمندر ساحل کو کاٹ کر یہاں داخل ہو گیا تھا اور اس نے وہاں ایک جھیل سی بنا دی ہوئی تھی۔ وہاں کسی طرف کوئی روشنی نہیں تھی۔ میں نے کشتی کھاڑی میں لے جا کر ایک طرف سرکنڈوں کے پیچھے لگا دی۔ کشتی سے اتر آیا۔ کھاڑی کا پانی میرے گھٹنوں تک آتا تھا۔ میں کشتی کو کھینچتے ہوئے ساحل پر لے گیا اور اسے ایک جگہ سرکنڈوں کے ساتھ باندھا اور کشتی میں بیٹھ کر غور سے اِرد گرد کا جائزہ لینے لگا۔ کھاڑی کے بائیں جانب دور بہت سی روشنیاں نظر آ رہی تھیں مگر میرے دائیں جانب اور سامنے کی طرف کوئی روشنی نہیں تھی۔ میں اُس تھیلے کی طرف متوجہ ہوا جو نیگرو عورت نے میری کشتی میں رکھ دیا تھا۔ میں نے تھیلا کھول کر اس میں ہاتھ ڈالا۔ میرا ہاتھ ایک ٹارچ سے ٹکرایا۔ میں نے ٹارچ کو باہر نکال لیا۔ یہ چھوٹے سائز کی ٹارچ تھی۔ میں نے اس کا منہ تھیلے کی طرف کر کے ٹارچ کا بٹن دبایا اور اس کی روشنی میں تھیلے کی چیزوں کو دیکھنے لگا۔

تھیلے میں ایک پتلون، ایک بش شرٹ، ایک خنجر اور ایک ڈبے میں ابلے ہوئے چاول تھے۔ ایک لفافہ بھی تھا۔ میں نے اسے کھولا تو اس میں کرنسی نوٹ تھے۔ میں نے ٹارچ ڈالی تو وہ انڈیا کی کرنسی تھی۔ پچاس پچاس اور دس دس کے نوٹ تھے۔ میں

نے گنے۔ کل ڈھائی ہزار روپے تھے۔ نیگرو عورت کو معلوم تھا کہ ان کا جہاز انڈیا کے ساحل کے قریب لنگر انداز ہے چنانچہ اس نے تھیلے میں انڈین کرنسی نوٹ رکھ دیئے تھے۔ ان لوگوں کے پاس ہر ملک کی کرنسی ہر وقت موجود رہتی تھی۔

میں نے اسی وقت جہاز کے خلاصی کی وردی اتار کر پتلون اور بش شرٹ پہنی اور خنجر پتلون کی جیب میں رکھ لیا۔ وہیں بیٹھ کر تھوڑے سے چاول کھائے اور ستاروں کو دیکھ کر اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ اگر یہ انڈیا کا ساحل ہے تو مشرقی ساحل ہے یا مغربی ساحل ہے۔ ستاروں کے مشاہدے سے میں کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔ اب وہاں سے آگے جا کر ہی پتہ چل سکتا تھا کہ میں انڈیا کے کون سے علاقے میں ہوں کیونکہ انڈیا کی تینوں جانب سمندر ہے۔

جس طرف روشنیاں زیادہ نہیں تھیں میں نے اس طرف چلنا شروع کر دیا۔ کرنسی نوٹ میں نے پتلون کی اندرونی جیب میں سنبھال کر رکھ لئے تھے۔ ان کی مجھے آگے چل کر قدم قدم پر ضرورت تھی۔ رات ڈھلنے لگی تھی۔ کچھ دیر کے بعد آسمان پر سحر کا اُجالا پھیلنے لگا اور ساحل سمندر دور تک دکھائی دینے لگا۔ میں ساحل سمندر کو پیچھے چھوڑ کر چل رہا تھا۔ کچھ دور تک ساحل ریتلا تھا پھر ناریل کے جھنڈ نظر آنے لگے۔ ناریل کے درخت انڈیا کے مغربی ساحل پر بھی ہوتے ہیں اور مشرقی ساحل پر بھی ہوتے ہیں۔ جب سورج طلوع ہوا تو مجھے پتہ چلا کہ میں انڈیا کے مشرقی ساحل پر ہوں۔ اب یہ دیکھنا تھا کہ یہ انڈیا کے صوبہ کیرالہ کا علاقہ ہے یا صوبہ کرناٹک کا ساحل ہے۔

آگے ناریل کے درختوں کے نیچے کچھ جھونپڑیاں تھیں۔ ایک عورت سل پر چاول پیس رہی تھی۔ اس کا دبلا پتلا مرد قریب ہی بیٹھا سوکھے ناریلوں کی چھال اُتار رہا تھا۔ میں نے ان کے پاس جا کر آدمی کو پرنام کیا اور اس علاقے کی ہندی زبان میں پوچھا کہ وہاں سے شہر کو سیدھا راستہ کون سا ہے۔

اس نے ہندی میں ہی اپنے پیچھے اشارہ کر کے کہا۔ ”اِدھر کو آگے پال گھاٹ پہنچ جاؤ گے۔“

میں سمجھ گیا کہ میں بھارت کے صوبہ کیرالہ کے ساحل پر ہوں۔ پال گھاٹ کیرالہ کی اہم بندرگاہ اور ریلوے سٹیشن بھی ہے جہاں سے وایا منگلور، حویلی، بلگام، کولہاپور اور پونا بمبئی کو ٹرین جاتی ہے۔ میں خوش ہوا کہ میں منزل کے قریب پہنچ گیا ہوں اور بمبئی وہاں سے زیادہ دور نہیں ہے بس ایک دن اور ایک رات کا ٹرین کا سفر تھا۔ خوشی مجھے اس بات کی بھی تھی کہ میں ساحلی حفاظتی گارڈز کی نگاہوں سے بچ کر انڈیا میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

میں ناریل کے جنگل میں داخل ہو گیا۔ یہ جنگل بڑی دور تک پھیلا ہوا تھا۔ میں چلتا چلا گیا۔ آخر جنگل ختم ہو گیا اور چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں کی ایک بستی آ گئی۔ میں اس سے دور رہ کر آگے نکل گیا۔ دن کافی نکل آیا تھا جب میں کیرالہ کے مشہور ساحلی شہر پال گھاٹ میں آ گیا۔ اس زمانے میں یہ شہر زیادہ وسیع اور ماڈرن نہیں تھا۔ پرانی اونچی عمارتوں والے بازار تھے۔ ان بازاروں میں موٹر کاروں کے ساتھ بیل گاڑیاں بھی چل رہی تھیں۔ لوگ شہر کے ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک بیل گاڑیوں میں بھی سفر کرتے تھے۔ میں پانچ روپے دے کر ایک بیل میں سوار ہو کر پال گھاٹ کے ریلوے سٹیشن پر آ گیا۔ معلوم ہوا کہ کیرل ایکسپریس دو گھنٹے بعد بمبئی روانہ ہو گی۔ میں نے وہیں سٹیشن پر تھوڑا بہت ناشتہ کیا اور ٹرین کے انتظار میں بیٹھ گیا۔

ٹرین نے وہیں سے تیار ہونا تھا۔ اپنے وقت پر ٹرین پلیٹ فارم پر آ کر لگ گئی۔ میں نے احتیاط کے طور پر سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لے رکھا تھا۔ سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ بالکل خالی تھا۔ میں کونے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ٹرین بمبئی کی طرف چل پڑی۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے کیپٹن زولو کی ظالمانہ قید سے اتنی جلدی چھٹکارا حاصل کر لیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر نیگرو عورت میری مدد نہ کرتی تو میرا ان ڈاکوؤں کے جہاز

سے فرار ہونا ناممکن تھا۔ قدرت نے اس نیگرو عورت کو میری مدد کے لئے بھیج دیا تھا۔ میں دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا تھا۔

ٹرین کا نام تو کیرل ایکسپریس تھا مگر وہ ہر سٹیشن پر کھڑی ہو جاتی تھی۔ سورج غروب ہو رہا تھا جب وہ منگلور پہنچی۔ رات کے وقت حویلی کا سٹیشن آیا۔ میں برتھ پر چڑھ کر سو گیا۔ میرے سوتے میں ہی بلگام اور کولہاپور کے سٹیشن گزر گئے۔ دن کافی چڑھ آیا تھا جب ٹرین پونا پہنچی۔ اب بمبئی زیادہ دور نہیں تھا۔ آخر میں بمبئی پہنچ گیا۔ مجھے ایسے لگ رہا تھا جیسے مجھے نئی زندگی مل گئی ہو۔ نتالیا کے آسیب اور ان کی بدروحوں میں سے کسی نے ابھی تک مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کالے جادوگر کی دی ہوئی انسانی ہڈی اسی طرح میرے بازو کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔

بمبئی کے سٹیشن سے میں نے ٹیکسی پکڑی اور اپنے دوست کے گیراج میں آ گیا۔

جمشید مجھے دیکھ کر بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ کہنے لگا۔ ”فیروز! خدا کے لئے مجھے ایک ہی بار بتا دو کہ تم کن چکروں میں پھنسے ہوئے ہو۔ اچانک غائب ہو جاتے ہو اور پھر اچانک کسی طرف سے نمودار ہو جاتے ہو۔ آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟“

میں نے کہا۔ ”جمشید! وقت آنے پر میں سب کچھ بتا دوں گا۔ اس وقت میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔“

جمشید نے کہا۔ ”اوپر چلے جاؤ۔ میرا بیڈ روم خالی پڑا ہے۔ تم ناشتہ نہیں کرو گے؟“

”ناشتہ میں نے ٹرین میں ہی کر لیا تھا۔“ میں نے کہا اور جمشید کے بیڈ روم میں آتے ہی اپنے آپ کو بستر پر گرا دیا اور گہری نیند سو گیا۔ جب سو کر اٹھا بلکہ جب عبدل نے مجھے اٹھایا تو دوپہر کے تین بج رہے تھے۔

جمشید بھی اوپر آ گیا۔ کہنے لگا۔ ”تمہارے انتظار میں میں نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ چلو کھانا کھا لیتے ہیں۔“

دوسرے کمرے میں بیٹھ کر ہم دونوں نے کھانا کھایا۔ جمشید نے پوچھا۔ ''اس وقت تم کہاں سے آ رہے ہو؟ اتنی مدت کہاں غائب رہے؟ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا ایک مہینے کا ویزا تھا اور تمہیں تھانے میں جا کر واپسی کی رپورٹ بھی کرنی تھی۔ وہ تو میں نے سارا معاملہ اس طرح سنبھالا کہ تھانیدار کھانڈیکر کو یہ کہہ دیا کہ تم بیمار ہو گئے ہو۔ اپنے اثر و رسوخ سے میں نے کھانڈیکر کو تمہارے خلاف رپورٹ اوپر نہیں بھجوانے دی۔ اب اسی وقت میرے ساتھ تھانے چل کر رپورٹ کرو اور کھانڈیکر تمہارے ویزے پر یہ تین چار مہینے کسی طرح بڑھا دے گا۔''

میں نے کہا۔ ''مگر میرے پاس تو پاسپورٹ نہیں ہے۔''

''تمہارا پاسپورٹ کہاں چلا گیا؟'' جمشید نے حیرانی سے پوچھا۔

میں نے کہا۔ ''گم ہو گیا۔ کیا کروں چار پانچ مہینے عجیب حالات میں پھنسا رہا۔''

جمشید نے پوچھا۔ ''آخر وہ کون سے حالات ہیں؟ میں تمہارا دوست ہوں کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔''

میں نے کہا۔ ''جمشید! وقت آنے پر میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ اس وقت میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔''

جمشید بولا۔ ''ٹھیک ہے۔ میں پولیس کا معاملہ جیسے بھی ہو اسنبھال لوں گا۔ لیکن یہ بتاؤ اب تم کب اچانک غائب ہو رہے ہو؟''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''کچھ پتہ نہیں۔ لیکن مجھے ایک دو دن کے لئے جے پور جانا ہو گا۔''

''جے پور کس لئے جا رہے ہو؟'' جمشید نے پوچھا۔

میں نے کہا۔ ''یہ بھی میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔''

دراصل میں جے پور جا کر قدیم ویران محل میں دُرگا کی بدروح سے ملاقات کر کے اسے سارے حالات سے باخبر کرنا چاہتا تھا۔ اسے روہنی کی ایک بار پھر گمشدگی کا

بتانا چاہتا تھا۔ صرف وہی مجھے بتا سکتی تھی کہ روہنی کس حال میں ہے اور کہاں ہے؟ اس کے علاوہ میں اپنے بارے میں اس سے مشورہ لینا چاہتا تھا کہ میں نتالیا کی قید سے تو فرار ہو کر آ گیا ہوں اب مجھے اس آسیب سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔

O

میں صرف دو دن بمبئی ٹھہرا۔

تیسرے دن میں جے پور کی طرف روانہ ہو گیا۔ جے پور، میں شام کے وقت پہنچا۔ ایک ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھایا اور اٹھ کر ایک باغ میں آ کر بیٹھ گیا اور رات گہری ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ جب رات کے گیارہ بج گئے تو میں ویران محل کی طرف چل پڑا۔ محل کے خفیہ راستے سے اندر داخل ہو گیا اور اس تہہ خانے میں آ کر دُرگا کی بدروح کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ آدھی رات کے بعد طوفانی ہواؤں اور ڈراؤنی آوازوں کے ساتھ دُرگا کی روح نمودار ہوئی۔ مجھے دیکھ کر بولی۔ ''شیروان! تم بڑی اچھی قسمت لے کر پیدا ہوئے ہو ورنہ اس بار تم نتالیا کی قید سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے۔''

میں نے کہا۔ ''دُرگا! یہ تو تم نے بالکل ٹھیک کہا۔ اگر قسمت میرا ساتھ نہ دیتی تو اس بار میرا فرار ہونا اتنا آسان نہیں تھا لیکن خدا کے لئے یہ بتاؤ کہ روہنی کہاں ہے اور میں اس سے کہاں مل سکتا ہوں کیونکہ اس سے ملے بغیر میں اس منحوس چکر سے باہر نہیں نکل سکتا۔''

دُرگا کی بدروح نے کہا۔ ''تمہارے بازو پر کالے جادوگر نے جو جادو کی ہڈی باندھ رکھی ہے اس کی وجہ سے نتالیا کا آسیب اور اس کی بدروحیں تمہارا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتیں لیکن تمہارا انتقام وہ روہنی سے لے رہی ہے اور اس نے روہنی کو اپنے قبضے میں کر کے اسے کرسچین قبرستان والی پرانی عمارت کے تہہ خانے میں بند کر کے

دروازے کی جگہ دیوار کھڑی کر دی ہے۔ روہنی اب وہاں سے نہیں نکل سکتی۔''

میں نے کہا۔ لیکن روہنی تو اب بدروح نہیں ہے۔ وہ ایک اچھی روح بن چکی ہے اور اچھی روحیں کسی بھی چار دیواری میں بند نہیں کی جا سکتیں۔ وہ بند دیواروں میں سے بھی گزر جاتی ہیں۔''

دُرگا بولی۔ ''تم نے بالکل ٹھیک کہا۔ لیکن روہنی کی روح کے ساتھ اس کے کچھ گناہوں کا بوجھ ابھی تک چمٹا ہوا ہے جس کو جھڑنے میں کافی وقت لگے گا۔''

میں نے کہا۔ ''آخر یہ کون سے گناہ ہیں؟''

دُرگا نے کہا۔ ''اس کا صرف ایک ہی گناہ ہے کہ اُس نے اس مادی دنیا کی محبت کو اپنے دل میں بہت زیادہ بسا رکھا تھا۔ وہ ابھی روح کی ترقی کی پہلی سیڑھی پر ہے۔ کچھ وقت کے بعد اس کا یہ گناہ بھی اس کی روح سے جھڑ جائے گا۔ جب تک اس گناہ کا باقی بچا ہوا تھوڑا بہت بوجھ اس کے ساتھ لگا ہے روہنی کی روح کے راستے میں رکاوٹیں آتی رہیں گی۔''

میں نے کہا۔ ''مگر میں نے خود دیکھا ہے کہ روہنی کی روح بند دیواروں میں سے گزر جاتی تھی۔''

دُرگا کہنے لگی۔ ''یہاں معاملہ اور ہے۔ وہ نتالیا کے طاقتور اور خطرناک آسیب کے قبضے میں ہے۔ نتالیا نے اسے جس تہہ خانے میں بند کر رکھا ہے اس کی دیواروں میں ایسا طلسم پھونک دیا ہوا ہے کہ جب تک وہ طلسم موجود ہے روہنی اس چار دیواری سے باہر نہیں نکل سکتی۔''

میں نے کہا۔ ''کیا میں روہنی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا؟''

دُرگا نے کہا۔ ''بلکہ یوں کہو کہ صرف تم ہی اس وقت اس کی مدد کر سکتے ہو۔''

''مگر میں ایک عام انسان ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں کیسے اُس طلسمی چار دیواری میں داخل ہو سکوں گا جہاں روہنی قید ہے۔''

دُرگا کی بدروح کہنے لگی۔ ''یہی تم انسانوں کی بھول ہے۔ تم لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہے کہ قدرت نے انسان کو کتنی زبردست طاقت دے رکھی ہے۔ جن لوگوں کو اپنی طاقت کا اندازہ ہو جاتا ہے وہ سب سے پہلا کام یہ کرتے ہیں کہ قدرت کی دی ہوئی غیر فانی طاقت کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے آپ کو برائی سے بچاتے ہیں۔ اپنے دل میں سے اللہ کے خوف کے سوا باقی سارے خوف نکال کر باہر پھینک دیتے ہیں۔ جھوٹ نہیں بولتے، شراب نہیں پیتے، حلال کی روزی کما کر کھاتے ہیں۔ جب وہ اس راستے پر چل پڑتے ہیں تو پھر وہ خلق خدا کی بھلائی کے لئے ایسے ایسے کام کر جاتے ہیں کہ رہتی دنیا تک ان کا نام زندہ رہتا ہے اور اگلی دُنیا میں بھی انہیں جنت کا اعلیٰ مقام عطا ہوتا ہے۔''

میں دُرگا بدروح کی زبانی یہ باتیں سن کر بڑا حیران ہوا۔ میں نے اُس سے کہا۔ ''میں نے پہلے کبھی تمہارے منہ سے ایسی باتیں نہیں سنیں۔ کیا تم ان باتوں پر یقین رکھتی ہو؟''

دُرگا نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ ''شیروان! مجھے مرنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ میری سب سے بڑی بدقسمتی یہ تھی کہ میں بتوں کی پوجا کرنے والوں کے گھر پیدا ہوئی۔ پھر میں بھی ساری زندگی بتوں کی پوجا کرتی رہی۔ کاش میں کسی مسلمان کے گھرانے میں جنم لیتی۔ صرف ایک خدا کی عبادت کرتی پھر میری بخشش ہو جاتی اور مرنے کے بعد میں بدروح کی شکل اختیار نہ کرتی۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ مجھے بدروح بن کر اپنے برے کرموں کی سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔''

دُرگا کی بدروح کچھ دیر تک بالکل خاموش رہی۔ تہہ خانے کی فضا میں ایک عجیب سا سکوت چھا گیا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔ ''میں تمہیں بتا رہی تھی کہ صرف تم ہی روہنی کی مدد کر سکتے ہو۔''

میں نے کہا۔ ''کیا نتالیا کا طلسم مجھ پر اثر نہیں کرے گا؟''

دُرگا نے کہا۔ ''اس سے بچنے کا طریقہ میں تمہیں بتا دوں گی۔''

''مگر میں بند چار دیواری میں کیسے داخل ہوں گا؟'' میں نے پوچھا۔

دُرگا بولی۔ ''یہ بھی میں تمہیں بتا دوں گی کہ تمہیں کیا کرنا ہوگا۔ اس مہم پر تم اکیلے نہیں جاؤ گے۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا تم بھی میرے ساتھ جاؤ گی؟''

دُرگا کہنے لگی۔ ''نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔ میری ایک غلام بدروح تمہارے ساتھ جائے گی۔ اس کا نام پاتالی ہے۔ پاتالی ایک عورت کی شکل میں تمہارے ساتھ جائے گی۔ وہی تمہیں اپنے ساتھ اس جگہ لے جائے گی جہاں آسیبی نتالیا نے روہنی کو قید کر رکھا ہے۔ بدروح پاتالی کو سب پتہ ہے کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ وہ تمہیں جو کہے گی تمہیں اس پر عمل کرنا ہوگا۔ میں نے پاتالی کو سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ میں نے اس کے اندر اپنی طاقت بھی ڈال دی ہے۔ پاتالی میں اب اتنی طاقت آگئی ہے کہ وہ روہنی کو نتالیا کی قید سے ضرور نکال لائے گی۔ ہاں تم سے کوئی غلطی نہیں ہونی چاہئے۔ اگر تم سے کوئی غلطی ہو گئی تو پھر سارا کام خراب ہو سکتا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''میں پاتالی کے کہنے پر چلوں گا۔ جیسے وہ مجھے کہے گی میں کرتا جاؤں گا اپنی مرضی سے کچھ نہیں کروں گا۔''

دُرگا بولی۔ ''ٹھیک ہے۔ اب میں پاتالی کو یہاں بلاتی ہوں۔''

دُرگا کے حلق سے ایک عجیب چیخ نما آواز نکلی۔ اس کے ساتھ ہی سامنے والی دیوار میں سے سیاہ دھوئیں کا ایک مرغولہ نمودار ہوا اور دُرگا کے سامنے آ کر رُک گیا۔

دُرگا نے کہا۔ ''پاتالی! یہ شیروان ہے۔ تمہیں اس کو اپنے ساتھ لے کر جانا ہوگا۔ میں نے تمہیں سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ روہنی میری سہیلی ہے۔ وہ مجھے بہت پیاری ہے۔ اُس کو ہر حال میں نتالیا کے آسیب کی قید سے نکال کر لانا ہے۔''

پاتالی بدروح کے سیاہ مرغولے میں سے بھاری اور کسی حد تک ڈراؤنی آواز بلند ہوئی۔ ”دُرگا میا! تمہارے لئے پاتالی کی جان بھی حاضر ہے۔ میں روہنی کو بڑی جلدی تمہارے پاس لے آؤں گی۔“

دُرگا کی بدروح نے کہا۔ ”یہ شیروان ہے۔ اس کے بارے میں میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ یہ کون ہے اور روہنی کے ساتھ اس کا کیا رشتہ ہے۔ میں نے اسے بھی سمجھا دیا ہے۔ یہ تمہارے حکم کے مطابق چلے گا اور وہی کرے گا جو تم کہو گی۔“

پاتالی بدروح کے مرغولے کی آواز ابھری۔ ”دُرگا میا! آدمی کی ذات کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر اس سے کوئی غلطی ہو گئی تو پھر مجھے کچھ نہ کہنا۔“

دُرگا نے کہا۔ ”نہیں۔ یہ کوئی غلطی نہیں کرے گا۔ اب تم اسے لے کر اپنی مہم پر روانہ ہو جاؤ۔“

پاتالی بدروح کے سیاہ مرغولے نے کہا۔ ”جو حکم دُرگا میا!“

اس کے بعد دھوئیں کا مرغولہ گھومنے اور چکر کھانے لگا۔ گھومتے گھومتے وہ رُک گیا اور اس کے بعد ہی ایک خوبصورت لڑکی کی شکل اختیار کر گیا۔ اس کا رنگ سانولا تھا۔ چہرے کے نقوش تیکھے تھے۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ اس بدروح لڑکی نے کالج کی لڑکیوں کی طرح جینز پہنی ہوئی تھی اور اس کے بال بھی کٹے ہوئے تھے۔ کندھے کے ساتھ پرس لٹک رہا تھا۔ دُرگا نے مجھ سے کہا۔ ”شیروان! اس سے ملو۔ یہ پاتالی ہے۔“

پاتالی نے میری طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر انگریزی میں بولی۔ ”تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔“

میں پہلی بار ایک ایسی بدروح کو دیکھ رہا تھا جو انگریزی بولتی تھی۔ میں نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔ ”مجھے بھی تم سے مل کر خوشی ہوئی ہے۔“

دُرگا نے پاتالی سے کہا۔ ”پاتالی! اس مہم میں اگر کسی وقت میری مدد کی ضرورت

پڑ جائے تو فوراً میرا منتر پڑھ کر پھونکنا میں یہیں سے تمہیں بتا دوں گی کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے۔“

پاتالی نے کہا۔ ”جو حکم دُرگا میا!“

ایک سوال بار بار میرے دل میں اُٹھ رہا تھا۔ میں نے آخر دُرگا سے پوچھ ہی لیا۔ میں نے اس سے کہا۔ ”دُرگا! میرے بازو پر کالے جادوگر نے جو ہڈی کا تعویذ باندھ رکھا ہے اس کے بارے میں اُس نے کہا تھا کہ کوئی بدروح میرے قریب بھی نہیں پھٹک سکے گی۔ لیکن اس بدروح پاتالی نے تو مجھ سے ہاتھ بھی ملایا ہے اور اسے کچھ نہیں ہوا۔ کیا کالے جادوگر کا تعویذ بے اثر ہو گیا ہے؟“

دُرگا نے کہا۔ ”نہیں۔ کالے جادوگر کا دیا ہوا تعویذ بے اثر نہیں ہوا۔ اس کا طلسمی اثر قائم ہے۔ پاتالی پر اس کا اثر اس لئے نہیں ہوا کہ یہ بدروح اچھی نیت سے تمہارے پاس آئی ہے۔ یہ تمہیں نقصان پہنچانے کے لئے نہیں آئی۔ بلکہ تمہاری مدد کرنے کے لئے آئی ہے اس طرح یہ اب تمہارے لئے بدروح نہیں رہی۔ یہ تمہاری دوست اور ہمدرد بن چکی ہے اس لئے تعویذ کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اگر یہ بری نیت سے آتی تو تم سے ہاتھ ملاتے ہی جل کر راکھ ہو جاتی۔“

دُرگا کی بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ اُس نے پاتالی سے کہا۔ ”پاتالی! اپنی مہم پر شیروان کو لے کر روانہ ہو جاؤ۔“

اتنا کہہ کر دُرگا کی بدروح غائب ہو گئی۔ پاتالی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور بڑی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ”چلو مائی ڈیئر شیروان!“

پاتالی ماڈرن لڑکیوں کی طرح بات کرتی مجھے بڑی اچھی لگی مگر میں جانتا تھا کہ آخر یہ بھی بدروح ہی ہے۔ تہہ خانے سے نکلنے کے بعد میں محل کے پرانے خفیہ دروازے کی طرف بڑھا تو پاتالی نے کہا۔ ”ہم خفیہ دروازے سے نہیں جائیں گے۔ ہم اسی دروازے سے جائیں گے جس دروازے سے ٹورسٹ باہر جاتے ہیں۔“

جب میں نے پاتالی کو بتایا کہ یہ قدیم محل انڈیا کے محکمہ آثار قدیمہ کی تحویل میں ہے اور گیٹ پر رات کو بھی چوکیدار موجود ہوتے ہیں تو اس نے کہا۔ ”مجھے معلوم ہے۔“

ہم محل کے بڑے ہال کمروں میں سے گزرتے ہوئے محل کے صحن میں آ گئے۔ پاتالی وہاں رُک گئی۔ اُس نے اپنے پرس میں سے ایک سادہ سی انگوٹھی نکال کر مجھے دی اور کہا۔ ”اسے انگلی میں پہن لو۔“

میں نے انگوٹھی اپنی انگلی میں پہنی تو میں غائب ہو گیا۔ اب جو میں نے دیکھا تو پاتالی بھی غائب ہو چکی تھی مگر غائب ہونے کے باوجود مجھے اُس کا دھندلا دھندلا خاکہ سا نظر آ رہا تھا۔ کہنے لگی۔ ”میں جتنا تمہیں نظر آ رہی ہوں اتنا صرف تم ہی مجھے دیکھ سکو گے دوسرا کوئی انسان مجھے اتنا بھی نہیں دیکھ سکے گا۔“

ہم محل کے گیٹ کی طرف بڑھے۔ وہاں خوب روشنی ہو رہی تھی اور رات کو پہرہ دینے والے دو چوکیدار موجود تھے۔ ہم ان کے درمیان سے گزر گئے۔ ان میں سے کسی نے ہمیں نہ دیکھا۔

پاتالی نے کہا۔ ”ابھی کافی رات باقی ہے۔ میرا دل کافی پینے کو چاہ رہا ہے۔ جے پور کے ایک ہوٹل میں ٹورسٹوں کے لئے رات بھر کافی کی سروس کھلی ہوتی ہے۔ چلو وہاں چلتے ہیں۔“

شاید اسے میں غائب ہونے کے باوجود بھی دکھائی دے رہا تھا کیونکہ جب وہ مجھ سے بات کر رہی تھی تو اس کا چہرہ بالکل میرے چہرے کی سیدھ میں تھا اور اس کی نگاہیں میری آنکھوں پر مرکوز تھیں۔ میں نے اُس سے پوچھا۔ ”یہ ہوٹل یہاں سے کتنی دُور ہو گا؟“ میں آخر زندہ انسان تھا غائب ہونے کے باوجود اس قسم کے سوال پوچھنے پر مجبور تھا۔

پاتالی نے مسکرا کر کہا۔ ”اپنا ہاتھ مجھے دو۔“

میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس نے کہا۔ ”آنکھیں بند کر دو۔ جب تک میں نہ کہوں آنکھیں نہ کھولنا۔“

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں بند کرتے ہی تیز ہوا کا جھونکا میرے جسم سے ٹکرا گیا۔ پاتالی نے کہا۔ ”آنکھیں کھول دو۔“

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک ماڈرن قسم کے عالی شان ہوٹل کی لابی میں کھڑا تھا اور پاتالی مجھے اپنے پورے جسم کے ساتھ بالکل صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ اب غائب نہیں تھی۔ اُس نے کہا۔ ”انگوٹھی اُتار کر جیب میں رکھ لو۔“

میں نے انگوٹھی اتاری تو میں بھی غیبی حالت سے اپنی زندہ انسانی شکل میں واپس آ گیا۔ میں نے فوراً اِدھر اُدھر دیکھا۔ کچھ غیر ملکی گورے سیاح تھوڑے فاصلے پر کرسیوں پر بیٹھے مشروب وغیرہ پی رہے تھے اور دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ ان میں گوری عورتیں بھی تھیں۔ ہم ایک میز کے گرد رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ یہ جے پور کے راجہ کا محل تھا جس کو ریاست چھن جانے کے بعد راجہ نے ہوٹل میں تبدیل کر دیا تھا۔

ایک سرخ وردی والا بیرہ جس نے سرخ راجستھانی پگڑی باندھی ہوئی تھی ہماری میز پر آ گیا۔ پاتالی نے دو کافی کا آرڈر دے دیا۔ میز پر گلدان میں پھول لگے ہوئے تھے۔ گلابی رنگ کے ٹشو پیپر بھی ایک سنہری ڈبے میں نظر آ رہے تھے۔ پاتالی نے ایک ٹشو پیپر نکال کر اپنے ہونٹوں پر آہستہ سے پھیرا پھر پرس میں سے اپنا چھوٹا سا وینٹی کیس نکال کر چھوٹا سا گول آئینہ سامنے کر کے ہونٹوں پر لپ سٹک کی تہہ جمانے لگی۔ میں یہ سوچ کر دل میں ہنس پڑا کہ اگر مجھے معلوم نہ ہوتا کہ یہ ایک بدروح ہے تو میں اس کے عشق میں گرفتار ہو سکتا تھا۔

بیرا کافی کا ٹرے رکھ کر چلا گیا۔ میں نے کافی بنائی اور ہم کافی پینے لگے۔ میں نے پاتالی سے کہا۔ ”پاتالی! اس وقت ہم بڑے ماڈرن اور دوستانہ ماحول میں بیٹھے ہیں۔ کیا

میں تم سے ایک سوال پوچھ سکتا ہوں؟"

پاتالی نے اپنی طلسم زدہ نظروں سے مجھے گھور کر دیکھا اور بولی۔ "میں جانتی ہوں تم مجھ سے یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ میں کون ہوں؟ کہاں پیدا ہوئی اور کہاں میری موت واقع ہوئی؟ یاد رکھو۔ مجھ سے اور سب کچھ پوچھ سکتے ہو مگر اس قسم کے سوال پوچھنے کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔"

میں وہیں سہم کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک ہم خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ پھر میں نے کہا۔ "آئی ایم سوری پاتالی!"

پاتالی مسکرائی۔ "اِٹ اِز آل رائٹ شیروان!"

میں نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے پاتالی سے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تمہیں معلوم ہوگا کہ ہمارا ٹارگٹ یہاں سے دُور انڈیا کے شمالی پہاڑی علاقے میں اس کرسچین قبرستان کا ویران کھنڈر ہے جس کے تہہ خنے میں نتالیا کے آسیب نے روہنی کو قید کر رکھا ہے۔"

پاتالی نے پرس میں سے سگریٹ کیس نکال کر ایک سگریٹ سلگا لیا۔ میں پہلی بار کسی بدروح کو سگریٹ پیتے دیکھ رہا تھا۔ واقعی یہ ایک ماڈرن بدروح تھی اور اس سے کسی انسان کا بچنا ناممکن تھا۔ سگریٹ کا ہلکا سا کش لگا کر کہنے لگی۔ "مجھے سب کچھ معلوم ہے۔"

میں نے کہا۔ "ہمیں صبح کے وقت جے پور سے دلی جانے والی گاڑی مل جائے گی۔ دلی سے ہم پنجاب میل کے ذریعے چندی گڑھ پہنچ جائیں گے۔ وہ کھنڈر چندی گڑھ کی شمالی پہاڑیوں میں ایک جگہ ہے۔ میں نے وہ جگہ دیکھی ہوئی ہے۔"

پاتالی کہنے لگی۔ "میں نے بھی دیکھی ہوئی ہے۔"

بیرا قریب سے گزرا تو پاتالی نے اسے اشارے سے پاس بلا کر کہا۔ "دو کافی اور کچھ سینڈوچز لے آؤ۔"

بیرا ادب سے سر جھکا کر چلا گیا۔ پاتالی نے مجھ سے کہا۔ "صبح ہونے تک ہمیں وقت تو گزارنا ہی ہے اور جے پور میں ٹائم پاس کرنے کے لئے اس سے اچھی جگہ کہیں نہیں ہے۔"

میں نے پاتالی سے کہا۔ "ایک بار میں روہنی کے ساتھ پرانے کھنڈر کی طرف گیا تھا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ ہوا میں اُڑا کر لے گئی تھی۔"

پاتالی کے دلکش چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ کہنے لگی۔ "یہ میں بھی بڑی آسانی سے کر سکتی ہوں لیکن ایک عرصہ سے میں نے ٹرین میں سفر نہیں کیا۔ جب میں زندہ تھی تو ٹرین میں سفر کرنا میری ہابی ہوا کرتی تھی۔ اب مجھے موقع ملا ہے تو میں اسے ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ ہم چندی گڑھ تک ٹرین میں ہی سفر کریں گے۔"

پاتالی نے ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد سگریٹ کا ہلکا سا دھواں اڑاتے ہوئے کہا۔ "دُرگا میا نے مجھے بتایا تھا کہ روہنی تم سے بڑی محبت کرتی ہے اور تم بھی اب اس سے محبت کرنے لگے ہو۔ کیا یہ سچ ہے؟"

عورت چاہے بدروح بن جائے مگر محبت کے بارے میں باتیں کرنا اور دوسروں کی محبت کی سراغ رسانی کرنا کبھی فراموش نہیں کرتی۔

میں نے کہا۔ "ہاں۔ تھوڑی تھوڑی محبت مجھے اس سے ہو گئی ہے۔"

پاتالی مجھے بڑی سنجیدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی۔ "تم زندہ انسانوں کو کیا معلوم کہ ہم بری روحوں کی محبت کیا ہوتی ہے۔ تمہاری محبت صرف تمہاری زندگی تک زندہ رہتی ہے۔ موت کے ساتھ ہی تم سب محبتیں وغیرہ بھلا دیتے ہو جبکہ ہم بدروحوں کی محبت مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ ایسی محبت کبھی نہیں مرتی۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ بہرحال مجھے زندگی سے پیار تھا اور مجھے زندہ انسانوں سے محبت کرنا ہی اچھا لگتا تھا۔ ان بدروحوں اور ان کی دنیا سے تو میں تنگ آ چکا تھا۔ بیرا کافی اور سینڈوچز لے کر آ گیا۔

پاتالی نے کہا۔ ”شیروان! تم بھی کچھ کھالو۔“

میں نے بھی دو ایک سینڈوچز کھائے۔ واقعی بڑے لذیذ تھے۔ پاتالی بھی بڑے سکون سے کھا رہی تھی۔ کہنے لگی۔ ”یہ ڈشیں کھانے کا ہمیں کبھی کبھی ہی موقع ملتا ہے۔ ہم اکثر غیبی حالت میں رہتی ہیں اور تمہیں بھی اس کا تجربہ ہو گیا ہو گا کہ غیبی حالت میں بھوک پیاس نہیں لگتی چاہے ایک ماہ گزر جائے۔“

میں نے کہا۔ ”ہاں۔ یہ تو ہے۔ لیکن پاتالی تم لوگ تو جب چاہو انسانی شکل میں آ کر یہ چیزیں کھا سکتی ہو۔“

پاتالی نے کافی بناتے ہوئے کہا۔ ”ہماری دنیا کے بھی کچھ قانون ہیں اور ہمارے قانون پر بڑی سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ ہمیں کبھی کبھار ہی انسانوں کی دنیا میں آنے کا موقع ملتا ہے۔“

لابی کے محلاتی طرز کے اونچے روشندانوں میں دن کا اُجالا جھلکنے لگا تھا۔ بیرا ایک پلیٹ میں بل رکھ کر چلا گیا تھا۔ کافی کا گھونٹ بھرنے کے بعد پاتالی نے اپنی کلائی کی گھڑی پر نگاہ ڈال کر کہا۔ ”ساڑھے پانچ بج گئے ہیں۔ دلی کی ٹرین ٹھیک سوا چھ بجے جے پور سے روانہ ہوتی ہے۔“

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”پاتالی! یہ تو ٹرین کے روانہ ہونے کا بالکل صحیح ٹائم تم نے بتایا۔“

پاتالی نے نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ”ہمیں بہت سی باتوں کا پہلے سے پتہ چل جاتا ہے۔“

اس نے بیرے کو اشارے سے بلایا اور کہا۔ ”میں نے پانچ سو کا نوٹ بل کے نیچے رکھ دیا ہے۔“

بیرے نے بل ہٹا کر دیکھا نیچے واقعی پانچ سو روپے کا بالکل نیا نوٹ رکھا ہوا تھا حالانکہ میں نے پاتالی کو پرس میں سے نوٹ نکال کر بل کے نیچے رکھتے نہیں دیکھا تھا۔

روہنی عام طور پر اپنی مٹھی میں سے نوٹ نکال کر ادائیگی کیا کرتی تھی مگر پاتالی اس سے دو قدم آگے نکل گئی تھی۔ اُس نے بل کے نیچے ہی پانچ سو کا نوٹ پیدا کر دیا تھا۔

پاتالی نے پرس اپنے کندھے سے لٹکا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ ”چلو چلیں۔“

ہم محل نما ہوٹل کے باہر آ گئے۔ باہر صبح ہو چکی تھی۔ ایک طرف ییلو کیب ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ دوسری سمت پرائیویٹ ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ پاتالی نے کہا۔ ”ہم پرائیویٹ ٹیکسی میں بیٹھ کر سٹیشن جائیں گے۔“

وہ ایک نئے ماڈل کی ٹیکسی میں پیچھے میرے ساتھ بیٹھ گئی اور ٹیکسی سٹیشن کی طرف روانہ ہو گئی۔ پاتالی نے مجھے انگریزی میں کہا۔ ”کبھی ٹیکسی میں ڈرائیور کی سیٹ کے ساتھ نہ بیٹھنا۔ یہ خاندانی روایات کے خلاف بات ہے۔“

میں نے سوچا کہ واقعی یہ بدروح کسی اعلیٰ ارسٹوکریٹ گھرانے کی لڑکی ہے جو خدا جانے اپنے کس گھناؤنے گناہ کی پاداش میں ہندو دھرم کے سنسکاروں کے مطابق مرنے کے بعد ایک بدروح کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ دُرگا نے اور خود پاتالی نے بھی مجھے اس قسم کے ذاتی سوال پوچھنے سے منع کیا ہوا تھا ورنہ میں اس سے ضرور پوچھتا کہ وہ کہاں پیدا ہوئی تھی اور اس نے کس کالج میں تعلیم حاصل کی تھی اور اس سے کون سا ایسا گناہ سرزد ہو گیا تھا جس کی وہ اتنی سخت سزا بھگت رہی ہے۔

جے پور کے سٹیشن پر پہنچنے کے بعد میں نے پاتالی سے کہا۔ ”تم یہیں ٹھہرو۔ میں ٹکٹ لے آتا ہوں۔“

اس نے کہا۔ ”ٹکٹ میرے پرس میں موجود ہیں۔“

تب مجھے خیال آیا کہ یہ تو بدروح ہے۔ یہ جو چیز چاہتی ہے مہیا کر لیتی ہے۔ ٹکٹ اس کے پاس فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ کے تھے۔ ٹرین پلیٹ فارم پر کھڑی تھی۔ ابھی اس کے روانہ ہونے میں کچھ دیر تھی۔ وہ میرے آگے آگے جا رہی تھی۔ فرسٹ کلاس کی بوگی کے پہلے ڈبے میں داخل ہوتے ہی اسے جیسے کسی نے اندر سے دھکا دیا

اور پاتالی باہر پلیٹ فارم پر گر پڑی۔ میں نے جلدی سے اسے اٹھایا۔ وہ سخت گھبرائی ہوئی تھی۔ بولی۔ ”جلدی سے آگے چلو۔“

یہ کہہ کر وہ اگلے ڈبوں کی طرف دوڑ پڑی۔ میں نے فرسٹ کلاس کے ڈبے میں نگاہ ڈالی کہ دیکھوں اس کو اندر سے کس نے دھکا دیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ کمپارٹمنٹ کی کونے والی سیٹ پر ایک سفید داڑھی والے صاحب پنجسورہ دونوں ہاتھوں میں تھامے بڑے خضوع وخشوع سے قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ ساری بات میری سمجھ میں آ گئی۔ جہاں کلام الٰہی کی تلاوت ہو رہی ہو وہاں بری روح کا گزرنا ناممکن ہے۔ میں دوڑ کر آگے گیا۔ دیکھا کہ پاتالی ٹرین سے کچھ فاصلے پر پلیٹ فارم کے ایک ستون کے پیچھے چھپ کر کھڑی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔ ”ہم اس ٹرین میں سفر نہیں کریں گے۔ سٹیشن سے باہر آ جاؤ۔“

ہم پلیٹ فارم کا پل عبور کر کے دوسرے پلیٹ فارم سے ہو کر سٹیشن سے باہر آ کر فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں بیٹھ گئے۔ نہ میں نے پوچھا کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ ہوا تھا اور نہ پاتالی نے ہی مجھے کچھ بتایا۔ کہنے لگی۔ ”دوسری ٹرین تین بجے چلے گی۔ ہم تب تک اسی ویٹنگ روم میں انتظار کریں گے۔“

ہم نے وہیں دوپہر کا کھانا منگوا کر کھایا۔ میں نے محسوس کیا کہ بدروح پاتالی پلیٹ فارم پر اس وقت جانا چاہتی تھی جب دلی جانے والی ٹرین وہاں آ چکی ہو۔ تین بجے ٹرین کا ٹائم تھا جو ایک گھنٹہ لیٹ ہو گئی اور چار بجے آئی۔ پاتالی نے مجھے ساتھ لیا اور تیز تیز قدموں سے چلتی فرسٹ کلاس بوگی کے ایک کمپارٹمنٹ کے دروازے پر آئی۔ اندر جھانک کر دیکھا جب اس نے دیکھا کہ سب ٹھیک ہے تو وہ ڈبے میں داخل ہو گئی۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ ڈبے میں صرف ایک غیر ملکی ادھیڑ عمر گوری عورت اپنے سامان کے پاس سیٹ پر بیٹھی ٹھنڈا جوس پی رہی تھی۔ اس نے ہمیں ایک نظر دیکھا اور پھر جوس پیتے ہوئے باہر پلیٹ فارم کی طرف دیکھنے لگی۔ ہم نے سامنے والی سیٹ پر

ڈیرہ جما لیا۔ سامان ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ جے پور کے سٹیشن پر گرمی تھی۔ فرسٹ کلاس کا وہ کمپارٹمنٹ ایئر کنڈیشنڈ نہیں تھا۔ غیر ملکی عورت نے ہماری طرف دیکھ کر انگریزی میں کہا۔ ”کمپارٹمنٹ کا ایئر کنڈیشنڈ خراب ہے۔ میں نے گارڈ کو رپورٹ لکھوا دی ہے مگر یہ لوگ کچھ نہیں کر رہے۔“

پاتالی کو گرمی نہیں لگ رہی تھی۔ بدروحوں کو نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس، نہ گرمی لگتی ہے نہ سردی۔ میں نے غیر ملکی عورت کو انگریزی میں ہی جواب دیا۔ ”آج گرمی بھی زیادہ ہے۔“

غیر ملکی عورت نے پاتالی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ ”تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟“

پاتالی نے کہا۔ ”ہم دلی جا رہے ہیں۔“

غیر ملکی عورت بولی۔ ”میں بھی دلی جا رہی ہوں۔ میرا نام مارگریٹ ہے۔ میں دلی کے ایک گرلز کالج میں انگریزی پڑھاتی ہوں۔ تم کوئی جاب کرتی ہو؟“

پاتالی نے یونہی کہہ دیا۔ ”نہیں۔“ غیر ملکی عورت سمجھ گئی کہ پاتالی اس سے زیادہ بات چیت نہیں کرنا چاہتی۔ چنانچہ وہ تھیلے میں سے ایک کتاب نکال کر پڑھنے لگی۔

کچھ دیر بعد ٹرین چل پڑی۔ رات ہو گئی تھی جب ٹرین دلی پہنچی۔ میں اور پاتالی فرسٹ کلاس ریفریشمنٹ روم میں جا کر بیٹھ گئے کیونکہ مجھے کھانا کھانا تھا۔ پاتالی یونہی میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئی تھی حالانکہ اسے اس کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے پاتالی سے کہا۔ ”یہاں سے اب ہمیں صبح کو ہی چندی گڑھ کے لئے کوئی ٹرین مل سکے گی۔“

اس نے کہا۔ ”کوئی بات نہیں۔ ہم ویٹنگ روم میں ٹرین کا انتظار کریں گے۔“

باقی رات ہم نے ویٹنگ روم میں گزار دی۔ معلوم ہوا کہ پنجاب میل دن کے نو بجے روانہ ہوتی ہے۔ ہمیں ٹکٹ خریدنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ پاتالی کے پرس

میں اپنے آپ دلی سے چندی گڑھ کے دو فرسٹ کلاس کے ٹکٹ آ گئے تھے۔ بہر حال ہم چندی گڑھ پہنچ گئے۔ اس وقت وہاں رات کے دس بج رہے تھے۔ وہاں سے ہم نے ایک پرائیویٹ ٹیکسی لی اور شمالی پہاڑی علاقے کے ایک چھوٹے ہل سٹیشن کی طرف چل پڑے۔ اس ہل سٹیشن سے وہ قبرستان والا کھنڈر چند فرلانگ کے فاصلے پر ہی تھا جہاں بقول دُرگا کے روہنی کو نتالیا کے آسیب نے بند کر رکھا تھا۔ ایک گھنٹے میں ہم ہل سٹیشن پہنچ گئے۔ ہم نے اپنے آپ کو میاں بیوی ظاہر کر کے ہوٹل کا ایک کمرہ لے لیا اور آدھی رات ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ جب رات آدھی گزر گئی تو پاتالی نے پرس میں سے انگوٹھی نکال کر مجھے دی اور کہا۔ ”اسے پہن لو۔“

میں نے انگوٹھی پہن لی۔ اس کے ساتھ ہی میں غائب ہو گیا مگر میں اس حالت میں بھی پاتالی کے پاس موجود تھا اور صرف پاتالی ہی مجھے دیکھ سکتی تھی۔ اس نے پرس میں سے کسی درندے کا نوکیلے ناخنوں والا پنجہ نکالا اور کہنے لگی۔ ”یہ ریچھ کا پنجہ ہے۔ میں نے اس پر ایک خاص منتر پھونکا ہوا ہے۔“ اس کے بعد اچانک پاتالی بھی غائب ہو گئی۔ میں اسے غائب ہونے کے بعد بھی دیکھ رہا تھا۔ ریچھ کا نوکیلا پنجہ اُس کے ہاتھ میں تھا۔ کہنے لگی۔ ”میرے ساتھ آ جاؤ۔“ ہم نے کمرے کے دروازے کو بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا رکھی تھی۔ ہم بند دروازے میں سے گزر گئے۔ ہوٹل کے باہر دو تین گاڑیاں کھڑی تھیں۔ روشنی ہو رہی تھی۔ ایک پہاڑیا چوکیدار بندوق لئے سٹول پر بیٹھا بیڑی پی رہا تھا۔ ہم اس کے قریب سے گزر گئے۔ اس نے ہم میں سے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ ہوٹل سے ذرا آگے پہاڑی کی ہلکی سی چڑھائی تھی۔ آگے تھوڑی سی اترائی تھی۔ پھر چیڑھ کے اونچے اونچے درختوں میں سے ایک راستہ قبرستان والے کھنڈر کی طرف جاتا تھا۔ ہم خاموشی سے اس راستے پر چل رہے تھے۔ چاروں طرف سکوت چھایا ہوا تھا۔ رات سرد تھی مگر ہمیں سردی بالکل نہیں لگ رہی تھی۔

O

پاتالی صحیح راستے پر جا رہی تھی۔

ڈیڑھ دو فرلانگ کا پہاڑی راستہ طے کرنے کے بعد ہم قبرستان کے شکستہ گیٹ پر آ گئے۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں یہ دو تین سو سال پرانا ایک کرسچین قبرستان تھا جس کی قبریں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی تھیں۔ قبرستان میں موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میں نے قبرستان کو پہچان لیا تھا۔ جہاں قبرستان کی ٹوٹی پھوٹی دیوار تھی اس کے قریب ہی وہ کھنڈر تھا جس کے تہہ خانے میں روہنی قید تھی اور جہاں نتالیا مجھے اغواء کر کے لائی تھی اور اس نے زبردستی مجھ سے شادی کی تھی۔

کھنڈر کو دیکھ کر مجھ پر ایک ہول سا طاری ہو گیا۔ اگرچہ میں غائب تھا اور میرے بازو پر کالے جادوگر کی دی ہوئی طلسم زدہ ہڈی کا تعویذ بندھا ہوا تھا اس کے باوجود مجھے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ کیونکہ نتالیا کی طاقت آسیبی تھی جس کا مقابلہ کوئی بدروح نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کالے جادوگر کا تعویذ بھی نتالیا کی آسیبی طاقت کے آگے شکست کھا جائے اور روہنی کے ساتھ میں بھی دوبارہ نتالیا کی قید میں چلا جاؤں۔

پاتالی قبرستان کی دیوار کے پاس آ کر رُک گئی۔ میں اسے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ اندھیرے میں مجھے اس کی شکل صورت اور جسم صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے مجھے دیوار کے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میرے پاس ہی وہ بھی بیٹھ گئی۔

وہ مسلسل کھنڈر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ وہ منہ ہی منہ میں کوئی خفیہ منتر پڑھ رہی تھی۔ پہاڑی علاقے کی رات سرد اور پراسرار تھی۔ دھند کی ایک لہر نے ویران کھنڈر کے گرد لپٹ کر اسے اور زیادہ پراسرار بنا دیا ہوا تھا۔ اچانک ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔ یہ آواز ایک ایسی گڑگڑاہٹ کی تھی جیسے زمین کے اندر سے آ رہی ہو۔ میرے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ مجھے ہر لمحے نتالیا کے آسیب کا خطرہ لگا ہوا تھا اور اس وقت تو مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے میں موت کے منہ میں بیٹھا ہوا ہوں۔

اس گڑگڑاہٹ کا پاتالی پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

وہ اسی طرح بت بنی بیٹھی ویران کھنڈر کی طرف مسلسل تک رہی تھی اور خفیہ منتر پڑھ رہی تھی۔ دوسری بار گڑگڑاہٹ کی آواز بڑی دور سے آتی لگی۔ اس کے بعد گہری خاموشی چھا گئی۔ پاتالی نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''یہ پنجہ یہاں زمین میں گاڑ دو۔''

میں نے ریچھ کا پنجہ اس کے ہاتھ سے لے کر اسے زمین میں گاڑ دیا۔ گیلی نرم زمین میں پنجے کے ناخن دھنس گئے تھے۔ پاتالی نے میرے کان میں کہا۔ ''روہنی اندر موجود ہے۔ میں اسے لینے جا رہی ہوں۔ تم یہاں سے مت ہلنا اگر یہ پنجہ زمین سے اچھل کر فضا میں غائب ہو جائے تو فوراً یہاں سے فرار ہو جانا۔ ایک منٹ کی بھی دیر کی تو مارے جاؤ گے۔''

یہ کہہ کر پاتالی اٹھی اور بالکل سیدھی ہو کر جیسے کوئی نیند میں چلتا ہو کھنڈر کی طرف چل پڑی۔ میں قبرستان کی شکستہ دیوار کی اوٹ میں بیٹھا اُسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کھنڈر کے قریب پہنچی تو دُھند کی لہر نے اسے اپنے اندر چھپا لیا اور وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اب میں اس منحوس آسیبی فضا میں غیبی حالت میں اکیلا رہ گیا تھا۔ کسی وقت مجھے لگتا تھا کہ یہ بدروح پاتالی ماری جائے گی اور روہنی کو بھی اپنے ساتھ

مروائے گی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نتالیا کی طاقت سے واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ بدروحیں آسیبوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اگر ایسی بات ہوتی تو روہنی اب تک نتالیا کے چنگل سے نکل کر واپس آ گئی ہوتی۔ کسی وقت محسوس ہوتا کہ نہیں یہ پاتالی بدروح خاص طاقت دُرگا بدروح سے لے کر آئی ہے اور اس کے پاس نتالیا کے آسیب پر غالب آنے کا طلسمی منتر موجود ہے۔

دو تین منٹ گزر گئے۔ خاموشی اور زیادہ گہری اور ڈراؤنی محسوس ہونے لگی تھی۔ کوئی آواز، کوئی آہٹ تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر ایسا ہوا کہ مجھے جہاں میں بیٹھا تھا وہاں زمین کے اندر سے آتی ایک گونج سنائی دی جیسے زمین کی گہرائیوں میں کوئی بہت بڑی چٹان ٹوٹ کر کھولتے ہوئے لاوے میں گری ہو۔ میں گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور زمین کی طرف دیکھنے لگا۔ ریچھ کا پنجہ اسی طرح زمین میں دھنسا ہوا تھا۔

ایک دم سے مجھے لگا جیسے میرے پاؤں کے نیچے زمین سخت گرم ہو گئی ہے۔ میرے پاؤں جلنے لگے۔ میں اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اسی لمحے ویران آسیبی کھنڈر کی طرف سے ایسی دہشت ناک آواز سنائی دی جیسے کوئی بہت بڑی، ریچھ سے بھی بڑی بلی رو رہی ہو۔ یہ آواز اتنی ڈراؤنی تھی کہ مجھے یقین ہے اس کے خوف سے سرد رات کی خاموشی بھی لرز اٹھی ہو گی۔ میرے پاؤں کے نیچے زمین زیادہ گرم ہوتی جا رہی تھی۔ میں غائب ضرور تھا لیکن جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ پاتالی کی انگوٹھی پہننے سے میں اس طرح غائب ہوا تھا کہ میرے جسم کا بوجھ بالکل ہلکا نہیں ہوا تھا تھوڑے تھوڑے میرے پاؤں زمین کے ساتھ ضرور لگ رہے تھے۔

میں قبرستان کی شکستہ دیوار پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

میں ایک سیکنڈ کے بعد ریچھ کے پنجے کو بھی دیکھ لیتا تھا۔ وہ ابھی تک زمین میں دھنسا ہوا موجود تھا۔ پاتالی نے کہا تھا کہ اگر پنجہ غائب ہو جائے تو تم فوراً وہاں سے بھاگ جانا۔ میں ویران کھنڈر کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ فضا ایک بار پھر ساکت ہو گئی

تھی۔ کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ میرے دیکھتے دیکھتے ویران کھنڈر میں سے ایک چیخ کی آواز آئی۔ اس کے بعد دوسری چیخ کی آواز بلند ہوئی۔ ان آوازوں نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔ پھر ایک ایسی آواز کے ساتھ کہ جیسے راکٹ فائر ہوا ہو ریچھ کا پنجہ زمین میں سے نکل کر اوپر کی طرف اٹھا اور غائب ہو گیا۔ ویران کھنڈر میں سے چیخیں ہی چیخیں بلند ہونے لگی تھیں۔ میں تیزی سے پیچھے کی طرف بھاگا۔

ایک دم دوڑنے سے مجھے ایک دھکا لگا اور میں زمین سے غبارے کی طرح چار فٹ بلند ہو کر فضا میں اُڑتا چلا گیا۔ میں اپنے بازو اس طرح چلانے لگا جیسے کوئی تیراک تیراکی کے مقابلے میں سمندر میں پوری طاقت سے تیرتا جا رہا ہو۔ میں اُڑتے اُڑتے درختوں کے اوپر آ گیا اور جس طرف کو میرا رُخ تھا میں اسی سمت کو پرواز کرنے لگا۔ بازوؤں کو چلانے سے اتنا فرق ضرور پڑا کہ میری رفتار ایک دم تیز ہو گئی اور پھر میں اسی رفتار کے ساتھ پرواز کرنے لگا۔

ہل سٹیشن کی پہاڑی ہوٹل اور مکانوں کی روشنیاں میرے نیچے سے گزر گئیں۔ میں نے ان کو ذہن میں رکھ کر اپنا رخ بدل کر چندی گڑھ شہر کی طرف کر لیا۔ اب میں پہاڑی علاقے میں پہاڑیوں کے اوپر زمین سے دو ڈھائی سو فٹ کی بلندی پر اڑتا چلا جا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ پاتالی کو بھی نتالیا کے آسیب نے پکڑ لیا ہے۔ وہ شاید زندہ نہیں بچی ہو گی۔ مجھے پہلے ہی ڈر تھا کہ یہ بدروح نتالیا کے آسیب کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ خدا جانے پاتالی کی حماقت کی وجہ سے روہنی کے ساتھ نتالیا کے آسیب نے کیا سلوک کیا ہو گا۔ شاید میں کالے جادوگر کے طلسمی ہڈی والے تعویذ کی وجہ سے نتالیا کے حملے سے بچ گیا تھا ورنہ وہ مجھے وہاں سے کبھی نہ بھاگنے دیتی۔ بہرحال میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ میری جان بچ گئی۔

مگر اب میرا کیا ہو گا؟ میں کہاں جاؤں گا؟ یہی سوال مجھے پریشان کر رہا تھا۔ آخر

میں نے یہی فیصلہ کیا کہ مجھے دُرگا کے پاس واپس جانا چاہئے اور اسے ساری صورت حال سے آگاہ کرنا چاہئے۔ وہی مجھے بتا سکتی ہے کہ اب مجھے کیا کرنا ہو گا۔

کچھ دیر کے بعد نیچے کسی نیم پہاڑی شہر کی بے شمار چھوٹی بڑی جھلملاتی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ چندی گڑھ ہی ہے۔ اس کے آگے مجھے معلوم نہیں تھا کہ جے پور جانے کے لئے مجھے فضا میں اپنے آپ کو کس رُخ پر رکھنا ہو گا۔ یہ میرے لئے بڑا مشکل کام تھا۔ میں اکیلا کبھی فضا میں پرواز کرتے ہوئے کسی شہر کی طرف نہیں گیا تھا۔

میں نے یہی مناسب سمجھا کہ چندی گڑھ اُتر جاتا ہوں اور وہاں سے بذریعہ ٹرین جے پور جاؤں گا۔ میں نے نیچے روشنیوں کی طرف غوطہ لگایا اور تیزی سے نیچے آنے لگا۔ میں ایک چھوٹے سے پارک میں اُتر گیا۔ رات کا وقت تھا۔ پارک میں مرکری لیمپ روشن تھے۔ کوئی انسان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میں غیبی حالت میں آہستہ آہستہ چلتا پارک کے گیٹ سے باہر نکل کر سڑک پر آ گیا۔ رات کافی گزر چکی تھی۔ سڑک دور تک سنسان پڑی تھی۔ میں اور پاتالی جالندھر تک ٹرین میں آئے تھے اس کے بعد ہم نے ایک پرائیویٹ ٹیکسی میں چندی گڑھ تک سفر کیا تھا۔ پاتالی تو جتنے پیسے چاہے کرنسی نوٹوں کی شکل میں پیدا کر لیتی تھی مگر میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ میرے پاس تو کوئی پیسہ نہیں تھا۔ میں نے چلتے چلتے اپنی پتلون کی جیبوں کو ٹٹولا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میری پتلون کی پچھلی جیب میں ایک بٹوہ پڑا تھا۔ میں نے کبھی بٹوہ نہیں رکھا تھا۔ میں نے بٹوے کو کھول کر دیکھا اس میں کافی نوٹ بھرے ہوئے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ پاتالی نے میری جیب میں رکھ دیئے ہوں گے۔

چندی گڑھ بھارتی پنجاب کا دارالحکومت ہے اور بڑا خوبصورت اور ماڈرن شہر ہے۔ وہاں بڑے بڑے ہوٹل ہیں جو ساری رات کھلے رہتے ہیں۔ میں نے دور سے ایک ہوٹل کا چمکتا ہوا نیون سائن بورڈ بڑھا تو اس طرف بڑھا۔ قریب آ کر میں ایک

طرف اندھیرے میں ہو گیا اور میں نے پاتالی کی انگوٹھی اپنی انگلی سے اتار کر جیب میں رکھ لی۔ انگوٹھی کے اترتے ہی میں اپنی انسانی شکل میں واپس آگیا۔ میں نے ہوٹل کے کاؤنٹر پر آکر کاؤنٹر بوائے سے پوچھا کہ یہاں سے جالندھر کی طرف بسیں کہاں سے جاتی ہیں۔

اس نے کہا۔ ''آپ کو کہاں جانا ہے؟''

میں نے کہا۔ ''میں دلی جانا چاہتا ہوں۔''

اس نے کہا۔ ''پھر آپ کے لئے یہی مناسب رہے گا کہ چندی گڑھ سے انبالہ جانے والی کوسٹر میں بیٹھ جائیں۔ وہ آپ کو بڑے آرام سے انبالہ پہنچادے گی۔ وہاں سے آپ دلی کی ٹرین پکڑ سکتے ہیں۔''

جب میں نے اس سے پوچھا کہ انبالے جانے والے کوسٹر کوچ کب مل سکے گی تو اس نے کہا۔ ''ابھی رات کے دو بجنے والے ہیں۔ کوسٹر صبح چھ بجے چلنا شروع ہوتی ہیں۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا میں یہاں آپ کے ہوٹل کی لابی میں بیٹھ کر یہ وقت گزار سکتا ہوں؟''

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''نو پرابلم سر! ضرور بیٹھ جائیں۔''

میں لابی میں آکر صوفے پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک بیرا آگیا۔ اس نے پوچھا۔

''سر کیا پئیں گے؟''

میں نے کہا۔ ''چائے لے آؤ۔''

بیرا چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چائے کے برتن میرے آگے رکھ گیا۔ میں چائے بنانے لگا۔ میں نے چائے بناتے ہوئے لابی کا جائزہ لیا۔ لابی تقریباً خالی پڑی تھی۔ تین صوفے چھوڑ کر ایک نیلی ساڑھی والی عورت بیٹھی سگریٹ پی رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ پہلے ہی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے

نظریں دوسری طرف کر لیں۔ چائے بنائی اور خاموشی سے پینے لگا۔ میں سوچ رہا تھا کہ دلی سے بھی میں ٹرین کے ذریعے ہی جے پور دُرگا کے پاس جاؤں گا۔ اب مجھے ہوا میں اُڑ کر کسی جگہ جانے کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس کافی پیسے آگئے ہیں۔ میں ٹرین میں سفر کر سکتا ہوں۔ میں اپنی سوچوں میں گم تھا کہ وہی نیلی ساڑھی والی عورت اپنے صوفے سے اٹھ کر میرے سامنے والے صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔ وہ جوان تھی اور خوبصورت بھی تھی۔ مگر مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اس سے پوچھتا کہ وہ کس لئے میرے پاس آئی ہے۔ اس عورت نے کہا۔

''میں ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہو گئی ہوں۔ پلیز میری مدد کیجئے۔''

وہ بڑی صاف اردو زبان میں بول رہی تھی۔ میں نے اس عورت کو غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر معصومیت کے ساتھ کچھ گھبراہٹ بھی تھی۔ میں نے پوچھا۔

''میں خود یہاں اجنبی ہوں۔ میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

عورت نے کہا۔ ''مجھ سے ایک بڑی بھول ہو گئی ہے۔ ایک پاپ ہو گیا ہے۔ بھگوان نے مجھے اس کی سزا دی ہے۔''

مجھے پوچھنا ہی پڑا کہ اس سے کیا گناہ ہو گیا؟ اس عورت نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ ''میرا نام انجلی ہے۔ میں دلی میں اپنے خاوند کے ساتھ رہتی تھی کہ ایک آدمی سے مجھے محبت ہو گئی۔ وہ بھی مجھ سے بڑا پریم کرنے لگا۔ اس نے کہا چلو دلی سے بھاگ کر چندی گڑھ چلے جاتے ہیں۔ وہاں ہم شادی کر لیں گے۔ میں اس کی باتوں میں آگئی اور اپنے خاوند کو چھوڑ کر اپنے پریمی کے ساتھ یہاں چندی گڑھ بھاگ آئی۔ وہ آدمی بڑا دھوکے باز نکلا۔ اس نے مجھے اس ہوٹل میں اپنے ساتھ بیوی ظاہر کر کے رکھا مگر اس نے مجھ سے شادی نہ کی۔ میں اپنے ساتھ جو زیور اور پیسے لائی تھی وہ جب ختم ہو گئے تو وہ دھوکے باز مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اب میں یہاں پریشان حال بیٹھی ہوں۔ میرے پاس ہوٹل کا بل ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا

کروں۔"

میں نے کہا۔" آپ ٹیلی فون کر کے اپنے خاوند کو یہاں کیوں نہیں بلوا لیتیں؟"

اس نے کہا۔"میں نے اپنے خاوند کو فون کیا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ میں اسے آئندہ فون نہ کروں۔ وہ میری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا۔ اب میں دلی اپنے ماتا پتا کے پاس جانا چاہتی ہوں مگر میرے پاس پھوٹی کوڑی نہیں ہے۔ ہوٹل کا بل بھی ادا کرنا ہے۔ پلیز آپ میری مدد کیجئے۔ آپ مجھے اچھے آدمی لگے ہیں۔"

میں نے کہا۔" شریمتی جی! میں آپ کا ہوٹل کا بل بھی ادا کر دیتا ہوں اور آپ کو دلی تک کار یل گاڑی کا کرایہ بھی دے دیتا ہوں۔ آپ اپنے گھر چلی جائیں۔"

عورت نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔" مجھے اکیلی جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ پلیز آپ مجھے دلی تک چھوڑ آئیں۔ میں آپ کا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھلاؤں گی۔"

میں نے کہا۔" ٹھیک ہے۔ مجھے بھی دلی جانا ہے۔ آپ میرے ساتھ جا سکتی ہیں۔ آپ کا ہوٹل کا بل کتنا ہے؟"

اس نے پرس میں سے بل نکال کر مجھے دیا۔ یہ ایک ہزار دو سو پچاس روپے کا تھا۔ میں نے بٹوے میں سے پوری رقم نکال کر اسے دی اور کہا۔" آپ یہ بل ادا کر دیں۔"

عورت نے کہا۔" آپ نے میری زندگی کو تباہ ہونے سے بچا لیا ہے۔ آپ انسان نہیں دیوتا ہیں۔"

میں نے کہا۔" بی بی! میں کوئی دیوتا وغیرہ نہیں ہوں۔ معمولی انسان ہوں۔ میرے پاس پیسے تھے آپ کو ضرورت تھی میں نے آپ کی ضرورت پوری کر دی۔ انسان اگر کسی ضرورت مند کی مدد کر سکے تو اسے ضرور مدد کرنی چاہئے۔ جائیں بل ادا کر دیں۔"

عورت اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف چلی گئی۔ میں نے سوچا کہ بے چاری مجبور عورت

ہے۔ ایک بدمعاش کے جھانسے میں آ گئی ہے۔ اچھا ہوا میرے پاس پیسے تھے اور میں نے اسے مصیبت سے نکال دیا۔ میں اسے اپنے ساتھ دلی لئے چلتا ہوں وہاں اسے ٹیکسی میں بٹھا دوں گا کہ جاؤ بی بی اپنے ماتا پتا کے گھر جاؤ اور پھر کبھی گھر سے قدم باہر نہ نکالنا۔

عورت بل ادا کر کے میرے پاس آ کر بیٹھ گئی اور بار بار میرا شکریہ ادا کرنے لگی۔ میں نے کہا۔" بی بی میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے ایک انسانی فرض ادا کیا ہے اور میں اتفاق سے یہ فرض ادا کرنے کی پوزیشن میں تھا۔"

"آپ مجھے مسلمان لگتے ہیں۔" عورت نے کہا۔

میں نے کہا۔" جی ہاں! الحمد للہ کہ میں مسلمان ہوں۔"

"آپ دلی میں کہیں ملازم ہیں؟" اس نے پوچھا۔

میں نے کہا۔" بی بی! اس قسم کے کسی سوال کا جواب دینا، میں پسند نہیں کروں گا۔ آپ کو دلی جانا ہے میں آپ کو دلی پہنچا دوں گا۔"

عورت خاموش ہو گئی۔ اتنی دیر میں باہر صبح کا اجالا نمودار ہو چکا تھا۔ میں نے عورت سے کہا۔" ہم یہاں سے یک کوچ میں بیٹھ کر انبالے تک جائیں گے۔ انبالے سے ہم دلی کے لئے ٹرین پکڑیں گے۔"

وہ بولی۔" جیسے آپ کی مرضی۔"

وہ میری طرف اس طرح دیکھتی تھی جیسے کوئی پجاری عورت، اپنے کسی دیوتا کی مورتی کی طرف دیکھتی ہے۔

میں نے کہا۔" تھوڑا سا ناشتہ یہیں کر لیتے ہیں۔ راستے میں شاید کہیں موقع نہ ملے۔"

میں نے اپنے اور اس عورت کے لئے ناشتے کا آرڈر دے دیا۔ ہم ناشتہ کرنے لگے۔ عورت کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ یہ گھریلو قسم کی سیدھی سادھی عورت

ہے۔ زیادہ پڑھی لکھی بھی نہیں لگتی تھی۔ ایسی عورتیں بڑی جلدی بدمعاش قسم کے مردوں کے جھانسے میں آجاتی ہیں۔

ناشتہ کرتے کرتے ہمیں پانچ بج گئے۔

وہیں سے ہم بسوں کے اڈے پر آگئے۔ وہاں سے ایئر کنڈیشنڈ بسیں اور کوسٹرز چلتی تھیں۔ میں نے انبالے کے دو ٹکٹ لئے اور ہم ایک آرام دہ ایئر کنڈیشنڈ کوسٹر میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد کوسٹر انبالے کی طرف روانہ ہو گئی۔ لمبا سفر تھا مگر بڑا آرام دہ تھا۔ ہم انبالے پہنچ گئے۔ وہاں ایک ہوٹل میں ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا اور ریلوے سٹیشن پر آگئے۔ وہاں سے ہم دلی جانے والی گاڑی میں سوار ہو کر دلی روانہ ہو گئے۔ ٹرین دلی رات کے ایک بجے پہنچی۔

اس عورت نے کہا۔ ''اتنی رات گئے میں ماتا پتا کے گھر نہیں جانا چاہتی۔ پلیز مجھے صبح صبح پہنچا دینا۔''

جے پور کی گاڑی بھی مجھے دن کے وقت ہی مل سکتی تھی۔ میں نے سوچا کہ صبح اسے اس کے گھر روانہ کر کے خود جے پور چل دوں گا۔

میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ صبح چلے جانا۔ لیکن اتنا وقت ہمیں ویٹنگ روم میں ہی گزارنا پڑے گا۔''

وہ بولی۔ ''کوئی بات نہیں۔ ہم ویٹنگ روم میں بیٹھ جائیں گے۔''

ہم سیکنڈ کلاس کے ویٹنگ روم میں آگئے۔ عورت کہنے لگی۔ ''میرا سر درد کر رہا ہے۔ پلیز میرے ساتھ ریفریشمنٹ روم تک آجائیں۔ میں چائے پینا چاہتی ہوں۔''

مجھے خود چائے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں اسے لے کر سیکنڈ کلاس کے ریفریشمنٹ روم میں آگیا۔ رات کے ایک بجے ریفریشمنٹ روم خالی پڑا تھا۔ میں نے چائے منگوالی۔ عورت کہنے لگی۔ ''آپ کے لئے میں چائے بناؤں گی۔''

اس نے بڑے اہتمام سے چائے کی خالی پیالیاں اپنے سامنے رکھ لیں اور مجھ سے

چینی پوچھی۔ میں نے کہا۔ ''ایک چمچ۔''

میری پیالی میں اس نے چینی کا ایک چمچ ڈالا۔ پھر قہوہ ڈالا اور دودھ ڈالنے کے بعد چمچ ہلاتے ہوئے بولی۔ ''آپ سچ مچ میرے لئے دیوتا بن کر آگئے تھے۔ آپ نہ آتے تو خدا جانے میرا کیا حال ہوتا۔''

وہ اسی طرح کی باتیں کرتی رہی اور ساتھ ساتھ میری پیالی میں چمچ بھی ہلاتی گئی۔ میں نے کہا۔ ''اتنا نہ ہلاؤ۔ چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔''

''شما کیجئے گا۔ مجھے خیال نہیں رہا۔'' یہ کہہ کر اس نے پیالی میرے آگے کر دی۔ پھر اپنی چائے بنانے لگی۔ میں نے چائے کا ایک گھونٹ پیا۔ مجھے چائے پھیکی لگی مگر میں نے کوئی خیال نہ کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ میری طرف بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ یونہی دیکھ رہی ہوگی۔ چائے کے تین چار گھونٹ پینے کے بعد مجھے چکر سا آگیا۔ میں نے پیالی میز پر رکھ دی اور سر کو ایک ہاتھ سے دبانے لگا۔

عورت نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

میں نے کہا۔ ''یونہی چکر سا آگیا تھا۔''

وہ بولی۔ ''پلیز آپ لیٹ جائیں۔''

اور وہ اٹھ کر میرے پاس آگئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے بازوؤں کو تھام لیا۔ اس وقت میرا جسم تقریباً سن ہو چکا تھا۔ میں نے کچھ بولنا چاہا مگر میری زبان جیسے پتھر بن چکی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ عورت میرے اس بازو کو ٹٹول رہی تھی جس بازو پر میں نے کالے جادوگر کا دیا ہوا ہڈی کا تعویذ باندھ رکھا تھا۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ عورت بدروح ہے جسے نتالیا نے میرا تعویذ چرانے کے لئے بھیجا ہے۔

اس خیال کے آتے ہی میں نے کلمہ پاک کا دل میں ورد کیا اور پورے جوش اور جذبے کے ساتھ اپنے جسم اور اپنی روح کی پوری طاقت کو ایک جگہ مرکوز کرتے ہوئے گرج کر کہا۔ ''دفع ہو جا بدروح! دفع ہو جا بدروح!''

ہے۔ زیادہ پڑھی لکھی بھی نہیں لگتی تھی۔ ایسی عورتیں بڑی جلدی بدمعاش قسم کے مردوں کے جھانسے میں آجاتی ہیں۔

ناشتہ کرتے کرتے ہمیں پانچ بج گئے۔

وہیں سے ہم بسوں کے اڈے پر آگئے۔ وہاں سے ایئر کنڈیشنڈ بسیں اور کوسٹرز چلتی تھیں۔ میں نے انبالے کے دو ٹکٹ لئے اور ہم ایک آرام دہ ایئر کنڈیشنڈ کوسٹر میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد کوسٹر انبالے کی طرف روانہ ہوگئی۔ لمبا سفر تھا مگر بڑا آرام دہ تھا۔ ہم انبالے پہنچ گئے۔ وہاں ایک ہوٹل میں ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا اور ریلوے سٹیشن پر آگئے۔ وہاں سے ہم دلی جانے والی گاڑی میں سوار ہو کر دلی روانہ ہو گئے۔ ٹرین دلی رات کے ایک بجے پہنچی۔

اس عورت نے کہا۔ ”اتنی رات گئے میں ماتا پتا کے گھر نہیں جانا چاہتی۔ پلیز مجھے صبح صبح پہنچا دینا۔“

جے پور کی گاڑی بھی مجھے دن کے وقت ہی مل سکتی تھی۔ میں نے سوچا کہ صبح اسے اس کے گھر روانہ کر کے خود جے پور چل دوں گا۔

میں نے کہا۔ ”ٹھیک ہے۔ صبح چلے جانا۔ لیکن اتنا وقت ہمیں ویٹنگ روم میں ہی گزارنا پڑے گا۔“

وہ بولی۔ ”کوئی بات نہیں۔ ہم ویٹنگ روم میں بیٹھ جائیں گے۔“

ہم سیکنڈ کلاس کے ویٹنگ روم میں آگئے۔ عورت کہنے لگی۔ ”میرا سر درد کر رہا ہے۔ پلیز میرے ساتھ ریفریشمنٹ روم تک آجائیں۔ میں چائے پینا چاہتی ہوں۔“

مجھے خود چائے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں اسے لے کر سیکنڈ کلاس کے ریفریشمنٹ روم میں آگیا۔ رات کے ایک بجے ریفریشمنٹ روم خالی پڑا تھا۔ میں نے چائے منگوالی۔ عورت کہنے لگی۔ ”آپ کے لئے میں چائے بناؤں گی۔“

اس نے بڑے اہتمام سے چائے کی خالی پیالیاں اپنے سامنے رکھ لیں اور مجھ سے

چینی پوچھی۔ میں نے کہا۔ ”ایک چمچ۔“

میری پیالی میں اس نے چینی کا ایک چمچ ڈالا۔ پھر قہوہ ڈالا اور دودھ ڈالنے کے بعد چمچ ہلاتے ہوئے بولی۔ ”آپ سچ مچ میرے لئے دیوتا بن کر آگئے تھے۔ آپ نہ آتے تو خدا جانے میرا کیا حال ہوتا۔“

وہ اسی طرح کی باتیں کرتی رہی اور ساتھ ساتھ میری پیالی میں چمچ بھی ہلاتی گئی۔ میں نے کہا۔ ”اتنا نہ ہلاؤ۔ چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔“

”شما کیجئے گا۔ مجھے خیال نہیں رہا۔“ یہ کہہ کر اس نے پیالی میرے آگے کر دی۔ پھر اپنی چائے بنانے لگی۔ میں نے چائے کا ایک گھونٹ پیا۔ مجھے چائے پھیکی لگی مگر میں نے کوئی خیال نہ کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ میری طرف بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ یونہی دیکھ رہی ہوگی۔ چائے کے تین چار گھونٹ پینے کے بعد مجھے چکر سا آگیا۔ میں نے پیالی میز پر رکھ دی اور سر کو ایک ہاتھ سے دبانے لگا۔

عورت نے پوچھا۔ ”کیا ہوا؟“

میں نے کہا۔ ”یونہی چکر سا آگیا تھا۔“

وہ بولی۔ ”پلیز آپ لیٹ جائیں۔“

اور وہ اٹھ کر میرے پاس آگئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے بازوؤں کو تھام لیا۔ اس وقت میرا جسم تقریباً سن ہو چکا تھا۔ میں نے کچھ بولنا چاہا مگر میری زبان جیسے پتھر بن چکی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ عورت میرے اس بازو کو ٹٹول رہی تھی جس بازو پر میں نے کالے جادوگر کا دیا ہوا ہڈی کا تعویذ باندھ رکھا تھا۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ عورت بدروح ہے جسے نتالیا نے میرا تعویذ چرانے کے لئے بھیجا ہے۔

اس خیال کے آتے ہی میں نے کلمہ پاک کا دل میں ورد کیا اور پورے جوش اور جذبے کے ساتھ اپنے جسم اور اپنی روح کی پوری طاقت کو ایک جگہ مرکوز کرتے ہوئے گرج کر کہا۔ ”دفع ہو جا بدروح! دفع ہو جا بدروح!“

میرے منہ سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ عورت کی شکل ایک دم بدروح کی شکل بن گئی۔ وہ چیخ مار کر مجھ سے الگ ہوئی۔ اس کا جسم شعلوں میں بھڑکا اور وہ چیختی چلاتی غائب ہو گئی۔ اگر ریفریشمنٹ روم خالی نہ ہوتا تو وہاں نہ جانے کیسا ماحول پیدا ہو جاتا۔ ریفریشمنٹ روم خالی تھا اور اس بدروح کی چیخوں کی آواز بھی شاید کسی نے نہیں سنی تھی کیونکہ دوسرے کمرے میں سے نہ کوئی ملازم باہر نکلا تھا اور نہ باہر سے کوئی آدمی یہ معلوم کرنے اندر آیا تھا کہ یہ چیخوں کی آواز کیسی ہے؟

بدروح کے غائب ہوتے ہی میرے جسم کی طاقت واپس آ گئی اور میرے سر کے چکر بھی غائب ہو گئے۔ میں نے بازو کو ٹٹول کر دیکھا۔ تعویذ اسی طرح میرے بازو کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بدروح کے حملے سے بچا لیا تھا۔

اتنے میں بیرا آ گیا۔ ''سر! کچھ اور چاہیئے؟'' اس نے پوچھا۔

میں نے کہا۔ ''نہیں۔ کتنا بل ہے؟''

اس نے بل نکال کر میرے آگے پلیٹ میں رکھ دیا۔ میں نے بٹوے میں سے پچاس روپے کا انڈین نوٹ نکال کر پلیٹ میں رکھا اور باہر آ گیا۔

میرا دل اپنے رب کا شکر ادا کرتے نہیں تھک رہا تھا۔ اگر اللہ پاک کی مدد میرے شامل حال نہ ہوتی تو نتالیا کی بدروح کے اس حملے سے میرا بچنا ناممکن تھا۔ اس بدروح نے میری پیالی میں چمچ ہلاتے ہوئے کوئی منتر چائے میں پھونک دیا تھا جس کا مجھے احساس نہیں ہوا تھا۔ اس وقت میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب میں کسی اجنبی عورت یا اجنبی مرد کا اعتبار نہیں کروں گا خواہ وہ کسی بھی قابل رحم حالت میں میرے پاس کیوں نہ آ جائے۔

میں صبح تک ویٹنگ روم میں ہی بیٹھا رہا۔

جے پور جانے والی گاڑی مجھے صبح سوا آٹھ بجے ملی۔ میں اس میں بیٹھ کر جے پور پہنچ گیا۔ جے پور میں اِدھر اُدھر پھرنے یا کسی باغ میں بیٹھنے کی بجائے میں نے اسی

وقت ایک ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لے لیا اور کمرے میں آ کر دروازہ بند کر کے انتظار کرنے لگا کہ کب آدھی رات ہو اور میں دُرگا کی بدروح سے ملاقات کرنے پرانے محل میں جاؤں۔ میں نے کمرے میں ہی رات کا کھانا کھایا۔ جب رات کے ساڑھے گیارہ بجے کا وقت ہوا تو میں نے جیب سے پاتالی کی انگوٹھی نکال کر انگلی میں پہن لی۔ انگوٹھی کے پہنتے ہی میں غائب ہو گیا۔ اب مجھے دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں بند دروازے میں سے ہی باہر نکل گیا۔

وہاں سے سیدھا ویران تاریخی محل میں آ گیا اور تہہ خانے میں بیٹھ کر دُرگا کی بدروح کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ دُرگا کی بدروح ٹھیک آدھی رات کو نمودار ہوئی۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ کہنے لگی۔ ''پاتالی نے تمہیں نتالیا کے آسیب سے بچا لیا لیکن خود پھنس گئی۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا اسے بھی نتالیا نے روہنی کے ساتھ قید کر لیا ہے؟''

اس نے کہا۔ ''نہیں۔ نتالیا میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ پاتالی کے داؤ پیچ کا مقابلہ کر سکے۔ پاتالی میری تمام غلام بدروحوں سے زیادہ ہوشیار اور طاقتور بدروح ہے۔ اسے عین وقت پر نتالیا کے آسیب کے حملے کا پتہ چل گیا اور اس نے وہ منتر پڑھ کر اپنے اوپر پھونکا جو بدروحیں اس وقت پھونکتی ہیں جب انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اگر انہوں نے منتر نہ پھونکا تو دشمن انہیں مار ڈالے گا۔ پاتالی نے بھی ایسا ہی کیا اور اس کی جان بچ گئی۔''

میں نے پوچھا۔ ''لیکن پھر وہ مجھے ملی کیوں نہیں؟ کیا وہ تمہارے پاس بھی نہیں آئی؟''

دُرگا نے کہا۔ ''وہ اس حالت میں ہے کہ نہ تمہارے پاس آ سکتی ہے اور نہ میرے پاس آ سکتی ہے۔''

میں نے حیران ہو کر کہا۔ ''ایسی کون سی انہونی بات ہو گئی ہے۔ کیا مجھے نہیں بتاؤ

گی؟"

دُرگا کی بدروح نے کہا۔ "وہی انہونی بات بتانے کے لئے تو میں یہاں تمہارے پاس آئی ہوں۔ کیونکہ اس وقت پاتالی کی صرف تم ہی مدد کر سکتے ہو اور اسے اس مصیبت سے نکال سکتے ہو جس میں وہ اپنے اوپر منتر پھونکنے کے بعد پھنس گئی ہے۔"

میں نے دُرگا سے کہا۔ "آخر بات کیا ہوئی ہے۔ کچھ بتاؤ تو سہی۔"

دُرگا کی بدروح کہنے لگی۔ "شیروان! تمہیں یاد ہے روہنی ایک بار تمہیں بدروحوں کی دنیا میں اپنی سہیلی مالینی کے پاس لے گئی تھی؟"

میں نے کہا۔ "ہاں! مجھے یاد ہے۔"

دُرگا بولی۔ "اور تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ مالینی نے تمہیں ایک خطرناک منتر بتایا تھا جس کے صرف چار لفظ تھے۔"

مجھے یاد آگیا۔ میں نے کہا۔ "ہاں مجھے وہ چار لفظی منتر اس وقت بھی یاد ہے۔ میں یہی چار لفظوں والا منتر پڑھ کر چمگادڑ بن گیا تھا اور چمگادڑ بن کر وہاں گیا تھا جہاں مالینی مجھے بھیجنا چاہتی تھی۔"

"تم نے بالکل ٹھیک کہا۔" دُرگا بولی۔ "اور تمہیں یہ بھی ضرور یاد ہوگا کہ مالینی نے تمہیں کہا تھا کہ یہ چار لفظوں والا منتر صرف اس وقت پڑھ کر اپنے اوپر پھونکنا جب موت تمہارے سامنے کھڑی ہو اور بچنے کا کوئی راستہ نہ ہو کیونکہ یہ منتر پڑھنے کے بعد تم صرف غائب نہیں ہو گے بلکہ غائب ہوتے ہی کسی بھی جانور کی شکل اختیار کر سکتے ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم کسی دوسرے انسان کی شکل اختیار کر لو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم کوئی جنگلی درندہ بن جاؤ۔ اس کے بعد ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں منتر بھول جائے اور تمہیں ساری زندگی جنگلی درندہ بن کر ہی گزارنی پڑے۔"

میں نے کہا۔ "لیکن جب میں یہ منتر اپنے اوپر پھونک کر چمگادڑ بن گیا تھا تو مجھے یہ منتر یاد تھا اور میں اسے دوبارہ اپنے اوپر پھونک کر ہی اپنی انسانی شکل میں واپس آگیا

تھا۔"

دُرگا نے کہا۔ "تمہیں اس حالت میں یہ منتر اس وجہ سے یاد آگیا تھا کہ تمہارے پیچھے مالینی کا ہاتھ تھا جو بدروحوں کی سردارنی ہے اگر اس کا ہاتھ تمہارے پیچھے نہ ہوتا تو ممکن ہے تمہیں منتر یاد نہ آتا اور تم اس وقت تک چمگادڑ ہی بنے رہتے جب تک کہ دوبارہ تمہیں منتر یاد نہ آتا۔ یہ بدروحوں کی سردارنی کا سب سے خطرناک منتر ہے۔ اس کی یہی ایک بات خطرناک ہے کہ اگر یہ منتر شکل بدلنے کے بعد یاد نہ آئے تو وہ عورت یا مرد یا بدروح جس شکل میں ظاہر ہوئی ہوگی کچھ پتہ نہیں کب تک اسے اسی شکل میں زندہ رہنا پڑے۔"

میں کچھ کچھ سمجھ گیا تھا کہ دُرگا مجھے پاتالی کے بارے میں کیا بتانے والی ہے۔ میں نے پوچھا۔ "کیا پاتالی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی واقعہ ہوا ہے؟"

دُرگا نے کہا۔ "ہاں! اب میں تمہیں بتاتی ہوں کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ جب وہ تمہیں قبرستان کی دیوار کے پاس چھوڑ کر روہنی کو قید سے نکالنے ویران کھنڈر کے تہہ خانے کی بند دیوار کے پاس آئی تو نتالیا کا آسیب وہیں گھات لگائے اس کے انتظار میں تھا۔ اس نے فوراً اس پر حملہ کر دیا۔ مگر پاتالی بڑی ہوشیار تھی۔ اسے ایک سیکنڈ پہلے احساس ہو گیا کہ اس پر حملہ ہونے والا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ یہ حملہ کسی بدروح کا نہیں بلکہ ایک خطرناک آسیب کا حملہ ہے جس سے وہ اپنا بچاؤ نہیں کر سکے گی۔ چنانچہ اس نے فوراً چار لفظی منتر پڑھ کر پھونکا اور پھر....."

دُرگا خاموش ہو گئی۔ میں نے بے چین ہو کر پوچھا۔ "اور پھر کیا ہوا؟"

دُرگا بولی۔ "چار لفظوں والا خطرناک منتر پڑھنے کے بعد پاتالی غائب ہو کر ایک ایسی عورت کے جسم میں داخل ہو گئی ہے جس کی جان ہر وقت خطرے میں رہتی ہے۔ چوبیس گھنٹے جس کے پیچھے پولیس بندوقیں، رائفلیں لے کر اسے ہلاک کرنے کے لئے لگی رہتی ہے۔ اس طرح وہ کسی بھی وقت پولیس کی گولیوں سے چھلنی ہو کر ہلاک ہو

سکتی ہے یا پھر پولیس اسے پکڑ کر پھانسی کے تختے پر پہنچا سکتی ہے جہاں اس کے گلے میں پھندا ڈال کر اسے ایک سیکنڈ میں ہلاک کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اب نتالیا کے آسیب نے پاتالی کا پیچھا کرنا چھوڑ دیا ہے کیونکہ وہ جان گیا ہے کہ پاتالی اپنے آپ موت کے منہ میں چلی گئی ہے جہاں کسی بھی وقت موت اسے نگل جائے گی۔"

O

میرے ذہن میں خود بخود ایک سوال آ گیا۔ میں نے دُرگا سے کہا۔ "اگر پاتالی کو مارنا ہی تھا تو کیا نتالیا کا آسیب خود اسے نہیں مار سکتا تھا؟"

دُرگا کہنے لگی۔ "نتالیا کے آسیب نے پاتالی کو ہلاک کرنے کے لئے ہی اس پر حملہ کیا تھا۔ لیکن جب پاتالی بدروحوں کی سردارنی مالینی کا چار لفظی منتر پڑھ کر غائب ہو گئی تو وہ نتالیا کے آسیب کے ہاتھ سے نکل گئی تھی لیکن یہ دیکھ کر نتالیا کے آسیب نے پاتالی کو خود ہلاک کرنے کا خیال چھوڑ دیا تھا کہ وہ خود بخود ایک ایسی عورت کے جسم میں داخل ہو گئی ہے جس کو کسی بھی وقت پولیس گولیوں سے چھلنی کر سکتی ہے یا پھانسی کا پھندا اس کی گردن میں ڈال سکتی ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "پاتالی تو تمہاری خاص بدروح ہے۔ پھر اسے مالینی کا خطرناک منتر یاد کیوں نہ رہا۔ وہ اسے پڑھ کر اپنی شکل میں واپس آ سکتی تھی۔"

دُرگا کی بدروح کہنے لگی۔ "تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکو گے۔ یہ بدروحوں کی دنیا کی باتیں ہیں اور تم انسانوں کی دنیا میں رہنے والے ایک سیدھے سادھے انسان ہو۔ پاتالی اگرچہ میری خاص بدروح ہے اور سب سے زیادہ چالاک اور خطرناک ہے لیکن اس کے باوجود اسے بدروحوں کی سردارنی مالینی کا آشیر باد یعنی اس کی توجہ حاصل نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پاتالی کو غائب ہونے کے بعد منتر یاد رہتا جس طرح تمہیں چمگادڑ بننے کے بعد منتر یاد رہا تھا۔ اب کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ پاتالی کو منتر یاد آئے یا نہ آئے۔ جہاں تک میرا خیال ہے اسے یہ منتر یاد نہیں آئے گا اور وہ بہت جلد یا تو پولیس

مقابلے میں ماری جائے گی اور یا پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہو کر پھانسی چڑھ جائے گی۔“

میں نے کہا۔ ”تم نے مجھے تجسس میں ڈال دیا ہے۔ یہ عورت کون ہے جس کے جسم میں پاتالی کی بدروح داخل ہو گئی ہے۔ اس کا نام کیا ہے؟ وہ کہاں رہتی ہے؟“

دُرگا بولی۔ ”اس کا نام خنجری ہے۔ خنجری بھارت کی سب سے خونخوار ڈاکو ہے۔ لوگ اس کا نام سن کر ڈر جاتے ہیں۔ اس وقت تک وہ سینکڑوں انسانوں کا خون کر چکی ہے۔ اس کی رائفل جس بدنصیب کی طرف اٹھ جائے گولی اس کا سینہ پھاڑ ڈالتی ہے۔“

خنجری ڈاکو کا نام میں نے بھی سنا ہوا تھا اور اس کی کچھ خونی وارداتوں کا حال بھی سن رکھا تھا۔ میں نے کہا۔ ”اگر پاتالی اس خنجری ڈاکو کے جسم میں داخل ہو گئی ہے تو یہ ڈاکو عورت تو بدروح بن کر بدروحوں کی دنیا میں چلی گئی ہو گی۔“

”نہیں۔ ایسا نہیں ہوا۔“ دُرگا نے کہا۔ ”پاتالی بدروح کے اس کے جسم میں داخل ہونے کے بعد خنجری پہلے سے زیادہ خونخوار ہو گئی ہے۔“

”کیا اسے علم نہیں ہوا کہ اس کے جسم میں کسی عورت کی بدروح داخل ہو گئی ہے؟“

میرے سوال پر دُرگا نے کہا۔ ”نہیں۔ خنجری کو اس کا احساس تک نہیں ہے۔ وہ یہی سمجھ رہی ہے کہ وہ پہلے ایسی ڈاکو خنجری ہے اور دیوتاؤں نے اس کی طاقت میں اضافہ کر دیا ہے۔“

میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ”لیکن میں اس سلسلے میں پاتالی کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟“

دُرگا نے کہا۔ ”تم اس کے ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل ہو جاؤ گے اور پھر اس کے جسم میں ایک خاص طریقے سے مالینی کا خطرناک چار لفظی منتر داخل کرنے کی کوشش

کرو گے تاکہ پاتالی کو جو خنجری کے جسم میں ہے منتر یاد آ جائے اور وہ اسے دوبارہ پڑھ کر اپنی اصلی حالت میں واپس آ جائے۔“

میں نے کہا۔ ”اس کے جسم میں منتر داخل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اس کے پاس جا کر اس کو چار لفظوں والا منتر بتا دوں گا۔ وہ فوراً اسے پڑھ کر اپنی اصلی شکل میں واپس آ جائے گی۔“

دُرگا نے کہا۔ ”پہلی بات تو یہ ہے کہ پاتالی، ڈاکو خنجری کے روپ میں تمہیں بالکل نہیں پہچانے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم زبانی اگر اسے منتر بتاؤ گے تو وہ اس کے کانوں میں منتر کی شکل میں نہیں پڑے گا بلکہ اس کے کانوں تک جاتے جاتے بدل جائے گا۔ لفظ بدل جائیں گے۔ ہو سکتا ہے تم وہ منتر خنجری کے سامنے پڑھو اور وہ یہ سمجھے کہ تم اس سے کہہ رہے ہو خنجری آج بڑا اچھا موسم ہے۔ یا وہ سنے کہ خنجری تم بڑی خوبصورت ہو۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ چار لفظی منتر ایک گالی بن کر خنجری ڈاکو کے کان میں داخل ہو جائے۔ اس کے بعد وہ تمہیں کبھی زندہ نہیں چھوڑے گی۔ اس لئے خنجری کے سامنے اپنی زبان سے یہ منتر پڑھنے کی غلطی کبھی نہ کرنا۔“

میں نے پوچھا۔ ”تو پھر میں اس کے جسم میں منتر کیسے داخل کروں گا؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔“

دُرگا کی بدروح بولی۔ ”وہ میں تمہیں بتاؤں گی کہ تمہیں کیا کرنا ہو گا۔ پاتالی میری سب سے چہیتی غلام بدروح ہے۔ میں اسے اس حالت میں اکیلی نہیں چھوڑ سکتی۔ اگر اس پر مالینی کے منتر کا اثر نہ ہو چکا ہوتا تو میں خود اسے اس مصیبت سے نکال لیتی۔ لیکن مالینی بدروحوں کی سردارنی ہے۔ اس کے منتر کا توڑ میرے پاس بھی نہیں ہے۔ اس کے منتر کے توڑ کے لئے کسی زندہ انسان کی مدد لینی ضروری ہے اور زندہ انسانوں میں سے تم ہی ایک ایسے انسان ہو جو اتفاق سے اس وقت میرے پاس موجود ہے اور جس پر میں پورا بھروسہ کر سکتی ہوں۔ اب سنو! سب سے پہلے تم خنجری ڈاکو کا

اعتماد حاصل کر کے اس کے گروہ میں شامل ہو گے اس کے بعد تم اسے اپنا گرویدہ بناؤ گے۔"

"میں ایک خونخوارنی ڈاکو کو اپنا گرویدہ کیسے بنا سکتا ہوں؟" میں نے کہا۔

دُرگا بولی۔ "اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں اس مہم میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔ جہاں جہاں تمہیں مدد کی ضرورت ہو گی تمہاری مدد بھی کروں گی اور تمہیں کیا کرنا ہے یہ بھی بتاتی رہوں گی۔"

میں نے ایک اور سوال پوچھا جو بہت ضروری تھا۔ میں نے کہا۔ "یہ خونخوار ڈاکو خنجری ہوتی کہاں ہے؟"

دُرگا کہنے لگی۔ "بھارت کے صوبہ مدھیہ پردیش کے گھنے جنگلوں کو اس عورت نے اپنا مسکن بنایا ہوا ہے۔ وہ اپنے گروہ کے ساتھ انہی جنگلوں میں ہوتی ہے مگر اس کے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن میں تمہیں جنگل کے اس حصے میں پہنچا دوں گی جہاں ان دنوں اس ڈاکو عورت نے ڈیرہ ڈالا ہوا ہے۔"

میں نے کہا۔ "تو کیا میں وہاں پہنچ کر اپنے آپ خنجری ڈاکو کے سامنے حاضر ہو جاؤں گا اور کہوں گا کہ مجھے اپنے گروہ میں شامل کر لو۔"

دُرگا کہنے لگی۔ "نہیں۔ اس طرح جا کر کہو گے تو وہ تمہیں پولیس کا جاسوس سمجھ کر وہیں گولی مار دے گی۔"

"پھر مجھے کیا کرنا ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

دُرگا نے کہا۔ "میں تمہیں اس وقت جنگل میں خنجری ڈاکو کے ڈیرے کے قریب پہنچاؤں گی جب وہ درختوں کے درمیان بہنے والی ایک ندی میں نہا رہی ہو گی۔ اس وقت میں ایک شیر کو اس کی طرف بھیج دوں گی۔ یہ شیر اس وقت میرے جادو کے اثر میں ہو گا۔ تم یوں سمجھ لو کہ میں شیر کے سر پر بیٹھی ہوں گی۔ تم قریب ہی ایک جھاڑی میں چھپے ہوئے ہو گے۔ جیسے ہی وہ خنجری ندی سے نہا کر باہر نکلے گی۔ شیر میرے جادو

کے اثر سے اس پر حملہ کر دے گا۔ عین اسی وقت تم جھاڑی میں سے نکل کر خنجر سے شیر پر حملہ کر دو گے۔ عام حالات میں کوئی بھی انسان شیر کو خنجر سے ہلاک کرنے کی بھول کر بھی جرات نہیں کر سکتا لیکن تم ایسا ہی کرو گے۔ شیر تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ وہ اس وقت میرے کنٹرول میں ہو گا۔ تم اس کی گردن میں خنجر پیوست کر دو گے اور شیر زخمی ہو کر بھاگ جائے گا۔ خنجری ڈاکو تمہاری بہادری پر حیران رہ جائے گی۔ اس کے گروہ کے آدمی بھی رائفلیں لے کر آ جائیں گے۔ وہ تم سے پوچھے گی کہ تم کون ہو اور اس جنگل میں کیا کر رہے ہو؟ تم کہو گے کہ میں نے اپنے دشمن کو مار ڈالا تھا۔ پولیس مجھے پکڑ کر لے گئی تھی۔ میں فرار ہو کر آ گیا ہوں۔ اس کے بعد وہ جو کہے گی اس کے جواب میں تمہیں کیا کہنا ہو گا وہ میں تمہیں ساتھ ساتھ بتاتی جاؤں گی کیونکہ میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ اب خنجری ڈاکو کے جنگل میں جانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

میں نے کہا۔ "ابھی تو رات کا اندھیرا ہے۔ اس وقت وہ ندی پر کہاں نہا رہی ہو گی؟"

دُرگا نے کہا۔ "میں تمہیں ابھی اٹھا کر نہیں لے جا رہی۔ تمہیں صبح کی پہلی گاڑی سے بھوپال روانہ ہو جانا ہو گا۔ بھوپال کے سٹیشن سے جب تم باہر نکلو گے تو میں تمہیں بتاتی جاؤں گی کہ آگے تمہیں کس طرف جانا ہے۔ اب جاؤ اور ریلوے سٹیشن پر جا کر بھوپال جانے والی گاڑی کا انتظار کرو۔"

اس کے ساتھ ہی دُرگا کی بدروح غائب ہو گئی۔

یہ مصیبت کے اندر ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا۔ ابھی روہنی کو بھی میں نتالیا کی قید سے نہیں چھڑا سکا تھا اور پہلے پاتالی کو خنجری ڈاکو کے جسم سے باہر نکالنے کی مشکل آن پڑی تھی۔ لیکن یہ بھی بہت ضروری تھا کیونکہ دُرگا نے بتا دیا تھا کہ صرف پاتالی ہی ایک ایسی بدروح ہے جو روہنی کو نتالیا کی قید سے آزاد کرا سکتی ہے اور

روہنی وہ عورت تھی جس کی مدد سے مجھے نتالیا کی قید سے ہمیشہ کے لئے نجات پانی تھی اس لئے سب سے پہلے پاتالی کو واپس اپنی اصلی حالت میں لانا ضروری ہو گیا تھا۔

میں اس وقت غیبی حالت میں تھا۔ میں نے پاتالی کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ اسی حالت میں میں تاریخی ویران محل سے نکل کر جے پور کے ریلوے سٹیشن پر آ گیا اور بھوپال جانے والی گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔ سٹیشن میں داخل ہونے سے پہلے میں نے پاتالی کی انگوٹھی اپنی انگلی سے اتار کر جیب میں رکھ لی تھی اور زندہ انسانی حالت میں تھا۔ پیسے میرے پاس کافی تھے۔ میں نے بھوپال تک کا ٹرین کا فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لے لیا تھا۔ میرے کون سے اپنے پیسے تھے کہ مجھے یہ خیال ہوتا کہ تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لوں۔ فرسٹ کلاس کے ڈبے میں مجھے یہ سکون بھی ملتا تھا کہ ڈبے میں ایک دو مسافر ہی ہوتے تھے اور میں آرام سے سوچ بچار کرتا اپنی منزل پر پہنچ جاتا تھا۔

صبح منہ اندھیرے دلی کی طرف سے ایک ٹرین آ گئی۔

یہ ٹرین بھوپال سے ہوتی ہوئی بمبئی جاتی تھی۔ میں اس کے فرسٹ کلاس کے ڈبے میں بیٹھ گیا۔ جے پور سے بھوپال کافی دور واقع ہے۔ ڈبے میں ایک لالہ جی بھی سوار تھے۔ میں نے انہیں کہہ دیا کہ بھوپال کا سٹیشن آئے تو مجھے جگا دینا اور خود آرام دہ سیٹ پر لیٹ گیا۔ ساری رات کا جاگا ہوا تھا لیٹتے ہی سو گیا۔ راستے میں ایک دو جگہ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ابھی بھوپال نہیں آیا تھا۔ ایک جگہ مجھے لالہ جی نے جگا دیا۔ کہنے لگے۔

"مہاراج! بھوپال آ گیا ہے۔"

میں اٹھ بیٹھا۔ ٹرین بھوپال کے سٹیشن میں داخل ہو رہی تھی۔ میں نے سٹیشن پر کھانا کھایا اور یہ انتظار کرنے لگا کہ کب دُرگا کی بدروح آ کر مجھے یہ بتاتی ہے کہ مجھے آگے کس طرف جانا ہے۔ کیونکہ بھوپال مدھیہ پردیش کا شہر ہے اور اس کے اردگرد گھنے جنگل پھیلے ہوئے ہیں۔ یہی وہ جنگل تھے جن کے اندر کسی جگہ خونخوار ڈاکو خنجری نے ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ میں پلیٹ فارم پر چائے کے سٹال پر کھڑا چائے پی رہا تھا۔ اس

وقت میرے قریب دوسرا کوئی گاہک نہیں تھا۔ جب دُرگا کی طرف سے اس کی موجودگی کا کوئی اشارہ نہ ملا تو میں نے آہستہ سے سرگوشی میں کہا۔ "دُرگا کیا تم آ گئی ہو؟"

میرے کان میں دُرگا بدروح کی سرگوشی سنائی دی۔ "میں آ گئی ہوں شیروان!"

"مجھے یہاں سے کس طرف جانا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

دُرگا نے کہا۔ "سٹیشن سے باہر ایک ٹیکسی سٹینڈ ہے۔ وہاں آ کر ایک ٹیکسی لو اور اسے کہو دھاراوائی لے چلے۔ آگے میں تمہیں وہاں پہنچ کر بتاؤں گی۔ میں ٹیکسی میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔"

میں نے چائے کے پیسے ادا کئے اور سٹیشن سے باہر آ کر ٹیکسی سٹینڈ کی طرف آ گیا۔ ایک اچھی حالت کی ٹیکسی نظر آ گئی۔ میں ڈرائیور کے پاس گیا تو اس نے پوچھا۔

"کہاں جاؤ گے بابو؟"

میں نے کہا۔ "دھاراوائی لے چلو گے؟"

وہ بولا۔ "بابو! وہ تو جنگل کے کنارے گاؤں ہے۔ کیا تم شکاری ہو؟"

میں نے کہا۔ "بھائی! وہاں میرا دوست شکار کی پارٹی لے کر گیا ہوا ہے۔ میں اس کے پاس جا رہا ہوں۔"

ڈرائیور نے کہا۔ "پچاس روپے لوں گا۔"

اُس زمانے میں پچاس روپے آج کے پانچ سو روپے کے برابر ہوتے تھے۔ میں نے کہا۔ "میں تمہیں سو روپیہ دوں گا۔ مگر مجھے جلدی پہنچنا ہے۔"

ڈرائیور گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ "بابو! بڑی جلدی پہنچا دوں گا۔ بیٹھ جاؤ۔"

میں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دُرگا نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ "دھاراوائی کے گاؤں پہنچ کر میں تمہیں ایک خنجر دوں گی۔ تم اس خنجر کو شیر کی گردن پر مارو گے۔"

میں نے دل میں کہا۔ یا اللہ! اس نئی مشکل سے خیر و عافیت سے نکال لینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیر پر دُرگا بدروح کا جادو اچھی طرح سے اثر نہ کرے اور شیر مجھے ہڑپ کر جائے۔ ٹیکسی دھاراوئی کی طرف جا رہی تھی۔ کچھ وقت کے بعد بھوپال کا شہر پیچھے رہ گیا اور اونچے نیچے کھیت اور پہاڑی ٹیلے شروع ہو گئے۔ ڈیڑھ دو گھنٹوں کے بعد ہماری ٹیکسی ایک جنگلاتی سلسلے میں داخل ہو گئی۔ سڑک کی دونوں جانب درخت ہی درخت تھے۔ کہیں کھلا ہوا میدان آ جاتا، کہیں چڑھائی اترائی شروع ہو جاتی۔ دُرگا نے اس دوران مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی شاید وہ میرے پاس نہیں تھی۔ وہ مجھے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ ٹیکسی کے آگے آگے جا رہی ہو یا ہو سکتا ہے وہ غیبی حالت میں ٹیکسی کے اندر ہی بیٹھی ہو۔

میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرے کانوں میں دُرگا نے سرگوشی کی۔ ”دھاراوائی کا گاؤں آ رہا ہے۔“

اس کی تصدیق ٹیکسی ڈرائیور نے بھی کر دی۔ کہنے لگا۔ ”بابو جی! آپ کا گاؤں آ گیا ہے۔“

جنگل میں سڑک کے کنارے یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ میں ٹیکسی سے اتر کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ دُرگا نے میرے کان میں کہا۔ ”اپنی پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالو۔ وہاں میں نے ایک خنجر رکھ دیا ہے۔“

میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ جیب میں ہاتھ ڈالا اور خنجر باہر نکال لیا۔ یہ ایک درمیانے سائز کا خنجر تھا جس کا پھل بالکل سیدھا اور دو دھاری تھا۔

میں نے کہا۔ ”یہ تو بڑا تیز خنجر ہے دُرگا!“

دُرگا نے کہا۔ ”تمہیں ایسے ہی خنجر کی ضرورت تھی۔ اسے سنبھال کر رکھ لو۔“

میں نے خنجر پتلون کی پچھلی جیب میں رکھ لیا۔

”اب مجھے کس طرف جانا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

دُرگا نے کہا۔ ”آگے سڑک میں سے ایک پگ ڈنڈی جنگل کی طرف نکلتی ہے اس پر چل پڑو۔ یہ تمہیں وہاں پہنچا دے گی جہاں میں تمہیں لے جانا چاہتی ہوں۔“

میں نے دُرگا سے کہا۔ ”تم خواہ مخواہ مجھے پیدل کیوں چلا رہی ہو؟ تم مجھے غائب کر کے بھی وہاں پہنچا سکتی ہو۔“

دُرگا نے جواب دیا۔ ”میں ایسا کر سکتی ہوں لیکن میرا اپنا دل جے پور سے بھوپال تک ٹرین میں سفر کرنے اور پھر ان جنگلوں میں پیدل چل کر سیر کرنے کو چاہ رہا تھا۔ ایک لمبے عرصے بعد مجھے ویران محل سے نکل کر ان علاقوں میں آنے کا موقع ملا ہے۔ میں اسی علاقے کی رہنے والی ہوں۔ اگر تم یہی چاہتے ہو تو آنکھیں بند کرو۔ میں تمہیں اس جگہ لئے چلتی ہوں جہاں تھوڑی دیر بعد خنجری ڈاکو نہانے آئے گی۔“

میں نے کہا۔ ”میں جنگلوں میں پیدل پھر پھر کر تنگ آ گیا ہوں۔ تم مجھے جلدی سے غائب کر کے پہنچا دو۔“

دُرگا نے کہا۔ ”آنکھیں بند کرو۔ جب تک میں نہ کہوں آنکھیں نہ کھولنا۔“

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے ہلکا سا دھچکا لگا اور پھر تیز ہوا میرے جسم کو چھونے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد دُرگا کی آواز آئی۔ ”آنکھیں کھول دو۔“

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ میں گھنے جنگل میں گنجان درختوں کے نیچے ایک ندی کے کنارے کھڑا ہوں۔ دُرگا کی آواز آئی۔ ”یہی وہ ندی ہے جہاں تھوڑی دیر بعد خنجری ڈاکو نہانے کے لئے آ رہی ہے۔ اسی جگہ کھڑے رہنا۔ میں تمہارے پاس ہی ہوں۔“

جنگل میں دن کا وقت تھا مگر درخت اتنے گھنے تھے کہ ندی پر دن کی روشنی بہت دھیمی پڑ رہی تھی بلکہ ہلکا ہلکا اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔ میں ایک درخت کی اوٹ میں خاموشی سے کھڑا تھا اور جس طرف سے ندی بہتی ہوئی آ رہی تھی اس طرف دیکھ رہا تھا۔ دُرگا نے کہا تھا کہ خنجری ڈاکو اسی طرف سے آئے گی۔

دُرگا کی دھیمی آواز آئی۔ ''خنجری اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ آتی ہے مگر باڈی گارڈ پیچھے ایک جگہ پہرہ دیتے ہیں اور خنجری یہاں آکر ندی میں نہاتی ہے۔''

میں نے آہستہ سے پوچھا۔ ''اور وہ میری جان کا دشمن شیر کس طرف سے نمودار ہوگا؟''

دُرگا نے کہا۔ ''میں خود اُسے لے کر آؤں گی اور وہ میرے کنٹرول میں ہوگا۔ تم کیوں فکر کرتے ہو؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ وہ تمہیں کچھ کہے۔''

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس دل میں خدا سے دعائیں مانگنے لگا کہ یا خدا تو ہی میری حفاظت کرنا۔ کچھ دیر کے بعد مجھے ندی کے اس کنارے پر جہاں میں کھڑا تھا ایک عورت درختوں میں آتی نظر آئی۔

دُرگا نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''یہی ڈاکو خنجری ہے۔ درخت کے پیچھے ہو جاؤ۔ میں شیر کو لینے جارہی ہوں۔ ڈرنا بالکل نہیں۔ شیر تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ میں جارہی ہوں اور وہی کرنا جیسا میں نے تمہیں کہا ہے۔''

میں ہکا بکا سا ہو کر اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ میں نے جنگل میں چھوٹے جانوروں کا شکار ضرور کیا تھا مگر آج تک کسی شیر سے پالا نہیں پڑا تھا اور وہ بھی اس طرح سے کہ مجھے خنجر سے اس پر حملہ کرنا پڑ جائے۔ ایسا تو میں کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔

خنجری ڈاکو قریب آتی جارہی تھی۔ وہ ایک دراز قد مضبوط جسم کی عورت تھی۔ اس نے فوجی کمانڈو ٹائپ کی بش شرٹ اور اسی طرز کی پتلون پہن رکھی تھی۔ ایک کندھے سے میگزین بیلٹ اور دوسرے کندھے پر رائفل لٹکی ہوئی تھی۔ سر کے بالوں کا جوڑا بنا کر پیچھے گردن پر سیاہ رومال سے باندھا ہوا تھا۔ رنگ سانولا تھا اور اس کی چال میں بڑی خوداعتمادی اور وقار تھا۔ میں اس عورت سے واقعی بڑا متاثر ہوا۔ اس عورت کو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کے جسم میں پاتالی بدروح نے قبضہ کیا ہوا ہے اور میں اس کے جسم سے پاتالی کو نکالنے کے لئے آیا ہوں۔ پاتالی کی وجہ سے خنجری ڈاکو پر تو کوئی

خاص اثر نہیں پڑا تھا صرف اس کی طاقت میں تھوڑا اضافہ ہو گیا تھا مگر پاتالی اس کے جسم میں قیدی بن کر رہ گئی تھی اور بقول دُرگا بدروح کے میری مدد کے بغیر باہر نہیں نکل سکتی تھی اور اس کو باہر نکالنا بے حد ضروری تھا۔

میں ڈر رہا تھا کہ اگر اس خونخوار عورت کی مجھ پر نظر پڑ گئی تو وہ تو مجھے فوراً گولی مار دے گی۔ یہ عورت سینکڑوں انسانوں کا خون کر چکی ہے۔ اس وقت تو دُرگا بھی میرے پاس موجود نہیں تھی کہ میری کوئی مدد کر سکتی۔ بس یہی ہو سکتا تھا کہ میں جلدی سے انگوٹھی نکال کر پہن لوں اور غائب ہو جاؤں مگر خنجری ڈاکو کی گولی شاید مجھے اتنی مہلت نہیں دے گی۔

اتنے میں میرے کان میں دُرگا کی سرگوشی سنائی دی۔ ''شیروان! میں نے ایک شیر پر اپنا منتر پڑھ کر پھونک دیا ہے۔ وہ اس طرف آرہا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''میری ماتا! اگر تمہارے منتر نے کام نہ کیا تو میں غریب تو مارا جاؤں گا۔''

دُرگا نے سرگوشی کی۔ ''میں کتنی بار تمہیں کہوں گی کہ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ تمہیں ہمت سے کام لینا ہوگا۔ اگر نہیں لو گے تو نہ تم پاتالی کو آزاد کرا سکو گے اور نہ پاتالی تمہاری روہنی کو آزاد کرا سکے گی اور نہ روہنی تمہیں اس بدروحوں کے چکر سے نکال سکے گی۔''

میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ میں اب کچھ نہیں کہوں گا۔''

دُرگا نے سرگوشی کی۔ ''خنجر نکال کر ہاتھ میں پکڑ لو۔''

میں نے ایسا ہی کیا اور خنجر پتلون کی پچھلی جیب سے نکال کر سیدھے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اس دوران خنجری ڈاکو میگزین بیلٹ، جوتے اور رائفل ندی کے کنارے رکھنے کے بعد کپڑوں سمیت ندی میں اُتر چکی تھی اور ندی میں بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے پانی اپنے اُوپر ڈال رہی تھی۔

درگا نے میرے کان میں کہا۔ ”شیر اس وقت درخت کی بائیں طرف سے آئے گا۔ جس وقت میں تمہیں کہوں فوراً خنجر سے شیر پر حملہ کر دینا۔ یہ یقین رکھنا کہ اس وقت میں شیر کے سر پر موجود ہوں گی اور وہ میرے کنٹرول میں ہوگا۔“

ابھی درگا کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ جنگل شیر کی دھاڑ سے گونج اُٹھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ ایک زرد رنگ کا شیر خنجری ڈاکو کی طرف دوڑتا ہوا آرہا تھا۔ درگا نے کہا۔ ”شیر پر حملہ کر دو۔“

میں خنجر لے کر شیر کی طرف دوڑ پڑا۔ اس دوران خنجری ڈاکو ندی میں سے کنارے کی طرف بڑی تیزی سے بڑھی۔ شیر نے مجھے دیکھا تو مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں نے آگے بڑھ کر خنجر اس کی گردن میں پیوست کر دیا۔ شیر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔

اتنے میں خنجری ڈاکو کے باڈی گارڈ نے تین چار فائر کر دیئے اور دوڑ کر جہاں خنجری نہا رہی تھی وہاں آئے۔ میں اسی طرح ندی کے کنارے کھڑا تھا۔ خنجری ڈاکو نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ میں نے اس کی جان شیر سے بچائی تھی۔ اس کے باڈی گارڈز میں سے ایک نے رائفل مجھ پر تان دی۔ خنجری نے بلند آواز میں کہا۔ ”اسے کچھ نہ کہنا۔ اس نے میری جان بچائی ہے۔ پیچھے ہٹ جاؤ۔“

میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ باڈی گارڈ ڈاکو پیچھے ہٹ گئے۔ خنجری اپنی کمر کے گرد میگزین کی بیلٹ باندھتے ہوئے میرے پاس آگئی۔ اس نے بڑے غور سے میری طرف دیکھا اور پوچھا۔ ”تم کون ہو؟ اِدھر کیا کر رہے ہو؟“

ایک ڈاکو بول پڑا۔ ”بائی! یہ پولیس کا جاسوس معلوم ہوتا ہے۔“

خنجری نے اسے ڈانٹ کر کہا۔ ”تم چپ رہو۔“

وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور اپنا سوال دہرایا۔ ”تم کون ہو؟ اِدھر کیا کر رہے تھے؟“

میں نے کہا۔ ”بھوپال میں اپنے دشمن کا خون کر کے بھاگا ہوں۔ اگر تم ہی خنجری

ڈکیت ہو تو مجھے پناہ دے دو۔ پولیس مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔“

خنجری نے سٹین گن کندھے سے لٹکائی اور اپنے ایک آدمی سے کہا۔ ”گوپی! اسے ڈیرے پر لے جا کر اس کی تلاشی لو اور اسے کہیں مت جانے دو۔“

گوپی نے مجھے بازو سے پکڑتے ہوئے کہا۔ ”چلو۔“

یہ لوگ مجھے اپنے ڈیرے پر لے گئے۔ یہ ان کا عارضی ڈیرہ تھا۔ جنگل میں ایک جگہ درختوں کے نیچے انہوں نے ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔ ایک طرف ان کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ایک گھنے درخت کے نیچے جھونپڑی تھی جس کے باہر ایک ڈاکو رائفل لئے پہرہ دے رہا تھا۔ دوسری جانب ایک اور جھونپڑی تھی۔ مجھے اس جھونپڑی میں بند کر کے پہرہ لگا دیا گیا۔ میں جھونپڑی میں چپ چاپ بیٹھا تھا۔ اتنے میں میرے کان میں درگا کی سرگوشی سنائی دی۔ ”گھبرانا بالکل نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم خنجری کے سامنے اس خواہش کا اظہار کرنا کہ تم اس کے گروہ میں شامل ہونا چاہتے ہو۔“

میں نے کہا۔ ”ٹھیک ہے۔“

”میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ درگا بولی۔

باہر جو ڈاکو پہرہ دے رہا تھا شاید اس نے میری آواز سن لی تھی۔ اس نے جھونپڑی میں جھانک کر میری طرف دیکھا اور بولا۔ ”کس سے باتیں کر رہے ہو؟“

میں نے کہا۔ ”میں کس سے باتیں کروں گا؟ یہاں تو میرے سوا کوئی نہیں ہے۔“

ڈاکو نے جھونپڑی کا بھرپور جائزہ لیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ کوئی آدھے گھنٹے کے بعد مجھے خنجری ڈاکو کے آگے پیش کیا گیا۔ ڈاکو خنجری کو رانی کے لقب سے پکارتے تھے۔ وہ بڑی جھونپڑی میں چارپائی پر بیٹھی تھی سٹین گن اس کے گھٹنوں پر رکھی ہوئی تھی۔ وہ سگریٹ پی رہی تھی۔ یہ ڈاکو عورت واقعی بڑی دلکش شخصیت رکھتی تھی۔ صرف

اس کی آنکھیں بڑی خوفناک تھیں۔ ان میں خونخواری کی جھلک تھی۔ مجھے اس نے اپنے سامنے والی چارپائی پر بٹھالیا اور پہلا سوال یہ کیا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

جیسا دُرگا نے مجھے بتایا تھا میں نے بالکل ویسے ہی کہا۔ میں نے کہا۔ ''میرا نام شیر وان ہے۔''

''یہ کیسا نام ہے؟'' اس نے کہا۔ ''ہندو ہو یا مسلمان؟''

میں نے کہا۔ ''مسلمان ہوں۔''

وہ خاموشی سے سگریٹ پینے لگی۔ پھر اچانک اُس نے سٹین گن کا رُخ میری طرف کر دیا اور بولی۔ ''سچ سچ بتاؤ۔ تمہیں ایس پی سندھیا نے بھیجا ہے؟''

میں نے کہا۔ ''رانی جی! اگر میں پولیس کا آدمی ہوتا تو مجھے کیا ضرورت پڑی تھی کہ میں تمہاری جان بچانے کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالتا۔ شیر نے تم پر حملہ کیا تھا تو میں تمہیں مرنے دیتا۔''

میرے اس دلیرانہ جواب نے خنجری ڈاکو پر بڑا اثر کیا۔ اس نے سٹین گن نیچے کر لی اور بولی۔ ''تم کیا چاہتے ہو؟''

میں نے کہا۔ ''میں نے اپنے دشمن کو قتل کیا ہے۔ پولیس نے مجھے پکڑ لیا تو مجھے پھانسی ہو جائے گی۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ میرے ابھی دو تین دشمن اور بھی ہیں میں انہیں مار کر مرنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے اپنے گروہ میں شامل کر لو۔ میں تمہارا بڑا وفادار ساتھی بن کر رہوں گا۔''

خنجری ڈاکو مجھے مسلسل گھور رہی تھی۔ کہنے گی۔ ''تم بہادر آدمی ہو۔ میں تمہاری قدر کرتی ہوں۔ تم نے میری جان بچائی ہے۔ میں اسے یاد رکھوں گی لیکن میرے گروہ کے آدمی بڑے قیمتی اور پرکھے ہوئے ہیں۔ میں ابھی تمہیں اپنے گروہ میں شامل نہیں کروں گی۔ لیکن تم میرے ساتھ رہو گے۔ جب میری تسلی ہو جائے گی تو میں تمہیں اپنے گروہ میں شامل کر لوں گی۔ اب جاؤ۔''

میں جھونپڑے سے نکل آیا۔ خنجری سے باتیں کرتے وقت میں اس کا پورا جائزہ لے رہا تھا کہ شاید اس میں پاتالی کی کوئی جھلک نظر آ جائے مگر پاتالی کا ذرا سا اثر بھی خنجری ڈاکو کے لب و لہجے اور شخصیت میں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مجھے تو خیال آنے لگا کہ شاید پاتالی اس عورت کے جسم میں داخل ہی نہیں ہوئی اور دُرگا کو مغالطہ لگا ہے۔ باہر گوپی ڈاکو میرا انتظار کر رہا تھا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ درختوں کے نیچے جہاں دری بچھی ہوئی تھی لے گیا۔ وہاں میں نے اس کے ساتھ روٹی اور چائے کا ناشتہ کیا۔

گوپی کہنے لگا۔ ''رانی کے ساتھ تمہاری جو باتیں ہوئی ہیں وہ میں نے سن لی ہیں۔ ہم سب ہندو ہیں تم مسلمان ہو۔ تمہارا ہمارے ساتھ گزارہ نہیں ہوگا۔ بہتر ہے کہ تم رانی بائی سے کہہ کر یہاں سے چلے جاؤ۔''

میں نے کہا۔ ''تم ٹھیک کہتے ہو گوپی! لیکن میں یہاں سے چلا گیا تو مجھے کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ پولیس مجھے تلاش کر لے گی اور میں جب تک اپنے باقی دو دشمنوں سے بدلہ نہیں لے لیتا مرنا نہیں چاہتا۔''

گوپی بولا۔ ''میں نے تو تمہیں سمجھا دیا ہے۔ اب آگے تمہارے بارے میں رانی بائی ہی فیصلہ کرے گی۔''

O

مجھے ایک جھونپڑی میں یہ کہہ کر بٹھا دیا گیا کہ تم ابھی یہاں سے بغیر اجازت باہر نہیں نکلو گے۔ جس چیز کی ضرورت ہو باہر ہمارا آدمی موجود ہوگا۔ اسے بتا دینا۔

میں اس جھونپڑی میں ایک طرح سے قید کر دیا گیا تھا۔ جب میں جھونپڑی میں اکیلا رہ گیا تو میں نے اس خیال سے کہ دُرگا میرے پاس ہی ہوگی آہستہ سے کہا۔

"دُرگا۔"

دُرگا کی سرگوشی سنائی دی۔ "میں سب کچھ دیکھ رہی ہوں۔ سب کچھ سن رہی ہوں۔ وقت آنے پر سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "دُرگا! مجھے تو اس ڈاکو عورت میں پاتالی کی ایک چیز بھی نظر نہیں آ رہی۔ کہیں تمہیں غلطی تو نہیں لگی؟"

دُرگا نے کہا۔ "تم اس ڈاکو عورت کا صرف جسم دیکھ رہے ہو میں اس عورت کے جسم کے اندر پاتالی کو دیکھ رہی ہوں۔ تمہیں پاتالی کی کوئی نشانی اس لئے دکھائی نہیں دیتی کہ پاتالی اس عورت کے جسم میں داخل ہونے کے بعد بے ہوشی کی حالت میں ہے۔ نتالیا کے آسیب نے پاتالی سے یہی انتقام لیا ہے کہ اسے اس ڈاکو عورت کے جسم میں داخل کر کے بے ہوش کر دیا ہے تاکہ اگر خنجری ڈاکو کا پولیس سے مقابلہ ہو جائے اور خنجری پولیس مقابلے میں ماری جائے تو پاتالی اپنا بچاؤ نہ کر سکے اور خنجری کے ساتھ ہی مر جائے۔ جب تم اس عورت کے جسم میں مالینی کا چار لفظی منتر داخل کرو گے تو اس کے اثر سے سب سے پہلے پاتالی کو ہوش آ جائے گا اور وہ اس ڈاکو عورت

کے جسم سے باہر آنے میں ہماری مدد کر سکے گی۔"

میں نے پوچھا۔ "لیکن میں یہ منتر کب اس خونی بلا کے جسم میں داخل کروں گا اور کیسے داخل کروں گا؟"

دُرگا نے دھیمی آواز میں کہا۔ "دھیرج رکھو شیروان دھیرج رکھو۔ یہ کام بڑا ضروری بھی ہے اور بڑا نازک بھی ہے۔ جیسے میں کہتی ہوں ویسے کرتے رہو۔ باقی میں سنبھال لوں گی۔"

میں نے سرگوشی میں کہا۔ "لیکن اس خونی رانی بائی نے تو مجھے قید میں ڈال دیا ہے۔ میں نے شیر سے اس کی جان بچائی ہے مگر اس پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔"

دُرگا نے سرگوشی میں ہی جواب دیا۔ "یہ لوگ یونہی کسی پر اعتبار نہیں کرتے اور خنجری ڈاکو تو وہ قاتل عورت ہے کہ جس کے پیچھے مدھیہ پردیش کے علاوہ مہاراشٹر کی ساری پولیس بھی لگی ہوئی ہے۔ اس عورت کو تو کسی اجنبی کو اپنے گروہ میں شامل کرنے سے پہلے ایک ہزار بار سوچنا پڑتا ہے۔ اگر تم نے شیر سے اس کی جان نہ بچائی ہوتی تو وہ تمہیں ندی کنارے دیکھتے ہی گولی مار دیتی۔"

میں نے تنگ آ کر کہا۔ "یہ بتاؤ کہ اب مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

دُرگا نے دھیمی آواز میں کہا۔ "مجھے صرف آج اور کل کا دن دے دو۔ اس کے بعد تم خود دیکھ لو گے کہ تمہارے بارے میں خنجری ڈاکو کا ذہن کیسے بدل جاتا ہے۔"

میں اپنی ایک حماقت کی وجہ سے ان بدروحوں کے چنگل میں پھنس چکا تھا۔ مجھے چار و ناچار صبر کرنا ہی تھا۔ جھونپڑی میں قید وہ دن بھی گزر گیا۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت اچانک جھونپڑی کے باہر مجھے شور سنائی دیا۔ ڈاکو ادھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ میں سمجھا کہ پولیس آ گئی ہے۔ میں اُٹھ کر باہر دیکھنے ہی لگا تھا کہ دُرگا کی آواز آئی۔

"تمہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ ہوا ہے میں تمہیں بتاتی ہوں۔"

دُرگا نے مجھے بتایا کہ خنجری ڈاکو کو ایک سانپ نے ڈس لیا ہے اور وہ موت و

حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔

میں نے کہا۔ ''وہ مر گئی تو پاتالی بھی اس کے ساتھ ہی چتا کی آگ میں جل جائے گی۔''

دُرگا نے کہا۔ ''تم دوسرے کی بات سننے سے پہلے ہی بول پڑتے ہو۔ سانپ نے میرے جادو کے اثر سے خنجری کو ڈسا ہے اور اس نے اس کے جسم میں صرف اتنا زہر داخل کیا ہے جس کے اثر سے وہ بے ہوشی کی حالت میں ہی رہے گی مرے گی نہیں۔ میں نے تمہارے لئے اس ڈاکو عورت کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے ایک کارگر موقع فراہم کیا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''میں کیا کر سکتا ہوں؟''

دُرگا بولی۔ ''تم فوراً خنجری کی جھونپڑی میں جاؤ اور کہو کہ میں خنجری کو ٹھیک کر دوں گا۔''

''میں کیسے ٹھیک کروں گا؟'' میں نے کہا۔

دُرگا نے ترش لہجے میں کہا۔ ''تم کہاں اسے ٹھیک کرو گے؟ اسے میں ٹھیک کروں گی۔ تم صرف وہی کرو گے جو میں تمہیں بتاؤں گی۔''

اس کے بعد دُرگا بدروح نے مجھے سب کچھ بتا دیا کہ مجھے خنجری کے پاس جا کر کیا کرنا ہو گا۔ جب وہ پوری تفصیل بیان کر چکی تو میں نے کہا۔ ''دیکھ لینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سانپ اُلٹا مجھے ڈس دے۔''

''ایسا نہیں ہو گا۔ اب فوراً جھونپڑی سے باہر نکلو۔''

میں اُٹھ کر جھونپڑی سے باہر آ گیا۔ جھونپڑی کے باہر جو ڈاکو پہرہ دیا کرتا تھا وہ بھی نہیں تھا۔ میں نے دیکھا کہ خنجری ڈاکو کی جھونپڑی کے باہر ڈاکو سخت افراتفری کی حالت میں کھڑے تھے۔ ایک ڈاکو اندر جاتا تو دوسرا اندر سے باہر نکل آتا تھا۔ مجھے وہاں گوپی نظر آ گیا۔ میں دوڑ کر اس کے پاس گیا اور اس سے پوچھا۔ ''کیا ہوا ہے

گوپی؟''

گوپی نے کہا۔ ''رانی بائی کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ وہ مر رہی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''گوپی! مجھے رانی بائی کے پاس لے چلو۔ مجھے سانپ کے کاٹے کا منتر آتا ہے۔''

اس نے ایک لمحہ کے لئے میری طرف حیرانی سے دیکھا اور بولا۔ ''بھگوان کے لئے جلدی سے آ جاؤ۔''

اور وہ مجھے بازو سے پکڑ کر جھونپڑی کے اندر لے گیا۔ اندر نقشہ یہ تھا کہ خنجری ڈاکو کو ذرا ذرا ہوش آ چکا تھا مگر اس کے منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔ جسم کا رنگ نیلا پڑ گیا تھا۔ وہ چارپائی پر بے حال پڑی تھی اور ایک بوڑھا ڈاکو اس کی پنڈلی پر جہاں سانپ نے کاٹا تھا کسی تیل کی مالش کر رہا تھا۔ دو ڈاکو چارپائی کے پیچھے سر جھکائے کھڑے تھے۔ خنجری نے نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ بوڑھے ڈاکو نے کہا۔ ''اسے یہاں کیوں لے آئے ہو گوپی؟''

گوپی نے کہا۔ ''کاکا! یہ کہتا ہے مجھے سانپ کے کاٹے کا منتر آتا ہے۔''

خنجری نے یہ جملہ سن لیا تھا۔ اُس نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں رحم کی التجا تھی۔

بوڑھا ڈاکو کہنے لگا۔ یہ تو مسلمان ہے۔ مسلمان منتروں کو نہیں مانتے۔ پھر اسے ناگ کے کاٹے کا منتر کہاں سے معلوم ہو گیا ہے؟''

گوپی نے کہا۔ ''کاکا! یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں ہے۔ تم پیچھے ہٹ جاؤ اور اسے اپنا کام کرنے دو۔''

بوڑھا ڈاکو ایک طرف ہٹ گیا۔ میں ڈاکو عورت خنجری کی چارپائی کے قریب سٹول پر بیٹھ گیا اور جو دُرگا نے مجھے بتایا تھا اس پر عمل شروع کر دیا۔ میں نے کہا۔ ''تم سب لوگ پیچھے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔''

گوپی، دونوں ڈاکو اور بوڑھا ڈاکو خاموشی سے جھونپڑی کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے۔ خنجری کو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ میں نے خنجری کی پنڈلی پر وہاں انگلی رکھ دی جہاں سانپ کے کاٹنے کا نشان پڑا ہوا تھا۔ میں نے اپنے ہونٹ ہلانے شروع کر دیئے۔ میں کوئی منتر ونتر نہیں پڑھ رہا تھا۔ میری بلا جانے کہ سانپ کے کاٹے کا کیا منتر ہوتا ہے۔ بس دُرگا کی ہدایت کے مطابق اپنے ہونٹ ہلا رہا تھا۔ تھوڑی دیر ہونٹ ہلانے کے بعد میں نے اُونچی آواز میں کہا۔ اے مرگ ناگ! جس نے رانی بائی کو کاٹا ہے۔ تم جہاں بھی ہو فوراً حاضر ہو جاؤ۔"

ڈاکو حیران ہو کر میری طرف دیکھ رہے تھے۔ خنجری نے بھی اپنی بوجھل پلکیں اُٹھا کر ایک دو بار مجھے دیکھا۔ میں نے جو کچھ کہا تھا اُس نے سن لیا تھا۔ میں دل میں دُعا مانگنے لگا کہ یا خدا! اب میری لاج رکھ لینا۔ اس دُرگا بدروح کا مجھے کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اتنے میں جھونپڑی کے باہر کسی سانپ کی پھنکار سنائی دی۔ یہ آواز سن کر میں بھی اندر سے کانپ اٹھا۔ ڈاکو جلدی سے ایک طرف ہو گئے۔ جھونپڑی کا پردہ ہٹا ہوا تھا۔ باہر سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سیاہ رنگ کا پانچ فٹ لمبا سانپ پھن پھیلائے بل کھاتا جھونپڑی میں داخل ہو رہا ہے۔

یقین کریں اس وقت میرے دل نے مجھ سے کہا کہ فیروز! بھاگ جاؤ۔ یہ سانپ خنجری کا کچھ کرے یا نہ کرے لیکن تمہیں ضرور ڈس لے گا۔ کافی خوفناک سانپ تھا اور اس نے پھن کھول رکھا تھا اور بار بار اپنی دوشاخہ زبان باہر نکال کر پھنکاریں مار رہا تھا۔

دُرگا نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ "خبردار! اپنی جگہ سے مت ہلنا۔"

میں اپنے اُوپر جبر کر کے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ سانپ قریب آ کر چارپائی پر چڑھ گیا۔ سب ڈاکو حیرت زدہ ہو کر سانپ کو دیکھ رہے تھے۔ خنجری بھی نیم بے ہوشی کی حالت میں یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ سانپ چارپائی کی پائنتی کی طرف سے ہوتا ہوا ڈاکو

عورت کی پنڈلی کے پاس آ کر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔

دُرگا کی ہدایت کے مطابق میں نے سانپ کو حکم دیا۔ "مرگ ناگ! جو زہر تم نے رانی بائی کے بدن میں داخل کیا ہے اسے واپس کھینچ لو۔"

سانپ نے اپنا منہ خنجری کی پنڈلی پر اس جگہ پر رکھ دیا جہاں اُس نے خنجری کو کاٹا تھا۔ مجھے خود اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ سانپ خنجری کے جسم میں داخل کیا ہوا زہر چوس رہا تھا۔ سانپ میرا خیال ہے ایک منٹ تک زہر چوستا رہا۔ جب اُس نے اپنا پھن ہٹایا تو خنجری نے پوری آنکھیں کھول دیں تھیں۔

میں نے سانپ سے کہا۔ "مرگ ناگ! اب یہاں سے دفع ہو جا اور آئندہ کبھی اس طرف کا رُخ نہ کرنا۔"

سانپ جس طرف سے آیا تھا چارپائی سے اُتر کر اسی طرف چلا گیا۔ سانپ کے جانے کے بعد بوڑھا ڈاکو اور دوسرے ڈاکو جلدی سے خنجری کے پاس آ گئے۔ ڈاکو عورت کا نیلا رنگ معمول پر آ رہا تھا۔ بوڑھے ڈاکو نے کہا۔ "رانی بائی! بھگوان نے بڑی کرپا کی ہے۔"

خنجری نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے میری طرف دیکھا۔ اُس کی نگاہوں میں تشکر کے تاثرات تھے۔ میں نے بھی آگے ہو کر خنجری سے پوچھا۔ "رانی بائی! اب طبیعت کیسی ہے؟"

خنجری ڈاکو نے کمزور آواز میں کہا۔ "اچھی ہے۔"

اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ دیکھتے دیکھتے خنجری ڈاکو کا چہرہ بالکل نارمل حالت میں واپس آ گیا۔ اس کے منہ کا جھاگ بھی خشک ہو گیا۔ بوڑھے ڈاکو نے کپڑے سے اس کا منہ صاف کیا اور بولا۔ "بھگوان نے میری پرارتھنا سن لی۔"

خنجری نے بوڑھے ڈاکو کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے میری طرف دیکھتے

ہوئے کمزور آواز میں کہا۔ ”شیر وان! تم نے دوسری بار میری جان بچائی ہے۔“

اور اس نے نقاہت کے باعث آنکھیں بند کر لیں۔ گوپی ڈاکو مجھے باہر لے گیا۔ کہنے لگا۔ ”اس وقت اگر تم یہاں نہ ہوتے تو رانی بائی کا زندہ بچنا ناممکن تھا۔ اسے بڑے موذی سانپ نے کاٹا تھا۔“

رات بھر آرام کرنے کے بعد اگلے روز خنجری ڈاکو کو بالکل آرام آ گیا۔ اُس نے مجھے اپنی جھونپڑی میں بلایا۔ اس کا خاص باڈی گارڈ گوپی میرے ساتھ تھا۔ خنجری چارپائی پر ایک تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ میں اس کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے کہا۔ ”میرے پاس بیٹھ جاؤ۔“

میں سٹول پر بیٹھنے لگا تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے پاس چارپائی پر بٹھا لیا۔ کہنے لگی۔ ”شیر وان! مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ تم کتنی خوبیوں والے آدمی ہو۔ یہ منتر تم نے کہاں سے سیکھا تھا؟“

میں نے یونہی کہہ دیا کہ سندر بن کے ایک سپیرے نے مجھے بتایا تھا۔ وہ بولی۔ ”تم نے دوسری بار مجھے موت کے منہ سے نکال کر مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ میں ساری زندگی اسے نہ بھلا سکوں گی۔“

میں نے کہا۔ ”میں نے کوئی احسان نہیں کیا رانی بائی! یہ تو میرا انسانی فرض تھا۔“

اس واقعے کے بعد میں اس ڈاکو عورت کے بہت قریب ہو گیا۔ تیسرے روز انہوں نے وہاں سے ڈیرہ اٹھایا اور جنگل میں کسی دوسری طرف چل دیئے۔ مجھے بھی ایک سٹین گن دے دی گئی تھی اور خنجری مجھے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ ان ڈاکوؤں نے راستے میں ایک گاؤں میں ڈاکہ ڈالا۔ گاؤں کے دو بڑے ساہوکاروں کو قتل کر کے ان کے گھر کا سارا سونا چاندی لوٹا اور آگے چل دیئے۔ میں ان کے ساتھ تھا مگر میں نے کسی پر گولی نہیں چلائی تھی نہ کوئی مال لوٹا تھا۔ دو دن تک یہ لوگ جنگل

جنگل پھرتے رہے۔ آخر ایک ٹیلے کے دامن میں انہوں نے ڈیرہ ڈال دیا۔

جس دن ڈاکو نئے جنگل میں آئے اس رات دُرگا مجھ سے ہم کلام ہوئی۔ میں نے اس سے کہا۔ ”تم اتنے دن کہاں رہیں دُرگا؟“

کیونکہ اس دوران دُرگا سے میری کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ کہنے لگی۔ ”میں ایک خاص کام سے اپنی بد روحوں کی دنیا میں گئی ہوئی تھی۔ وہاں سے سیدھی تمہارے پاس آ رہی ہوں۔“

میں نے کہا۔ ”میں نے خنجری ڈاکو کا اعتماد تو حاصل کر لیا ہے اور اس نے مجھے اپنا خاص باڈی گارڈ بھی بنا لیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب مجھے اس کے جسم میں چار لفظی خفیہ منتر کس طرح اور کب داخل کرنا ہو گا؟“

دُرگا کہنے لگی۔ ”تم نے دیکھ لیا ہو گا کہ منگل کی شام کو خنجری ڈاکو دیوی دیوتاؤں کی پوجا پاٹھ کرتی ہے اور ناریل کا پانی پیتی ہے۔“

میں نے کہا۔ ”ہاں! میں نے دیکھا ہے۔“

دُرگا بولی۔ ”پرسوں منگل وار ہے۔ شام کو پوجا پاٹھ کرنے کے بعد وہ تمہارے ہاتھ سے ناریل کا پانی پیئے گی کیونکہ اُسے تم سے عقیدت ہو گئی ہے۔ بس یہی موقع ہو گا جب تم چار لفظی خفیہ منتر اس کے جسم میں داخل کرو گے۔“

”وہ کیسے؟“ میں نے پوچھا۔

دُرگا کہنے لگی۔ ”وہ ایسے کہ ناریل کا گلاس جب خنجری تمہارے ہاتھ سے پینے لگے گی تو تم اس کی نظر بچا کر منہ ہی منہ میں منتر پڑھ کر ناریل کے پانی میں پھونک مارو گے۔ بس اس کے بعد جو کچھ کرنا ہو گا وہ یہ چار لفظی منتر خنجری کے جسم میں پہنچنے کے بعد اپنے آپ کر دے گا۔“

میں بے چینی سے منگل کی شام کا انتظار کرنے لگا۔

آخر منگل کی شام بھی آ گئی۔ خنجری ڈاکو نے اپنی جھونپڑی کے اندر پوجا پاٹھ کا

انتظام کیا اور مجھے بھی اپنے پاس بلا لیا۔ کہنے لگی۔ ''شیروان! تم مسلمان ہو۔ میں جانتی ہوں تمہارے دھرم میں یہ چیزیں منع ہیں مگر میں تم سے صرف ایک خواہش کروں گی کہ اس بار تم اپنے ہاتھ سے مجھے ناریل کا پانی پلاؤ۔''

میں جانتا تھا کہ یہ خیال اس کے ذہن میں دُرگا نے ڈالا ہے۔ میں نے کہا۔ ''رانی بائی! اگر تم چاہتی ہو اور یہ تمہاری خواہش ہے تو میں اپنے ہاتھ سے تمہیں ناریل کا پانی پلاؤں گا۔''

خنجری ڈاکو بڑی خوش ہوئی۔ میں نے کہا۔ ''مگر میں تمہاری پوجا پاٹھ کی محفل میں شریک نہیں ہوں گا۔ میں باہر رہوں گا۔ جب تم ناریل کا پانی پینے لگو تو مجھے بلا لینا۔''

یہ کہہ کر میں جھونپڑی سے نکل کر باہر درخت کے نیچے چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اندر پوجا پاٹھ شروع ہو گئی۔ کچھ دیر کے بعد بوڑھے ڈاکو نے باہر آ کر مجھ سے کہا۔ ''بیٹا! رانی بائی نے تمہیں بلایا ہے۔''

میں فوراً اندر چلا گیا۔ خنجری ڈاکو ایک چوکی پر بیٹھی تھی۔ گلے میں پھولوں کی مالا تھی۔ سامنے چوکی پر خدا جانے کیا کیا رکھا ہوا تھا۔ دو ناریل بھی پڑے تھے۔ دیا جل رہا تھا۔ خنجری نے ناریل کے پانی والے گلاس کی طرف اشارہ کیا۔ بوڑھے ڈاکو نے گلاس اٹھا کر مجھے دیا اور کہا۔ ''بیٹا! اب یہ ناریل کا پانی تم رانی بائی کو دے دو۔''

جیسے ہی ناریل کے پانی کا گلاس میرے ہاتھ میں آیا میں نے منہ ہی منہ میں مالینی کا چار لفظی خطرناک خفیہ منتر پڑھ کر آہستہ سے گلاس میں پھونک دیا اور گلاس خنجری کو تھما دیا۔ خنجری ڈاکو نے گلاس منہ سے لگایا اور سارا ناریل کا پانی پی گئی۔

میں بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ خفیہ منتر اس کے جسم میں چلا گیا ہے۔ اب خنجری ڈاکو کے اندر سے پاتالی باہر نکل کر میرے سامنے آن کھڑی ہو گی۔ مگر ایک منٹ، دو منٹ گزر گئے اور کچھ بھی نہ ہوا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے خنجری

ڈاکو پر اس منتر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں سخت مایوس ہوا۔ سب کے سامنے دُرگا سے بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے خنجری سے کہا۔ ''رانی بائی! میں باہر چلتا ہوں۔'' اور میں اُٹھ کر باہر آ گیا۔ چند قدموں کے فاصلے پر ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ میں نے اس پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''دُرگا!''

دُرگا نے فوراً جواب دیا۔ ''میں تمہارے پاس ہی ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''میں نے منتر پھونک کر اُسے پانی پلا دیا ہے۔''

''میں دیکھ رہی تھی۔'' دُرگا نے جواب دیا۔

''مگر دُرگا! اس پر تو کوئی اثر نہیں ہوا۔'' میں نے کہا۔ ''نہ ہی پاتالی اس کے اندر سے باہر نکلی ہے۔''

دُرگا کہنے لگی۔ ''یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ جو کچھ ہو گا اپنے طریقے سے ہو گا۔''

میں نے پوچھا۔ ''پاتالی اس کے اندر سے آزاد ہو کر نکل آئے گی نا؟''

دُرگا بولی۔ ''تم دیکھتے جاؤ۔ ایک خاص بات کا دھیان رکھنا اگر پاتالی کسی روپ میں آ کر تم سے کوئی بات کرے گی تو میں وہاں پر موجود ہوں گی مگر نہ میں تم سے کوئی بات کروں گی نہ تم مجھ سے کوئی بات کرنا۔''

''ایسا کیوں؟'' میں نے سوال کیا۔

دُرگا بولی۔ ''تم سوال بہت کرتے ہو۔ تم ہم بدروحوں کی دُنیا کے اصول قانون نہیں جانتے۔ جیسا میں کہتی ہوں بس تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے آگے کوئی سوال نہ کیا کرو۔ میں کچھ دیر کے لئے یہاں سے جا رہی ہوں۔''

اور ہوا کا ایک جھونکا مجھے چھوتا ہوا گزر گیا۔ میں سمجھ گیا کہ دُرگا چلی گئی ہے۔ کبھی کبھی آتے یا جاتے ہوئے وہ مجھے اپنی نشانی بتا دیا کرتی تھی۔ جب رات ہو گئی تو ڈاکوؤں کے ڈیرے میں دھیمی روشنیوں والی تین چار لالٹینیں روشن کر دی گئیں۔ یہ

لوگ جنگل میں جہاں جا کر ڈیرہ ڈالتے تھے وہاں ایک چھوٹی سی جھونپڑی خنجری ڈاکو کے لئے بنا دی جاتی تھی۔ جب سے اس ڈاکو عورت کو مجھ سے عقیدت ہوئی تھی وہ خاص طور پر میرے لئے بھی ایک الگ جھونپڑی بنوا دیا کرتی تھی۔ اس ڈیرے پر بھی میری چھوٹی سی کٹیا بنا دی گئی تھی۔ رات کو گوپی اور خنجری ڈاکو کے ساتھ میں نے کھانا کھایا۔ کھانے کے دوران میں نظریں بچا کر خنجری ڈاکو کو دیکھتا رہا کہ اس پر منتر کا کوئی اثر ہوا ہے یا نہیں مگر ابھی تک مجھے یہی لگتا تھا کہ کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ بالکل ویسی کی ویسی تھی۔ اس کے چہرے پر یا اس کی باتوں میں پاتالی کی کوئی نشانی ظاہر نہیں ہوئی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد میں اپنی کٹیا میں آ کر چارپائی پر لیٹ گیا۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ میں چارپائی پر لیٹا پہلو بدل رہا تھا اور یہی سوچ رہا تھا کہ خدا جانے مجھے ان ڈاکوؤں کے ساتھ ابھی کتنے دن اور گزارنے پڑیں گے۔ اتنے میں مجھے کسی کے لباس کی سرسراہٹ سی سنائی دی۔ میں نے چونک کر ادھر اُدھر دیکھا۔ پھر مجھے کسی کے سانس لینے کی آواز آئی۔ میں جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا۔ ”دُرگا! کیا یہ تم ہو؟“

مجھے پاتالی کی آواز آئی۔ ”نہیں شیروان! میں ہوں۔ پاتالی۔“

میں نے بے تاب ہو کر کہا۔ ”تم کہاں ہو پاتالی! تم میرے سامنے کیوں نہیں آ رہی ہو۔ کیا تم آزاد ہو گئی ہو؟“

پاتالی نے کہا۔ ”نہیں۔ میں ابھی آزاد نہیں ہوں۔ میں ابھی تک اس ڈاکو عورت کے جسم میں ہی قید ہوں۔“

”پھر تم اس کے جسم سے نکل کر یہاں کیسے آ گئی ہو؟“ میں نے پوچھا۔

پاتالی نے کہا۔ ”یہ میں نہیں ہوں۔ یہ میرا سایہ ہے۔ میرا جسم ابھی تک ڈاکو عورت کے جسم کے اندر ہی ہے۔“

میں نے پوچھا۔ ”لیکن میں نے تو مالینی کا منتر خنجری کے جسم میں داخل کر دیا تھا کیا اس نے کوئی اثر نہیں کیا؟“

پاتالی نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ ”شیروان! مالینی کے منتر کا اثر آہستہ آہستہ ہو گا۔ میں تمہیں صرف یہ کہنے آئی ہوں کہ تم یہ سوچ کر اس عورت کو چھوڑ کر نہ چلے جانا کہ مالینی کے منتر نے کوئی اثر نہیں کیا۔ یہ سوچ لینا کہ تم اس ڈاکو عورت کو نہیں بلکہ مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے اور اگر تم چلے گئے تو میں کبھی اس عورت کے جسم سے نہیں نکل سکوں گی۔“

میں نے کہا۔ ”تم فکر نہ کرو۔ میں اس عورت کے ساتھ ہی رہوں گا۔ لیکن آخر تمہیں آزاد ہونے میں اب کیا رکاوٹ ہے؟“

پاتالی نے کہا۔ ”شیروان! تم کو نتالیا کے آسیب کی طاقت کا کچھ اندازہ نہیں ہے۔ مجھے بھی اندازہ نہیں تھا۔ ایک عام انسان یہ چار لفظی منتر پڑھ کر پھونکے تو اس کا اثر کچھ اور ہوتا ہے لیکن جب ایک آسیبی عورت یہ منتر پڑھ کر پھونکتی ہے تو اس کی طاقت چار گنا بڑھ جاتی ہے۔ نتالیا کے آسیب نے اس منتر کے ذریعے مجھے اس زبردست طریقے سے اس ڈاکو عورت کے جسم میں داخل کر دیا ہوا ہے کہ میں اس کے خون میں شامل ہو گئی ہوں۔ اور ہر لمحے اس کے جسم کے اندر میرا دم گھٹتا ہے۔ تمہارے منتر پھونکنے کے بعد جب ناریل کا پانی اس عورت کے جسم میں داخل ہوا تو مجھے پہلی بار یہ موقع ملا ہے کہ میں سایہ بن کر اس کے جسم سے باہر آ سکتی ہوں۔ اس عورت کے ساتھ رہنا۔ بس اب میں جاتی ہوں۔ میرا جسم جو ڈاکو عورت کے جسم کے اندر ہے مجھے بلا رہا ہے.....“

مجھے پاتالی کے گہرا سانس لینے کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ دوسرے لمحے دُرگا کی آواز آئی۔ ”تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارا پھونکا ہوا مالینی کا منتر اپنا کام کر رہا ہے۔“

میں نے کہا۔ ''لیکن اس طرح تو خدا جانے پاتالی کو آزاد ہوتے کتنی دیر لگ جائے گی۔''

دُرگا کی آواز آئی۔ ''ہاں شیروان! کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ میری مجبوری تھی کہ اس منتر کو کوئی عام انسان ہی ڈاکو خنجری کے جسم میں پھونک سکتا تھا اور یہ اس انسان کی مجبوری تھی کہ اس کے پھونکنے سے منتر کی طاقت چار گنا کم ہو گئی تھی۔ اب جو کچھ ہو گا کم رفتار کے ساتھ ہو گا۔ بس ہمیں دھیرج سے کام لینا پڑے گا۔''

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ دھیرج یعنی صبر مجھے کب تک برداشت کرنا پڑے گا۔ میں نے دُرگا سے کہا۔ ''دُرگا! تم اتنی جادوئی طاقت رکھتی ہو اور پاتالی تمہاری چہیتی بدروح ہے۔ میں نے مالینی کا منتر بھی ڈاکو عورت کے جسم میں داخل کر دیا ہے۔ کیا اب تم پاتالی کو باہر نہیں نکال سکتیں؟''

دُرگا نے کہا۔ ''میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ یہ کام کسی عام انسان کے ہاتھوں ہی ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ منتر جب کسی پر پھونکا جاتا ہے تو وہ بد نصیب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک نہ ختم ہونے والی قید میں پھنس جاتا ہے کیونکہ نہ کسی عام انسان کو اس منتر کا پتہ ہے اور نہ وہ اس منتر کو پھونکنے کا گر جانتا ہے۔ یہ تو پاتالی کی خوش قسمتی تھی کہ تم ایک عام انسان ہوتے ہوئے بھی ہماری دنیا میں چل پھر رہے ہو اور میں نے یہ کام تمہیں سونپ دیا۔ اب کم از کم یہ یقین تو ہے کہ پاتالی آج نہیں تو کل اپنے آپ اس منتر کے اثر سے ڈاکو عورت کے جسم سے آزاد ہو کر ہمارے پاس واپس آجائے گی۔''

دُرگا چلی گئی۔ اس کے بعد میں بھی گہری نیند سو گیا۔

جنگل کے اس نئے ڈیرے میں ہمیں تیسرا دن گزر رہا تھا کہ دوپہر کے بعد اچانک جنگل کے اِرد گرد فائرنگ کے دھماکے گونجنے لگے۔ ڈاکوؤں کے ڈیرے میں افراتفری سی مچ گئی۔ خنجری ڈاکو فوراً اپنی جھونپڑی سے نکل آئی۔ اُس نے سٹین گن

پکڑی ہوئی تھی۔ چیخ کر بولی۔ ''گھبراؤ نہیں۔ پولیس کے سپاہی ہیں۔ ہم ان کی لاشیں گرا دیں گے۔''

لیکن یہ صرف پولیس ہی نہیں تھی پولیس کے ساتھ پیرا ملٹری ٹروپس کے تربیت یافتہ فوجی بھی تھے اور انہوں نے پوری سکیم بنا کر مشین گنوں اور دستی بموں سے حملہ کیا تھا۔ جب دستی بموں کے دھماکے بھی سنائی دیئے تو گوپی نے خنجری سے کہا۔ ''رانی بائی! پولیس کے ساتھ فوج بھی ہے۔''

خنجری ڈاکو نے چلا کر کہا۔ ''گوپی! فوج ہے تو کیا ہوا۔ ہم فوج کا بھی مقابلہ کریں گے۔ اپنے آدمیوں کو چاروں طرف پھیلا دو۔''

اس وقت ڈاکوؤں نے اُپنے ڈیرے کے اِرد گرد پوزیشنیں سنبھال لیں مگر پولیس اور فوج نے ڈاکوؤں کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا اور مشین گنوں کی فائرنگ اور دستی بموں کے دھماکوں میں سے گھیرا تنگ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ میں بھی سٹین گن لے کر پوزیشن سنبھالنے کے لئے ایک طرف کو دوڑا تو دُرگا کی آواز آئی۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟ چاروں طرف گولیاں چل رہی ہیں۔ مارے جاؤ گے۔''

میں نے کہا۔ ''تو پھر میں کیا کروں؟''

دُرگا نے کہا۔ ''فوراً پاتالی کی انگوٹھی پہن کر غائب ہو جاؤ اس طرح کم از کم تمہیں گولی نہیں لگے گی۔''

میں نے ایسا ہی کیا۔ جیب سے انگوٹھی نکالی اور پہن لی۔ انگوٹھی پہنتے ہی میں غائب ہو گیا۔ دُرگا نے کہا۔ ''خاموشی سے اپنی جھونپڑی کے اندر جا کر بیٹھ جاؤ۔''

میں جھونپڑی میں جا کر بیٹھ گیا۔ جنگل گولیوں اور دستی بموں کے دھماکوں سے گونج رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے باہر جنگ لگی ہوئی ہے۔ میں نے ایک لمحے کے لئے جھونپڑے کے باہر نکل کر دیکھا۔ ڈاکوؤں کے پاؤں اُکھڑ چکے تھے اور وہ بھاگ رہے تھے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ہی فوج اور پولیس گولیوں کا مینہ برساتی وہاں پہنچ گئی۔

ڈاکوؤں کی لاشیں گرنے لگیں۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا مگر کوئی پولیس کا سپاہی یا فوجی مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میرے سامنے فوجیوں اور پولیس نے ایک پوزیشن پر حملہ کر کے گوپی اور خنجری ڈاکو کو پکڑ لیا۔ گوپی نے دونوں ہاتھ اُٹھا رکھے تھے۔ خنجری ڈاکو نے ہاتھ اُوپر نہیں اٹھائے تھے۔ مگر اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ فوج اور پولیس کی بھاری نفری اور اس کے جدید اسلحہ کے سامنے ان ڈاکوؤں کو شکست ہو گئی تھی۔

پولیس خنجری ڈاکو اور گوپی ڈاکو کو الٹی ہتھکڑیاں لگا کر لے گئی۔ باقی ڈاکوؤں میں سے اکثر مارے گئے تھے اور ان کی لاشیں جگہ جگہ بکھری پڑی تھیں۔ کچھ جان بچا کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ میں نے آہستہ سے دُرگا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”دُرگا! کیا تم میرے پاس ہی ہو؟“

دُرگا کی آواز سنائی دی۔ ”میں تمہارے پاس ہی ہوں۔“

”یہ کیا ہو گیا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

دُرگا بولی۔ ”ایسا ہونا نہیں چاہئے تھا۔ مگر ایک نہ ایک دن ہونا ہی تھا۔“

میں نے پوچھا۔ ”یہ لوگ تو خنجری ڈاکو کے ساتھ پاتالی کو بھی پکڑ کر لے گئے ہیں۔ ہمیں پاتالی کو بچانا ہو گا۔“

دُرگا نے کہا۔ ”گھبراؤ نہیں۔ گھبراؤ نہیں۔ ہم پاتالی کو بچا لیں گے۔ تم اس جھونپڑی میں بیٹھو میں پتہ کرتی ہوں کہ پولیس خنجری ڈاکو کو کہاں لے گئی ہے۔“

دُرگا چلی گئی اور میں جھونپڑی کے باہر ایک الٹی ہوئی چارپائی کو سیدھا کر کے اُس پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ میں کون تھا کیا ہو گیا ہوں؟ کہاں تھا اور کہاں آ گیا ہوں؟ یا اللہ! میرے گناہ معاف فرما دے!

O

کافی دیر کے بعد مجھے دُرگا کی آواز سنائی دی۔ ”شیروان! جلدی سے میرے ساتھ چلو۔ صورت حال خراب ہو گئی ہے۔“

”کیا ہوا ہے دُرگا؟“ میں نے پوچھا۔

دُرگا نے کہا۔ ”باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔ پاتالی کی زندگی خطرے میں ہے۔ اگر ہم نے ذرا دیر کر دی تو خنجری ڈاکو کو تو مرنا ہی ہے مگر اس کے ساتھ پاتالی بھی مر جائے گی۔ انگوٹھی نکال کر پہنو۔“

میں نے فوراً جیب سے انگوٹھی نکال کر پہن لی۔ میں غائب ہو گیا۔ دُرگا نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر مجھے کسی نے بڑی تیزی سے اُٹھا کر اوپر کو اچھال دیا۔ اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ میں اور دُرگا جہاں کھڑے ہیں وہاں اِردگرد چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ ان پہاڑیوں کے درمیان درختوں میں گھری ہوئی ایک عمارت ہے۔

دُرگا نے کہا۔ ”یہ خفیہ پولیس کا ٹارچر سیل ہے۔ خنجری ڈاکو کو گرفتار کر کے یہاں لایا گیا ہے۔ پولیس اس خونخوار ڈاکو عورت کو ختم کر دینا چاہتی ہے۔ وہ اس پر مقدمہ چلانے اور گواہیاں بھگتانے کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتی۔ اسے مار کر لاش جنگل میں ڈال دی جائے گی اور اعلان کیا جائے گا کہ مدھیہ پردیش کی خونخوار خنجری ڈاکو پولیس مقابلے میں ہلاک ہو گئی ہے۔ میرے ساتھ آ جاؤ۔“

میں اور دُرگا عمارت کی طرف بڑھے۔ ہم دونوں غیبی حالت میں تھے اور ہمیں

کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ عمارت کے باہر پولیس کا زبردست پہرہ تھا مگر ہم بے فکر ہو کر پولیس کے سپاہیوں کے درمیان سے گزر گئے۔ دُرگا مجھے عمارت کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں لے گئی۔

کمرے میں ایک سٹریچر پر خنجری ڈاکو کو چمڑے کے تسموں سے اس طرح باندھا ہوا تھا کہ وہ کوئی حرکت نہیں کر سکتی تھی۔ تین مسلح سپاہی ایک طرف کھڑے تھے۔ ایک ہندو ایس پی اور ایک ڈی ایس پی سٹریچر کے پاس بیٹھے خنجری سے ضروری پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ ایس پی نے پوچھا۔ ''تمہارے گروہ کے کچھ آدمی فرار ہو گئے ہیں۔ اگر تم ہمیں یہ بتا دو کہ وہ کہاں چھپے ہوئے ہوں گے تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے صرف قید میں ڈال دیں گے تمہیں جان سے نہیں ماریں گے۔''

خنجری نے کہا۔ ''مجھے نہیں معلوم وہ کہاں گئے ہیں۔''

ڈی ایس پی نے ایس پی کو انگریزی میں کہا۔ ''یہ عورت کچھ نہیں بتائے گی۔ بہتر یہی ہے کہ اس سے جتنی جلدی ہو سکے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے۔ اس بات کا خطرہ ہے کہ اس کے ساتھی کسی وقت شب خون مار کر اسے چھڑا کر لے جائیں گے۔''

ایس پی نے انگریزی میں جواب دیا۔ ''تو تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟''

''سر! مجھے آپ کے آرڈر چاہئیں۔'' ڈی ایس پی نے کہا۔

ایس پی بولا۔ ''میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔''

اچانک ڈی ایس پی نے پستول نکالا اور خنجری ڈاکو کے دل کا نشانہ لے کر اوپر تلے چار فائر کر دیئے۔ خنجری ڈاکو کے سینے میں سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ میں حیران تھا کہ دُرگا نے اس پولیس آفیسر کے ہاتھ سے پستول کیوں نہیں چھینا اور اسے خنجری ڈاکو کو ہلاک کرنے کا موقع کیوں دیا۔ خنجرئی ڈاکو کا چہرہ سفید پڑنے لگا تھا کیونکہ اس کا جسم چمڑے کے تسموں سے سٹریچر کے ساتھ بندھا ہوا تھا اس لئے وہ تڑپ نہیں سکتی تھی۔ اس کے بدن سے بے تحاشا خون نکل رہا تھا۔

میں نے دُرگا کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے غور سے خنجری ڈاکو کے خون میں لتھڑے جسم کو دیکھ رہی تھی۔ میں نے دُرگا کے کان میں سرگوشی کی۔ ''دُرگا! کیا سوچ رہی ہو۔ پاتالی تو اس کے ساتھ ہی مر جائے گی۔''

دُرگا نے سرگوشی میں ہی جواب دیا۔ ''خاموش رہو۔''

ایس پی نے سپاہیوں سے کہا۔ ''اس کی لاش لے جا کر جنگل میں پھینک دو۔''

سپاہیوں نے فوراً نیم مردہ خنجری کو سٹریچر سے اٹھایا اور ٹانگوں اور بازوؤں سے پکڑ کر ڈولی ڈنڈا کر کے باہر لے گئے۔ دُرگا نے مجھے آہستہ سے کہا۔ ''ان کے پیچھے چلو۔''

سپاہیوں نے خنجری کے نیم مردہ جسم کو ایک جیپ میں ڈالا اور جیپ تیزی کے ساتھ ٹارچر سیل کی عمارت سے نکل کر جنگل کی طرف چل پڑی۔ دُرگا اور میں جیپ کے ساتھ ساتھ پرواز کرتے جا رہے تھے۔

یہ سارا علاقہ جنگل کا تھا۔ دو تین میل دُور جا کر جیپ سڑک سے اتر کر جنگل کے گھنے درختوں کے نیچے ایک جگہ آ کر رُک گئی۔ سپاہیوں نے خنجری کی لاش کو جیپ سے باہر پھینکا اور جیپ تیزی کے ساتھ مڑ کر واپس چلی گئی۔ دُرگا لپک کر خنجری ڈاکو کی لاش کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے مجھے کہا۔ ''اس کے قریب آ کر بیٹھ جاؤ۔''

میں خنجری ڈاکو کی لاش کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ دُرگا نے خنجری ڈاکو کے سینے پر اس جگہ انگلی رکھ دی جہاں سے ابھی تک خون ابل ابل کر نکل رہا تھا۔ کہنے لگی۔ ''خنجری ابھی زندہ ہے۔ میں یہی چاہتی تھی۔''

اُس نے مجھ سے کہا۔ ''انگوٹھی انگلی سے اُتار کر جیب میں رکھ لو۔''

میں نے ایسا ہی کیا۔ انگوٹھی اتارنے کے بعد میں اپنی جسمانی حالت میں نظر آنے لگا۔ دُرگا نے کہا۔ ''اپنا ہاتھ آگے کرو۔''

میں نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔ دُرگا نے اپنے ہاتھ کو میرے ہاتھ کے اُوپر رکھ

دیا۔ اس کے ہاتھ پر خنجری کے جسم سے نکلنے والا خون لگا ہوا تھا۔ وہی خون میرے ہاتھ کو بھی لگ گیا۔

دُرگا بولی۔ ''میں دو قدم پیچھے ہٹ رہی ہوں۔ اب جو کچھ کرنا ہے تمہیں ہی کرنا ہوگا۔''

میں نے اپنی تسلی کی خاطر پوچھا۔ ''کیا پاتالی اس مردہ جسم کے اندر زندہ ہے؟''

دُرگا نے غصے میں کہا۔ ''فالتو بات نہ کرو۔ جو میں کہتی ہوں وہ کرو۔''

میں چپ ہو گیا۔ کیا کرتا۔ یہ میری بھی زندگی، موت کا سوال تھا۔ یہ ایک تکون سی بن گئی تھی۔ پاتالی اگر زندہ رہتی ہے تو روہنی بھی زندہ بچ سکتی تھی۔ اگر روہنی زندہ رہتی ہے تو میں بھی زندہ رہ سکتا تھا اور وہ اس طرح کہ صرف روہنی ہی بقول دُرگا مجھے منالیا کے منحوس آسیب اور پجاری رگھو کے شیطانی جادو سے چھٹکارا دلا سکتی تھی۔

میری ہتھیلی پر خنجری ڈاکو کی لاش کا خون لگا ہوا تھا۔ دُرگا نے مجھے لاش کے بالکل قریب بٹھایا ہوا تھا۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔ کہنے لگی۔ ''اپنی ہتھیلی لاش کے ماتھے کے ساتھ چپکا دو۔''

میں نے خون آلود ہتھیلی خنجری کی لاش کے ماتھے کے ساتھ چپکا دی۔ میں نے محسوس کیا کہ خنجری کے ماتھے میں اس کا یا خدا جانے کس کا دل دھڑک رہا تھا۔ مجھے اس کی دھڑکن اپنی ہتھیلی پر محسوس ہو رہی تھی۔

دُرگا نے حکم دیا۔ ''ہتھیلی اٹھالو۔''

میں نے ہتھیلی اُوپر اٹھالی۔ دُرگا نے حکم دیا۔ ''لاش کے سینے میں گولی نے سوراخ کر دیا ہوا ہے اپنا منہ اس سوراخ کے پاس لے جاؤ۔''

میں اپنا منہ لاش کے سینے پر جو سوراخ تھا اس کے قریب لے گیا۔ گولی نے خنجری کا سینہ پھاڑ دیا تھا۔ گولی اس کے دل کے پار ہو گئی تھی۔ سینے میں گولیوں کے اور

سوراخ بھی تھے مگر جو گولی اس کے دل میں لگی تھی اس کا سوراخ چوڑا تھا۔

دُرگا نے حکم دیا۔ ''اب مالینی کا بتایا ہوا چار لفظوں والا منتر پڑھ کر پھونکو اور دل میں کہنا کہ یہ منتر میں پاتالی کے لئے پھونک رہا ہوں۔''

مجھے وہ منتر یاد تھا۔ میں نے دل میں کہا۔ ''یہ منتر میں پاتالی کے لئے پھونک رہا ہوں۔''

دُرگا نے مجھ سے یہ اس لئے کہلوایا تھا کہ اگر میں یہ نہ کہتا تو وہ منتر مجھ سے منسوب ہو جاتا کہ جیسے یہ منتر میں نے اپنے لئے پڑھا ہے اور پھر میں خود غائب ہو کر خدا جانے کس جانور کا روپ دھار لیتا۔ میں نے منتر کو پاتالی سے منسوب کرتے ہوئے اسے پڑھ کر خنجری ڈاکو کی لاش کے خون آلود سوراخ پر پھونک دیا۔

دُرگا بولی۔ ''دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔''

میں جلدی سے دو قدم ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ رات کا وقت تھا۔ جنگل میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ خدا جانے چاند کی وہ کون سی تاریخ تھی۔ درختوں کے اوپر چاند نکلا ہوا تھا اور اس کی اداس چاندنی میں خنجری ڈاکو کی لاش صاف نظر آ رہی تھی۔ اچانک لاش کانپنے لگی۔ پہلے وہ آہستہ آہستہ کانپ رہی تھی پھر وہ زیادہ شدت سے کانپنے لگی۔ دو تین منٹ تک لاش لرزتی رہی پھر خنجری کی لاش کے حلق سے ایک دل کو ہلا دینے والی چیخ بلند ہوئی۔ جنگل اس چیخ کی آواز سے کانپ گیا۔

اس کے بعد لاش ساکت ہو گئی اور لاش کے سینے کے خون آلود شگاف میں سے سفید دھواں نکلنا شروع ہو گیا۔ یہ دھواں اُوپر اٹھنے کے بعد ایک انسانی شکل میں بدل گیا۔ اُس وقت دُرگا نے کہا۔ ''پاتالی! کیا یہ تم ہو؟''

پاتالی کی آواز سنائی دی۔ ''دُرگا میا! یہ میں ہی ہوں۔ پاتالی! تمہاری سیویکا۔''

دُرگا نے کہا۔ ''پاتالی! اسی شکل میں واپس آ جاؤ جس شکل میں تم مجھ سے جدا ہو کر شیر وان کے ساتھ گئی تھیں۔''

میں ٹکٹکی باندھے لاش کے زخم کے شگاف میں سے نکلے ہوئے پاتالی کے سفید لباس کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک دھواں غائب ہو گیا اور دوسرے لمحے پاتالی میرے سامنے کھڑی میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس نے دُرگا کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور سر جھکا کر کہا۔ ''دُرگا میا! تم شیر وان کو اپنے ساتھ نہ لاتیں تو میں زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔ میں بھی اس ڈاکو عورت کی لاش کے ساتھ ہی مر چکی ہوتی۔''

دُرگا نے کہا۔ ''پاتالی! تمہیں شیر وان کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ اگر اسے مالینی کا منتر یاد نہ ہوتا اور یہ ہمت اور جرات سے کام نہ لیتا تو تم زندہ حالت میں ہمارے پاس واپس نہ آتیں۔''

مجھے بڑی حیرت ہو رہی تھی کیونکہ پاتالی اپنے اسی ماڈرن لباس میں تھی جس لباس میں وہ جے پور کے قدیم محل میں سے دُرگا کی اجازت لے کر میرے ساتھ چلی تھی یعنی اس نے بش شرٹ کے ساتھ جینز پہنی ہوئی تھی پرس اسی طرح اس کے کندھے سے لٹک رہا تھا۔

پاتالی نے میری طرف مسکرا کر دیکھا اور بولی۔ ''شیر وان! میں اپنے دل سے تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ تم نے میرے لئے وہ کام کیا ہے جو سوائے تمہارے اور کوئی نہیں کر سکتا تھا۔''

میں نے کہا۔ ''اب کسی طرح روہنی، نتالیہ کے آسیب کی قید سے رہا ہو جائے۔ بس مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔''

پاتالی نے کہا۔ ''دُرگا میا کی آشیر واد ہمارے ساتھ ہو گی تو ہم روہنی کو بھی آزاد کرا لیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔''

دُرگا کہنے لگی۔ ''پاتالی! ہمیں یہاں سے اپنے محل میں جے پور چلنا ہو گا۔ وہاں جا کر ہم روہنی کو آسیبی قید سے نکالنے کے بارے میں کوئی دوسرا منتر سوچیں گے۔''

پاتالی نے کہا۔ ''جیسے آپ کا حکم دُرگا میا!''

''تو پھر چلو۔ اپنے محل میں چلتے ہیں۔'' دُرگا نے یہ کہہ کر مجھے ہدایت کی۔ ''شیر وان! پاتالی کی انگوٹھی پہن لو۔''

میں نے جیب سے انگوٹھی نکال کر پہن لی اور میں غائب ہو گیا۔ دُرگا پہلے ہی سے غائب تھی۔ صرف پاتالی غائب نہیں تھی۔ دُرگا نے اسے کہا۔ ''پاتالی تم بھی غائب ہو جاؤ اور شیر وان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا مت بھولنا ورنہ یہ اُڑتے ہوئے اِدھر اُدھر ہو جائے گا۔''

پاتالی نے کوئی منتر پڑھ کر پھونکا اور غائب ہو گئی۔ یہ دونوں بدروحیں غائب ہو جانے کے بعد بھی مجھے دکھائی دے رہی تھیں۔ پاتالی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ جیسے ہی اس نے میرا ہاتھ پکڑا کسی نے مجھے زمین سے اٹھا کر اوپر فضا میں اچھال دیا اس کے بعد وہی حالت ہوئی یعنی مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ جب ہوش میں آیا تو دیکھا کہ میں، پاتالی اور دُرگا جے پور والے قدیم تاریخی محل کے تہہ خانے میں ستونوں کے درمیان تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔

دُرگا کہنے لگی۔ ''اب ہمیں پرانے قبرستان والے نتالیا کے تہہ خانے میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

میں نے کہا۔ ''اگر ہم وہاں نہیں جائیں گے تو روہنی کو کیسے نکال کر لا سکیں گے کیونکہ اسے تو نتالیا نے اسی تہہ خانے میں بند کر رکھا ہے۔''

دُرگا بولی۔ ''شیر وان! تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکو گے۔ بہتر یہی ہے کہ تم ان میں دخل نہ دو۔''

میں نے کہا۔ ''یہ تم نے ٹھیک کہا۔ میں خاموش ہوں۔''

پاتالی نے دُرگا سے پوچھا۔ ''دُرگا میا! نتالیا کے آسیب کی جان نتالیا کی کھوپڑی میں ہے۔ آپ بھی جانتی ہیں کہ نتالیا افریقہ کے ایک آدم خور قبیلے کی خونخوار عورت تھی جس نے کئی بے گناہ انسانوں کا خون کر کے ان کو ہڑپ کیا ہے جس کی سزا وہ ایک

آسیبی بدروح کی شکل میں بھٹک رہی ہے۔ جب وہ مر گئی تھی تو اسے جلا دیا گیا تھا لیکن اس کی بدروح آسیب بن کر اس کی کھوپڑی میں بند ہو گئی تھی جہاں ایک برس بند رہنے کے بعد وہ باہر نکل آئی تھی اور آسیبی بدروح کی شکل میں در بدر بھٹکنے لگی تھی۔"

دُرگا نے کہا۔ "یہ سارے راز مجھے معلوم ہیں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس کھوپڑی میں نتالیا کے آسیب کی جان ہے۔ اگر کسی طرح اس کھوپڑی کو توڑ دیا جائے تو نتالیا اور اس کا آسیب اپنے آپ مر جائے گا اور ہمیشہ کے لئے نرک کی اگنی میں جا کر بھسم ہو جائے گا۔"

پاتالی نے کہا۔ "دُرگا میا! یہ کھوپڑی نتالیا نے کہاں رکھی ہوئی ہے؟"

دُرگا نے کہا۔ "پہلے یہ کھوپڑی جنگل میں اس جگہ زمین میں دفن تھی جہاں نتالیا کی لاش کو آگ میں جلایا گیا تھا۔ مگر جب روہنی نے میری ہدایت پر وہاں پہنچ کر نتالیا کی کھوپڑی کو توڑنا چاہا تو نتالیا کے آسیب کو اس کا پتہ چل گیا اور اس نے عین وقت پر پہنچ کر نہ صرف اپنی کھوپڑی کو غائب کر دیا بلکہ روہنی کو بھی پکڑ کر لے گئی۔ اب اس نے اپنی کھوپڑی کہاں چھپا کر رکھی ہوئی ہے؟ اس کا کھوج لگانا پڑے گا۔ یہ میں کھوج لگا لوں گی۔ لیکن ہمیں اس بار بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا۔ اگر ہم اس دفعہ بھی نتالیا کی کھوپڑی کا طلسم توڑنے میں ناکام رہے تو پھر ہم روہنی کو نتالیا کی قید سے اور بے گناہ لوگوں کو نتالیا کے آسیب کی شیطانی مصیبتوں سے کبھی نجات نہیں دلا سکیں گے۔"

پاتالی نے کہا۔ "دُرگا میا! پہلے یہ پتہ چلنا چاہئے کہ یہ کھوپڑی جس میں نتالیا کی جان ہے اس نے کس جگہ پر چھپائی ہوئی ہے اس کے بعد ہم اس تک پہنچنے اور اسے برباد کرنے کا کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر لیں گے۔"

دُرگا نے کہا۔ "اس کا کھوج لگانے کے لئے مجھے بدروحوں کی دُنیا میں جا کر بدروحوں کی سردارنی مالینی سے ملاقات کرنی پڑے گی۔ صرف وہی مجھے بتا سکتی ہے کہ

نتالیا کے آسیب نے کھوپڑی کس جگہ چھپائی ہوئی ہے۔ میں اسی وقت بدروحوں کی دنیا کی طرف روانہ ہو جانا چاہتی ہوں۔ تم دونوں چاہو تو اسی محل میں رہو، چاہو تو جے پور کے کسی ہوٹل میں جا کر رہ سکتے ہو۔ کیونکہ شیروان انسان ہے۔ پاتالی! تم تو ویران کھنڈروں میں رہ سکتی ہو مگر شیروان تمہارے ساتھ وہاں نہیں رہ سکتا۔"

پاتالی نے پوچھا۔ "دُرگا میا! آپ کو وہاں کتنی دیر لگ سکتی ہے؟"

دُرگا نے کہا۔ "میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ہو سکتا ہے مالینی مجھے وہاں سے کسی دوسری جگہ بھیج دے۔ اس طرح ایک دن بھی لگ سکتا ہے اور ایک ہفتہ بھی لگ سکتا ہے۔"

پاتالی نے کہا۔ "ٹھیک ہے دُرگا میا! ہم جے پور یا کسی دوسرے شہر میں جا کر ہوٹل میں رہ لیں گے۔"

دُرگا بولی۔ "تم جہاں بھی ہو گے مجھے علم ہو جائے گا اور میں تمہیں آ کر وہاں مل لوں گی۔ اب تم شیروان کو لے کر جہاں جانا چاہتی ہو چلی جاؤ مگر شیروان کا خیال رکھنا۔ اسے اپنے سے الگ مت ہونے دینا کیونکہ صرف نتالیا ہی نہیں اس کے پیچھے رگھو پجاری کی بدروح بھی لگی ہوئی ہے۔"

پھر اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "شیروان! تمہارے بازو پر کالے جادوگر نے ہڈی کا جو تعویذ باندھا ہوا ہے اس کی حفاظت کرنا اور کوئی کسی بھی روپ میں آ کر تمہارا تعویذ حاصل کرنے کی کوشش کرے سمجھ لینا کہ وہ نتالیا کی بھیجی ہوئی بدروح ہے۔ فوراً بلند آواز سے کہنا دفع ہو جا بدروح! دفع ہو جا بدروح..... ! تم سمجھ گئے ہو ناں؟"

میں نے کہا۔ "میں سمجھ گیا ہوں دُرگا! میں تمہاری ہدایتوں پر پوری طرح عمل کروں گا۔"

دُرگا نے پاتالی سے کہا۔ "اب تم اسے لے کر چلی جاؤ۔"

دُرگا یہ کہہ کر غائب ہو گئی۔ پاتالی نے مجھ سے کہا۔ "چلو یہاں سے باہر نکلتے ہیں۔ پھر سوچیں گے کہ ہمیں کہاں جا کر ایک ہفتہ گزارنا چاہئے۔"

ہم دونوں غائب تھے چنانچہ ہم بڑی آسانی کے ساتھ ویران محل سے باہر نکل آئے اور محکمہ آثار قدیمہ کے چوکیداروں میں سے کوئی بھی ہمیں نہ دیکھ سکا۔ باہر آئے تو رات ڈھل رہی تھی۔ آسمان پر مشرق کی جانب صبح کا اولین اُجالا جھلکنے لگا تھا۔ اندھیرا اچھٹ رہا تھا اور جے پور شہر کی عمارتیں اندھیرے میں سے اُبھر رہی تھیں۔

پاتالی نے کہا۔ "شیروان! تم کہاں جانا چاہتے ہو؟"

میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ "بھارت کی راجدھانی دلی کے کسی الٹرا ماڈرن ہوٹل میں چل کر ٹھہرتے ہیں۔ میں دو چار دن بڑے اعلیٰ ترین ماحول میں آرام کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"

پاتالی مسکرا رہی تھی۔ کہنے لگی۔ "روپے کی مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے۔ چلو دلی کے کسی الٹرا ماڈرن ہوٹل میں ہی چلتے ہیں۔ اپنا ہاتھ مجھے پکڑا دو۔"

میں نے اپنا ہاتھ پاتالی کے ہاتھ میں دے دیا۔ ہم دونوں اسی وقت زمین سے بڑی تیزی کے ساتھ اوپر کی طرف اٹھتے چلے گئے پھر بڑی تیز ہوا کا ایک جھونکا میرے جسم سے ٹکرایا اور پھر مجھے حسب معمول کچھ ہوش نہ رہا۔ جب ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میں اور پاتالی زندہ عورت اور مرد کی شکل میں ایک شاندار ماڈرن ہوٹل کی لابی میں کھڑے ہیں۔

پاتالی نے کہا۔ "جانتے ہو اس ہوٹل میں ایک دن اور رات گزارنے کا کرایہ پانچ ہزار روپے ہے۔"

میں نے کہا۔ "تم نے روپوں کا انتظام کر لیا ہے ناں؟"

وہ ہنس پڑی۔ کہنے لگی۔ "اس وقت انڈیا کے سٹیٹ بنک کی ساری دولت میرے سامنے ہے۔ میں جتنی رقم چاہوں وہاں سے لا سکتی ہوں۔ بلکہ ایک اشارے سے وہ رقم

میرے پرس میں آ جائے گی۔"

ہم نے ایک ڈبل بیڈ کمرہ میاں بیوی ظاہر کر کے لے لیا۔ میں نے کہا۔ "میں تو زندہ انسان ہوں مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔ میں سب سے پہلے ناشتہ کروں گا۔"

پاتالی نے کہا۔ "ناشتہ یہاں صبح سات بجے شروع ہو جاتا ہے۔ اتنی دیر میں تم نہا کر تازہ دم ہو جاؤ اس کے بعد میں بھی نہا لوں گی۔"

پہلے میں نے غسل کیا۔ اس کے بعد پاتالی نے غسل کیا۔ ہم جب تیار ہو کر نیچے بریک فاسٹ روم میں آئے تو ناشتہ شروع ہو چکا تھا۔ ہم نے خوب مزے کا ناشتہ کیا اور پھر کافی منگوا کر پینے اور باتیں کرنے لگے۔ ناشتہ کرنے کے بعد ہم دلی کی سیر کو نکل گئے۔ پاتالی نے اپنے لئے بھی ایک نئی جینز اور شرٹ خریدی۔ میرے لئے بھی ایک نئی پتلون اور بش شرٹ خریدی اور پھر ہم ٹیکسی لے کر دوپہر تک شہر کی سیر کرتے رہے۔ ہوٹل میں آ کر دوپہر کا کھانا کھایا۔ میں تو سو گیا پاتالی ایک بار پھر شہر کی سیر کو نکل گئی۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد ہم ہوٹل کے ڈسکو روم میں آ کر بیٹھ گئے۔ لڑکیاں لڑکے ڈانس کر رہے تھے۔ رنگ برنگی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ میوزک بج رہا تھا۔ ہمیں تو ڈانس کرنا نہیں تھا۔ میں اور پاتالی ایک میز پر بیٹھے کافی سے دل بہلا رہے تھے۔

اتنے میں دو باڈی بلڈر ٹائپ کے آدمی جنہوں نے تنگ جینز پہن رکھی تھیں ہمارے پاس آ کر خالی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مجھے بڑا عجیب لگا۔ میں نے انہیں کہہ دیا۔ "آپ کو یہاں بیٹھنے سے پہلے ہماری اجازت لینی چاہئے تھی۔ یہ ٹیبل ہم نے ریزرو کروایا ہوا ہے۔"

ان میں سے ایک آدمی نے بڑے سخت لہجے میں کہا۔ "ہمیں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہم جہاں چاہیں بیٹھ سکتے ہیں۔"

پھر وہ پاتالی کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا اور بولا۔ "ڈارلنگ! آؤ ڈانس کرتے

ہیں۔"

پاتالی نے کہا۔ "میں ڈانس نہیں کیا کرتی۔"

دوسرے باڈی بلڈر نے کہا۔ "ہم جس کو اپنے ساتھ ڈانس کرنے کے لئے کہتے ہیں وہ انکار نہیں کر سکتی۔"

پاتالی نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔ "مسٹر! میں نے کہہ دیا کہ میں ڈانس نہیں کیا کرتی۔"

یہ دونوں آدمی غنڈے معلوم ہوتے تھے۔ میں چپ ہو گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ پاتالی ان دونوں کو سنبھال لے گی۔ یہ ان دونوں کی بد قسمتی تھی کہ انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کس عورت سے الجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ایک غنڈے نے دوسرے سے کہا۔ "دارا! یہ تو بڑی آنکھیں دکھا رہی ہے۔"

دوسرے غنڈے نے کہا۔ "ابھی اس کو ٹھیک کئے دیتا ہوں۔ یہ کیا اس کا باپ بھی میرے ساتھ ڈانس کرے گا۔"

پاتالی بڑے تحمل کا ثبوت دے رہی تھی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ابھی تک پاتالی کے چہرے پر غیض و غضب کے ذرا سے بھی اثرات نمایاں نہیں ہوئے تھے۔ اس نے کہا۔

"دیکھو مسٹر! میں ایک بار پھر آپ لوگوں کو کہتی ہوں کہ ہمیں پریشان نہ کرو۔ نقصان اٹھاؤ گے۔"

جو غنڈہ زیادہ بد معاشی دکھانے کی کوشش کر رہا تھا اس نے کہا۔ "دیکھتا ہوں کیسے ڈانس نہیں کرو گی۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے پاتالی کو بازو سے پکڑ کر کھینچا۔ جیسے ہی پاتالی کو اس نے اپنی طرف کھینچا پاتالی کے سر کے بالوں میں سے ایک سنہری رنگ کا سانپ نکل کر غنڈے کی گردن سے لپٹ گیا اور اس نے اس کی گردن کو دبانا شروع کر دیا۔ غنڈہ دونوں ہاتھوں سے سانپ کو چھڑاتے ہوئے چیخنے چلانے لگا اور نیچے گر پڑا۔ دوسرا غنڈہ ڈر کر بھاگ گیا۔

وہاں شور مچ گیا۔ لڑکے لڑکیاں جمع ہو گئے۔ کیا ہوا کیا ہوا۔ لڑکیاں لڑکے خوف زدہ نگاہوں سے غنڈے کے گلے میں سانپ کو لپٹا دیکھ کر ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔

پاتالی نے کہا۔ "معلوم نہیں کیا ہوا؟ یہ آدمی یہاں آ کر بیٹھ گیا تھا کہ نیچے سے ایک سانپ نکل آیا جو اس کی گردن سے لپٹ گیا ہے۔"

غنڈے کے حلق سے غرغراہٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں باہر کو اُبل آئی تھیں۔ ڈر کے مارے کوئی اس کے قریب نہیں جاتا تھا۔ سانپ نے دیکھتے ہی دیکھتے غنڈے کے ماتھے پر ڈس دیا اور اس کی گردن سے اُتر کر ایک طرف کو بھاگا۔ لڑکیاں لڑکے چیختے ہوئے اِدھر اُدھر ہو گئے مگر میں نے دیکھ لیا تھا کہ سانپ غائب ہو گیا تھا۔

پاتالی نے مجھے کہا۔ "چلو اُوپر چلتے ہیں۔"

ہم اُوپر اپنے کمرے میں آ گئے۔ پاتالی اُوپر آ کر کہنے لگی۔ "بعض لوگ اپنے آپ کو دیوتا سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ بڑا بد تمیز تھا۔ میں نے بڑا صبر کیا مگر آخر اسے سبق سکھانا ہی پڑا۔"

میں نے پاتالی سے کہا۔ "یہ سنہری سانپ تمہارے بالوں میں کہاں سے آ گیا تھا پاتالی؟"

میں نے یونہی پوچھ لیا تھا حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ وہ ایک بد روح ہے وہ بہت کچھ کر سکتی ہے۔ کہنے لگی۔ "یہ سانپ تو ہر وقت میرے ساتھ رہتا ہے۔"

"مگر وہ تو اب غائب ہو گیا ہے۔" میں نے کہا۔

وہ بولی۔ "غائب ہو کر وہ واپس میرے پاس آ گیا ہے۔" اور اس نے اپنے بالوں کی لٹ ہٹا کر مجھے دکھائی تو سانپ اس کے بالوں میں موجود تھا۔ مجھے اس سے اور زیادہ خوف محسوس ہونے لگا مگر وہ میرے لئے بے ضرر تھی۔ وہ میری ساتھی تھی اور ہم

ایک دوسرے کے دوست بن چکے تھے۔ ہمیں کمرے میں آئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ باہر ایک پولیس انسپکٹر، دو سپاہی اور ان کے ساتھ ہوٹل کا منیجر کھڑا تھا۔

پاتالی بھی دروازے میں آ گئی۔ "کیا بات ہے؟" اُس نے پوچھا۔

انسپکٹر پولیس نے کہا۔ "پولیس کو رپورٹ لکھوائی گئی ہے کہ ڈسکو روم میں جو آدمی سانپ کے ڈسنے سے مر گیا ہے وہ سانپ تم نے نکال کر اُس پر پھینکا تھا۔"

پاتالی نے کہا۔ "اندر آ جائیں۔"

سپاہی، منیجر اور پولیس انسپکٹر کمرے میں آ گئے۔ پاتالی نے انہیں بٹھایا اور کہا۔ "یہ رپورٹ کس نے لکھوائی ہے؟"

پولیس انسپکٹر نے کہا۔ "اس آدمی نے لکھوائی ہے جس نے اپنی آنکھوں سے تمہیں اپنے سر سے سانپ نکال کر اس شخص پر پھینکتے دیکھا ہے۔"

پاتالی نے کہا۔ "انسپکٹر صاحب! یہ بالکل جھوٹ ہے۔ میں کوئی جادوگرنی نہیں ہوں کہ میرے بالوں میں سانپ لپٹا ہوا ہے۔"

پولیس انسپکٹر نے کہا۔ "شریمتی جی! تین اور آدمیوں نے آپ کے خلاف گواہی دی ہے۔ آپ کو ہمارے ساتھ پولیس سٹیشن چلنا ہو گا۔"

پاتالی نے کہا۔ "مجھے پولیس سٹیشن جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ تشریف لے جائیں۔"

پولیس انسپکٹر کو غصہ آ گیا۔ اُس نے کہا۔ "ایسی بات ہے تو ہم آپ کو گرفتار کر کے لے جائیں گے۔"

پاتالی مسکرائی۔ کہنے لگی۔ "انسپکٹر صاحب! ابھی تک اس دنیا میں ایسا آدمی پیدا نہیں ہوا جو مجھے گرفتار کر کے تھانے لے جائے۔"

میں یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہاں بھی کوئی ڈرامہ ضرور ہو

گا۔ آخر وہی ہوا۔ پولیس انسپکٹر نے کہا۔ "تو پھر میں آپ کو گرفتار کرتا ہوں۔"

اُس نے ایک سپاہی کو حکم دیا۔ "گنگارام! شریمتی کو ہتھکڑی لگا دو۔"

میں پاتالی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پاتالی بڑے سکون کے ساتھ صوفے پر بیٹھی اس سپاہی کو دیکھ رہی تھی جس کو اسے ہتھکڑی لگانے کے لئے کہا گیا تھا۔ سپاہی اپنی پیٹی کو اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگا۔

پولیس انسپکٹر نے پوچھا۔ "کیا دیکھ رہے ہو؟"

سپاہی نے کہا۔ "سر! ہتھکڑی نہیں مل رہی۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" پولیس انسپکٹر نے کہا۔ "تم لے کر نہیں آئے تھے؟"

"سر لے کر آیا تھا مگر اب نہیں مل رہی۔" سپاہی نے کہا۔

انسپکٹر نے دوسرے سپاہی کو حکم دیا کہ شریمتی کو ہتھکڑی لگاؤ۔ دوسرے سپاہی نے بھی اپنی بیلٹ کو دیکھا تو اس کی ہتھکڑی بھی غائب تھی۔ پولیس انسپکٹر نے غصے میں کہا۔ "تمہاری ہتھکڑی کہاں چلی گئی ہے؟"

دوسرا سپاہی بولا۔ "سر! میں نے خود ہتھکڑی بیلٹ کے ساتھ باندھی تھی۔ پتہ نہیں کہاں چلی گئی ہے۔"

انسپکٹر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے پاتالی سے کہا۔ "آپ خاموشی سے ہمارے ساتھ پولیس سٹیشن چلے چلیں۔ ورنہ ہمیں آپ کو اٹھا کر لے جانا پڑے گا۔"

پاتالی نے کہا۔ "اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ جہاں آپ کے سپاہیوں کی ہتھکڑیاں غائب ہوئی ہیں وہاں آپ بھی غائب ہو جائیں تو بے شک مجھے اُٹھا کر لے چلیں۔"

پولیس انسپکٹر سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ پاتالی کیا کہہ رہی ہے۔ اس کی ہوٹل کے منیجر کے سامنے سبکی ہو جائے یہ بھلا وہ کیسے گوارا کر سکتا تھا اور وہ بھی ایک عورت اس کی بے عزتی کر دے۔

انسپکٹر نے آگے بڑھ کر پاتالی کا بازو پکڑنا چاہا تو اس نے انسپکٹر کے بازو کو پیچھے

جھٹک دیا۔ جیسے ہی اس نے انسپکٹر کا بازو جھٹکا انسپکٹر غائب ہو گیا۔ یہ دیکھ کر ہوٹل منیجر اور دونوں سپاہی پتھر کے بت سے بن کر رہ گئے۔ اُن کی آنکھوں میں دہشت ہی دہشت تھی۔ پاتالی غضب ناک ہو چکی تھی۔ اس نے دونوں سپاہیوں کو بھی ہاتھ کے اشارے سے غائب کر دیا۔ اب وہاں صرف منیجر رہ گیا تھا۔

وہ پاتالی کے قدموں میں گر پڑا اور گڑگڑا کر بولا۔ ''دیوی! مجھے شما کر دو۔ میں نہیں آنا چاہتا تھا تھانیدار مجھے زبردستی ساتھ لے آیا تھا۔''

پاتالی نے کہا۔ ''اُٹھو۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔''

منیجر بے چارہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اُس کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ پاتالی نے کہا۔ ''جاؤ۔''

منیجر کانپتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

O

پاتالی نے میری طرف دیکھا اور بولی۔ ''یہ پولیس والے اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں؟ میں ان کی خصلت کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ یہ کمزور کو دیکھ کر اس پر ظلم کرنے لگتے ہیں۔ اب یہ انسپکٹر کبھی کسی کمزور پر ظلم نہیں کر سکے گا۔''

میں نے پوچھا۔ ''یہ سپاہی اور انسپکٹر غائب ہو کر کہاں گئے ہیں؟''

پاتالی نے کہا۔ ''یہاں سے سینکڑوں میل دور اس وقت راجستھان کے صحراؤں میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔'' پھر کہنے لگی۔ ''اب میرا یہاں سے دل بیزار ہو گیا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''میرا بھی یہاں رہنے کو دل نہیں چاہتا۔ میرا خیال ہے ہمیں کسی دوسرے ہوٹل میں چلے جانا چاہئے۔''

ہم اسی وقت ہوٹل چھوڑ کر باہر آ گئے۔ منیجر وغیرہ کی جرات نہ ہوئی کہ ہم سے پوچھتا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں کیوں جا رہے ہیں۔ ہم نے ٹیکسی لی اور ایک دوسرے بڑے ہوٹل میں آ گئے۔

اس ہوٹل میں ہم نے ابھی ایک دن ہی گزارا تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد دُرگا کی بدروح ظاہر ہو گئی۔ ہم اس وقت ہوٹل کے سوئمنگ پول کے پاس ایک طرف آرام کرسیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ دُرگا کی بدروح کو دیکھتے ہی پاتالی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ''دُرگا میا!''

دُرگا نے کہا۔ ''میں جس چیز کا سراغ لگانے گئی تھی اس کا سراغ لگا لیا ہے۔''

پھر وہ بھی ہمارے پاس آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔ "مجھے بدروحوں کی سردارنی مالینی نے وہ جگہ بتادی ہے جہاں نتالیا نے اپنی کھوپڑی چھپائی ہوئی ہے۔ اب ہمیں وہاں جانا ہوگا۔"

پاتالی نے پوچھا۔ "وہ جگہ کون سی ہے دُرگامیا؟"

دُرگا کہنے لگی۔ "یہاں سے جنوب کی طرف لنکا کا ملک ہے۔ لنکا کے ملک میں کرونا پلی کا گھنا جنگل ہے۔ اس جنگل میں ایک بودھ مٹھ ہے جہاں بھکشو لوگ دن رات تپسیا کرتے ہیں۔ اس بودھ مٹھ کے پاس ایک ٹیلہ ہے۔ اس ٹیلے میں ایک غار ہے۔ اس غار میں تین اندھیری کوٹھڑیاں ہیں۔ تیسری کوٹھڑی میں ایک لوہے کا صندوق پڑا ہے۔ نتالیا کی کھوپڑی اس صندوق کے اندر ہے۔"

پاتالی نے پوچھا۔ "دُرگامیا! وہاں کون کون سی بدروحیں پہرہ دیتی ہیں؟"

دُرگا نے کہا۔ "وہاں تین بدروحیں ہر وقت پہرے پر موجود رہتی ہیں۔ وہ غار کے دہانے پر بیٹھی رہتی ہیں۔ یہ نتالیا کی سب سے خطرناک بدروحیں ہیں۔ ان پر قابو پانا ہمارے بس میں نہیں ہے۔"

"تو پھر ہم کیسے غار میں داخل ہوں گے؟" پاتالی نے پوچھا۔

دُرگا نے جواب میں کہا۔ "ان بدروحوں کا توڑ میں مالینی سے لے آئی ہوں۔"

"وہ کیا ہے دُرگامیا!" پاتالی نے سوال کیا۔

دُرگا نے کہا۔ "وہ میں تمہیں اس وقت بتاؤں گی جب ہم غار کے قریب جنگل میں پہنچ جائیں گے۔"

پاتالی کہنے لگی۔ "ہمیں اسی وقت ملک لنکا کی طرف روانہ ہو جانا چاہئے۔"

دُرگامیا نے کہا۔ "نہیں۔ ہم شام کے وقت چلے تو رات کو وہاں پہنچیں گے۔ ہم کل صبح کے وقت یہاں سے نکلیں گے۔ میں صبح آؤں گی تم تیار رہنا۔"

اس کے بعد دُرگا چلی گئی۔

دوسرے دن صبح کے وقت وہ ہمارے کمرے میں پہنچ گئی۔ کہنے لگی۔ "کیا تم لوگ تیار ہو؟"

پاتالی نے کہا۔ "میں تیار ہوں۔"

میں نے کہا۔ "میں بھی تیار ہوں۔"

دُرگا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم انگوٹھی نکال کر پہن لو۔"

عین اسی وقت ہوٹل بوائے ناشتے کے بل پر میرے دستخط کروانے کے لئے کمرے میں آگیا۔ دُرگا بدروح کو وہ نہیں دیکھ سکتا تھا کیونکہ وہ غائب تھی۔ میں اور پاتالی ابھی غائب نہیں ہوئے تھے۔ پاتالی نے بل پر دستخط کرنے کی بجائے پرس میں سے ایک ہزار روپے کا نوٹ نکال کر بل کے ساتھ رکھ دیا اور ہوٹل بوائے سے کہا۔ "ہم جارہے ہیں۔ یہ کل کے ناشتے، رات کے کھانے اور دوپہر کے کھانے اور آج صبح کے ناشتے کا بل ہے۔"

ہوٹل بوائے نے کہا۔ "میں ابھی باقی پیسے لے کر آتا ہوں۔"

پاتالی نے کہا۔ "باقی کے پیسے تم رکھ لینا۔ یہ تمہاری ٹپ ہے۔"

ہوٹل بوائے حیران سا ہو کر رہ گیا کیونکہ اسے کافی ٹپ مل رہی تھی۔ وہ آرام آرام سے ناشتے کے برتن اٹھا کر ٹرے میں رکھنے لگا۔

دُرگا نے کہا۔ "پاتالی اور شیروان! دیر نہ کرو نکل چلو۔"

اس کی آواز ہوٹل بوائے نہیں سن سکتا تھا۔ پاتالی نے مجھ سے کہا۔ "انگوٹھی پہن لو۔"

میں نے انگوٹھی نکال کر پہن لی اور ایک دم غائب ہو گیا۔ ہوٹل بوائے کی ہماری طرف پیٹھ تھی اس کے ساتھ پاتالی بھی غائب ہو گئی۔ اسی لمحے ہوٹل بوائے نے پیچھے مڑ کر کہا۔ "بیگم صاحب....."

وہ کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ ہم دونوں میں سے کمرے میں کوئی

نہیں ہے تو وہ صرف حیران ہی نہیں دہشت زدہ بھی ہو گیا تھا۔ ہم کمرے سے نکل گئے۔

میں دُرگا کو بھی دیکھ رہا تھا اور پاتالی کو بھی غیبی حالت میں دیکھ رہا تھا۔ وہ مجھے غیبی حالت میں دیکھ رہی تھی۔ دُرگا ہمیں ہوٹل کی چھت پر لے آئی۔ سورج طلوع ہو چکا تھا۔ دُرگا نے کہا۔ ”تم دونوں میرے پیچھے پیچھے پرواز کرو گے۔“

اور دُرگا فضا میں بلند ہو گئی۔ اس کے بعد پاتالی فضا میں بلند ہوئی اور اس کے پیچھے میں بھی فضا میں اوپر کو اٹھ گیا۔ پاتالی نے میرا ہاتھ نہیں پکڑ رکھا تھا۔ اس نے کہا۔ ”اب تم میرے ساتھ میرا ہاتھ پکڑے بغیر بھی اُڑ سکو گے۔“

ہماری رفتار اتنی نہیں تھی جتنی روہنی کی پرواز کرتے وقت ہوا کرتی تھی۔ اس کے باوجود ہم کافی تیز رفتاری سے پرواز کر رہے تھے۔ ہمارا رُخ ہندوستان کے جنوب کی طرف تھا۔ سری لنکا کا ملک ہندوستان کے جنوب میں واقع ہے۔ ہم آہستہ آہستہ فضا میں کافی بلندی پر آ کر پرواز کر رہے تھے۔ نیچے سے ہندوستان کے شہر، دریا، پہاڑ اور جنگل آتے اور گزر جاتے تھے۔ ہندوستان کی تکون کے قریب پہنچے تو بادلوں کے بڑے بڑے ٹکڑوں نے ہمیں گھیر لیا۔ ہندوستان کے جنوب میں بڑی بارشیں ہوتی ہیں اور اکثر بادل چھائے رہتے ہیں۔ ایک جگہ ہم بادلوں کے ذرا نیچے ہو کر جا رہے تھے کہ ہم پر بارش کی بوندیں پڑنے لگیں۔

پاتالی نے کہا۔ ”بارش ہو رہی ہے۔“

میں نے کہا۔ ”میں بھی بھیگ رہا ہوں۔“

پاتالی نے کہا۔ ”دُرگا میّا! ہم بادلوں کے اُوپر جا رہے ہیں۔“ اور ہم غوطے لگا کر آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھتے چلے گئے اور پھر بادلوں کے اوپر آ گئے۔ بادلوں کے اندر سے گزرتے ہوئے مجھے دھچکے بھی لگے اور بادلوں کے اوپر دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ اسی طرح ہم بھارت کی جنوبی تکون کو عبور کر گئے۔ سری لنکا اور انڈیا کے درمیان سمندر

ہے جس کی لمبائی تقریباً پچیس تیس میل ہو گی۔ جب ہندوستان اور لنکا انگریزوں کے قبضے میں تھا تو مسافر مدراس سے ہندوستان کی تکون کے آخری ساحلی شہر دھنش کوڑی تک ٹرین میں سفر کرتے تھے۔ دھنش کوڑی سے وہ ایک چھوٹے سمندری جہاز میں سوار ہو کر لنکا کے شمالی ساحل کی چھوٹی سی بندرگاہ ٹالی منار پہنچتے تھے۔ وہاں ایک ٹرین کولمبو جانے کے لئے تیار ہوتی تھی۔ مسافر اس ٹرین میں بیٹھ جاتے تھے اور وہ ٹرین ایک رات اور تقریباً ایک دن کے سفر کے بعد کولمبو پہنچ جاتی تھی۔

مگر ہمیں نہ تو ٹرین میں بیٹھنے کی ضرورت تھی اور نہ سمندری جہاز میں سوار ہونے کی مجبوری تھی۔ ہم تو بوئنگ جہاز کی طرح ہوا میں پرواز کر رہے تھے اور ہماری رفتار بوئنگ جہاز سے دوگنا زیادہ تھی چنانچہ ہم دوپہر ہونے سے پہلے پہلے سری لنکا کے ملک کی سرحد عبور کر گئے۔

پاتالی نے دُرگا سے پوچھا۔ ”دُرگا میّا! کرونا پلی کا جنگل کس طرف کو ہے؟“

دُرگا نے جواب دیا۔ ”میں اسی طرف جا رہی ہوں۔“

کرونا پلی کا جنگل سری لنکا کے مشرقی ساحل پر واقع تھا۔ سری لنکا کا ملک ایک بہت بڑا جزیرہ ہے اور اس کے چاروں طرف سمندر ہے۔ یہ گرم مرطوب ملک ہے اور یہاں بارشیں بہت ہوتی ہیں جس کی وجہ سے یہ ملک گھنے جنگلوں سے بھرا ہوا ہے۔ سری لنکا کا مذہب بدھ مت ہے اور اس ملک میں بدھ مت کے بہت عالیشان مندر ہیں۔ ان کو مندر نہیں کہا جاتا بلکہ پگوڈا کہا جاتا ہے۔ بدھ مت کے پجاریوں کو بھی پجاری نہیں بلکہ بھکشو کہا جاتا ہے۔

جس وقت ہم سری لنکا کے ملک کی فضا میں داخل ہوئے تو آسمان بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ چونکہ بارش نہیں ہو رہی تھی اس لئے ہم بادلوں کے اوپر پرواز کرنے کی بجائے بادلوں کے نیچے زمین سے کافی بلندی پر اُڑ رہے تھے۔ مجھے نیچے ناریلوں کے جھنڈوں کے جھنڈ دکھائی دے رہے تھے۔ ان جنوبی علاقوں میں ناریل کا درخت بہت

پایا جاتا ہے۔ ہمارے نیچے سے جنگل ہی جنگل گزر رہے تھے۔ اتنے گھنے جنگل میں نے ہندوستان میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ سیاہ بادلوں نے ان پر سایہ ڈال کر اندھیرا سا کر رکھا تھا۔

ہمارے آگے آگے دُرگا بدروح پرواز کر رہی تھی۔ اس کے پیچھے میں اور پاتالی اُڑ رہے تھے۔ کافی دیر تک جنگلوں کے اوپر پرواز کرنے کے بعد دُرگا ایک جگہ پہنچنے کے بعد نیچے آنا شروع ہو گئی۔ ہم بھی اس کے ساتھ ہی نیچے آنے لگے۔ ہم اتنا نیچے آ گئے کہ مجھے درختوں کے اوپر والی شاخیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ کچھ دور تک ہم اسی طرح درختوں سے ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے چلے گئے۔ دُرگا اور نیچے آ گئی۔ ایک جگہ اُس نے جنگل کے اوپر گول دائرے میں چکر لگایا اور فضا میں ساکت کھڑی ہو گئی جس طرح کہ ہیلی کاپٹر ہوا میں معلق ہو جاتا ہے۔ ہم بھی اسی طرح اس کے ساتھ فضا میں کھڑے ہو گئے۔

دُرگا نے نیچے اشارہ کرتے ہوئے پاتالی سے کہا۔ ''اس وقت ہم کروناپلی کے جنگل کے عین اُوپر ہیں۔ یہاں سے کروناپلی کا جنگل شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک دریا بہتا ہے۔ ہم دریا کے دوسرے کنارے پر اُتر جائیں گے۔''

یہ کہہ کر وہ مشرق کی جانب اُڑنے لگی۔ درخت ہمارے نیچے سے تیزی کے ساتھ پیچھے کو جا رہے تھے۔ پھر نیچے ایک دریا دکھائی دینے لگا۔ دریا کی چوڑائی زیادہ نہیں تھی مگر صاف نظر آ رہا تھا کہ اس کے پانی کی رفتار کافی تیز ہے۔ دریا میں کئی چٹانیں بھی تھیں جن کے ساتھ دریا کی موجیں ٹکرا کر تیزی سے آگے نکل رہی تھیں۔

دُرگا دریا کے دوسرے کنارے پر درختوں کے درمیان اُتر گئی۔ ہم بھی اس کے ساتھ ہی اُتر گئے۔ بڑا گھنا جنگل تھا۔ چاروں طرف درخت ہی درخت تھے۔ سیاہ بادلوں کی وجہ سے وہاں اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔ دُرگا اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ ایک

طرف دیکھ کر بولی۔ ''بودھ بھکشوؤں کا مٹھ اس طرف ہے۔ چلو اس طرف چلتے ہیں۔''

ہم دُرگا کے پیچھے چلنے لگے۔ ہم غائب تھے مگر اس طرح چل رہے تھے جس طرح عام انسان چلا کرتے ہیں لیکن وزن کم ہو جانے کی وجہ سے میرے پاؤں جیسے اپنے آپ اُٹھ رہے تھے اور زمین پر اچھی طرح ٹکتے نہیں تھے۔ یہ بھی عجیب قسم کا تجربہ تھا۔ اس طرح آدمی خواب میں چلا کرتا ہے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا اور آدمی چل رہا ہوتا ہے۔

راستے میں ایک چھوٹا سا پہاڑی نالہ آیا۔ ہم اس کے اوپر سے گزر گئے۔ اس کے بعد درختوں کے جھنڈ آ گئے۔

ان کے آگے زمین سے باہر نکلی ہوئی تین چار چٹانیں تھیں جن پر بارش نے سبز زنگار لگا دیا ہوا تھا۔ یہ چٹانیں جنگل میں ایسے بھوتوں کی مانند کھڑی تھیں جو کسی طلسم کے اثر سے پتھر بن گئے ہوں۔ دُرگا ہمیں لے کر ان چٹانوں میں سے بھی گزر گئی۔ اس کے آگے مجھے ناریل اور کیلے کے درختوں کے جھنڈ میں ذرا اونچائی پر ایک بودھی مٹھ کا کلس دکھائی دیا۔ دُرگا نے پاتالی کو وہ کلس دکھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہے وہ بودھی مٹھ جس کے پیچھے وہ ٹیلہ ہے جس کے غار میں نتالیا نے اپنی کھوپڑی چھپائی ہوئی ہے۔''

ہم مٹھ کے پہلو سے ہو کر گزر گئے۔ مٹھ پر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ مٹھ کے پیچھے کچھ فاصلے پر ایک ٹیلہ نظر آیا جو جنگلی جھاڑیوں اور درختوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ دُرگا وہیں رُک گئی۔ کہنے لگی۔ ''پاتالی! یہاں سے آگے نتالیا کی ان بدروحوں کی سرحد شروع ہو جاتی ہے جو اس کی کھوپڑی کی حفاظت کر رہی ہیں۔''

یہ کہہ کر دُرگا ہمیں اور پیچھے اس جگہ لے آئی جہاں مٹھ میں تپسیا کرنے والے بودھ بھکشوؤں نے ایک جھونپڑی بنا رکھی تھی۔ جھونپڑی کے پیچھے گھنا جنگل تھا جہاں

ایک چھوٹا سا پہاڑی نالہ بہہ رہا تھا۔ اس نالے کے کنارے ایک جگہ سیاہ چٹان نالے کے اُوپر جھکی ہوئی تھی۔ دُرگا ہمیں اس چٹان کے پاس لے آئی۔ چٹان کے نیچے ایک قدرتی شگاف بنا ہوا تھا۔ یہ چھوٹے سے غار کی طرح تھا۔

دُرگا نے کہا۔ ''یہاں بیٹھ جاتے ہیں۔''

ہم چٹان کے نیچے دس بارہ فٹ اندر کو بنے ہوئے شگاف میں بیٹھ گئے۔

پاتالی کہنے لگی۔ ''دُرگا میا! کیا آپ بتائیں گی کہ آپ مالینی سے ان بدروحوں کے طلسم کو توڑنے کے لئے کون سا منتر لائی ہیں؟''

دُرگا نے ایک منٹ تک کوئی جواب نہ دیا۔ پھر بولی۔ ''پاتالی! اب جو کچھ کرنا ہے تمہیں ہی کرنا ہے۔ یہ کس قدر خطرناک ہے اور تمہیں کس قدر احتیاط سے یہ کام کرنا ہوگا اس کا تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا۔''

پاتالی نے کہا۔ ''دُرگا میا! میں آپ کی ہدایت کے مطابق کام کروں گی۔ اگر اس میں میری جان بھی چلی جائے تو پرواہ نہیں کروں گی۔''

آپ ضرور یہ سوچ رہے ہوں گے کہ بدروحیں تو پہلے ہی مر چکی ہوتی ہیں۔ یعنی مرے ہوئے کافروں کی بدروحیں ہوتی ہیں پھر یہ دوبارہ کیسے مر سکتی ہیں۔ یہ فلسفہ مجھے ایک بار روہنی نے سمجھایا تھا۔ ان بت پرست ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اگر اپنے برے کرموں کی وجہ سے کوئی بت پرست عورت یا مرد مرنے کے بعد بدروح بن جاتا ہے تو وہ آدھا زندہ ہوتا ہے۔ اگر کسی طاقتور بدروح کے حملے سے کمزور بدروح آگ میں جل کر راکھ ہو جاتی ہے تو اس بدروح کی راکھ ایک ہزار سال تک جنگلوں، میدانوں، دریاؤں اور سمندروں میں جہاں جہاں اس کے ذرے جاتے ہیں بھٹکتی رہتی ہے۔ ایک ہزار سال گزر جانے کے بعد وہی راکھ ایک بار پھر اکٹھی ہو کر بدروح کی شکل میں جنم لیتی ہے اور دوبارہ بھٹکنے لگتی ہے۔

عجیب مضحکہ خیز اور خرافات کا فلسفہ ہے۔ مگر بتوں کو پوجنے والے کافر اس فلسفے

پر یقین رکھتے ہیں۔

پاتالی کا جرات آموز بیان سن کر دُرگا بدروح نے اسے کہا۔ ''پاتالی! تمہارے مرنے سے کچھ نہیں ہوگا اُلٹا ہمیں نقصان پہنچے گا۔ تمہیں مرنا نہیں ہوگا تمہیں بدروح کی حالت میں غار میں داخل ہو کر اپنی تمام شیطانی عقل اور شیطانی طاقت سے کام لے کر غار کے اندر تیسری کوٹھڑی میں داخل ہو کر نتالیا کے آسیب کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے کرنے ہوں گے اور کھوپڑی کے دونوں ٹکڑے لے کر تم یہاں میرے پاس آؤ گی۔ یہ میرا تمہیں حکم ہے۔''

پاتالی نے کہا۔ ''دُرگا میا! میں مروں گی نہیں۔ اگر مرنا ہی پڑ گیا تو مجھ پر وشواش رکھو۔ میں نتالیا کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے کر کے دونوں ٹکڑے آپ کو دے کر مروں گی۔''

دُرگا نے کہا۔ ''شاباش! میں یہی چاہتی ہوں۔ اب جو منتر میں تمہیں بتانے والی ہوں اس کو غور سے سنو۔ میرے سامنے آ کر بیٹھ جاؤ۔''

پاتالی دُرگا کے سامنے بیٹھ گئی۔ دُرگا نے اس کے ماتھے پر اپنی انگلیاں رکھ دیں اور کہا۔ ''میں جو منتر اپنے دل میں پڑھوں گی تم اسے اپنے دل میں دہراتی جانا۔''

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ میں دُرگا بدروح کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ وہ دل ہی دل میں کوئی خاص منتر پڑھ رہی تھی جو پاتالی کے دماغ میں دُرگا کی انگلیوں کے ذریعے منتقل ہو رہا تھا۔

دُرگا نے انگلیاں پیچھے ہٹا لیں اور پاتالی سے پوچھا۔ ''کیا تم نے منتر کو سن لیا ہے؟''

پاتالی نے کہا۔ ''سن لیا ہے دُرگا میا!''

''اسے اچھی طرح سے یاد کر لو۔'' دُرگا نے کہا۔

پاتالی نے کہا۔ ''دُرگا میا! مجھے منتر پورا یاد ہو گیا ہے۔ میں اسے کبھی نہیں بھولوں

گی۔“

دُرگا بدروح کہنے لگی۔ ”آج آدھی رات کے وقت تم یہاں سے نکل کر ٹیلے کی طرف جاؤ گی اور اس منتر کو پڑھ کر دائیں بائیں اور آگے پھونکتی جاؤ گی۔ اس منتر کا یہ اثر ہوگا کہ بدروحیں نہ تمہیں دیکھ سکیں گی، نہ تمہارے سانس کی آواز سن سکیں گی اور نہ تمہارے جسم سے نکلنے والی بدبو سونگھ سکیں گی۔ یہ بدروحوں کی مہارانی کا خاص منتر ہے جو مالینی نے مجھے خاص طور پر دیا ہے۔ اس طرح تم غار میں داخل ہو جاؤ گی۔ غار کے اندر تم تیسری کوٹھڑی کے پاس جا کر اس کے دروازے کے دائیں بائیں یہی منتر پڑھ کر پھونکو گی۔ پھر تم کوٹھڑی میں داخل ہو جاؤ گی۔ کوٹھڑی کے اندر کونے میں وہ صندوق پڑا ہے جس میں نتالیا کی کھوپڑی بند ہے۔ تم صندوق پر بھی یہی منتر پڑھ کر پھونکو گی اور بند صندوق میں ہاتھ ڈال کر اندر سے نتالیا کی کھوپڑی نکال لو گی.... یہ بڑا نازک لمحہ ہوگا۔ اگر تم سے ذرا سی بھی غلطی ہو گئی، اگر تم ذرا سی بھی لڑکھڑا گئیں تو یاد رکھو تمہیں تو جل کر راکھ ہونا ہی ہوگا لیکن اس کے ساتھ ہم نتالیا کے آسیب کی قید سے روہنی کو کبھی نہ چھڑا سکیں گے۔“

پاتالی نے کہا۔ ”دُرگا مّیا! آپ بے فکر رہیں۔ میں نہ لڑکھڑاؤں گی اور نہ کوئی غلطی کروں گی۔“

دُرگا کہنے لگی۔ ”تمہیں کھوپڑی کو صندوق میں سے نکالنے کے بعد ایک لمحے کا انتظار کئے بغیر فوراً اس کو دو ٹکڑے کر دینا ہوگا۔ کھوپڑی کے ٹوٹتے ہی تمہیں آسیبی بدروحوں کی ڈراؤنی آوازیں سنائی دیں گی۔ ہر طرف چیخ و پکار مچ جائے گی۔ ڈراؤنی شکل والی بدروحیں تم پر حملہ کر دیں گی مگر تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ تم مالینی کا منتر پڑھ پڑھ کر پھونکتی جاؤ گی اور کھوپڑی کے ٹکڑے لے کر غار سے باہر آ جاؤ گی اور سیدھی یہاں ہمارے پاس پہنچو گی۔ یہاں آ جانے کے بعد سب چیخ و پکار اور ڈراؤنی آوازیں ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں گی۔“

پاتالی بڑے غور سے دُرگا بدروح کی باتیں سن رہی تھی۔ جب دُرگا نے اپنی بات ختم کی تو وہ کہنے لگی۔ ”ایسا ہی ہوگا دُرگا مّیا۔“

میں دل میں سوچ رہا تھا کہ کاش ایسا ہی ہو اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر کیا ہوگا۔ روہنی کو نتالیا کے آسیب سے تو پھر کوئی نہیں چھڑا سکے گا اور اگر وہ آزاد نہ ہوئی تو میں نتالیا کے آسیب کی زد میں ہی رہوں گا۔ وہ مجھے اکیلا پا کر کسی بھی وقت مکاری سے میرا تعویذ حاصل کر کے مجھے اٹھا کر لے جا سکے گی اور اس بار میں اس کی قید میں چلا گیا تو پھر سوائے خدا کی ذات کے مجھے کوئی اس کی قید سے نہیں نکال سکے گا۔

ہم سارا دن غیبی حالت میں چٹان کے شگاف یا کھوہ کے اندر بیٹھے رہے۔ سورج غروب ہو گیا۔ جنگل میں شام کا اندھیرا چھا گیا۔ اس کے بعد یہ اندھیرا رات کی تاریکی میں بدل گیا۔ جنگل پر ایسی خاموشی چھا گئی کہ مجھے اس خاموشی سے خوف محسوس ہونے لگا۔ میں ان دو خطرناک بدروحوں میں گھرا ہوا خاموش بیٹھا رہا اور سوچنے لگا کہ فیروز! تمہارے ساتھ یہ کیا ہو گیا ہے۔ نہ تم ویران محل میں آسیبی مرتبان کو کھولنے کی حماقت کرتے اور نہ آج اس حالت کو پہنچتے اور نہ ان بدروحوں کے چنگل میں پھنستے۔ مگر مجھ سے یہ حماقت سرزد ہو گئی تھی اور اب میں اس کی سزا بھگت رہا تھا۔

جب رات کافی گہری ہو گئی تو دُرگا نے پاتالی سے کہا۔ ”جو منتر میں نے تمہارے دل میں ڈالا ہے اس کو اپنے دل میں دہراؤ۔“

پاتالی ایک دو سیکنڈ خاموش رہی۔ پھر کہا۔ ”دُرگا مّیا! میں نے منتر تین بار دہرا لیا ہے۔“

دُرگا اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پاتالی کے ساتھ میں بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ دُرگا نے مجھ سے کہا۔ ”شیروان! تم بیٹھے رہو۔“

میں بیٹھ گیا۔ دُرگا نے پاتالی کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور کچھ پڑھ کر اس کے چہرے پر پھونک ماری اور کہا۔ ”جاؤ۔“

پاتالی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر دُرگا کے آگے اپنا سر جھکایا اور رات کے اندھیرے میں چٹان کے شگاف میں سے نکل کر جنگل کے درختوں کی طرف چل دی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے دُرگا سے پوچھا۔ ''اگر فرض کر لیا کہ پاتالی سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے اور یہ کام اس سے نہ ہوا تو پھر کیا ہوگا؟''

دُرگا نے کہا۔ ''یہ اس وقت سوچوں گی۔ ابھی تم خاموشی سے بیٹھے رہو۔''

پھر جانے دُرگا کے دل میں کیا خیال آیا۔ وہ مجھ سے کوئی بات کئے بغیر درختوں کی طرف چل پڑی۔ دو تین قدم چلنے کے بعد رُک کر میری طرف دیکھا اور میرے پاس آکر کہنے لگی۔ ''اس جگہ سے باہر مت آنا۔''

اُس نے چٹان کے شگاف کے آگے نصف دائرے کی شکل میں پاؤں سے ایک لکیر ڈال دی اور کہا۔ ''جب تک تم اس لکیر کے اندر ہو تمہیں کسی بدروح کا آسیب نہیں چھو سکے گا۔ اگر ڈر کر اس لکیر سے باہر آگئے تو پھر میں ذمہ دار نہیں ہوں گی۔''

یہ کہا اور وہ جنگل کی تاریکی میں اس طرف چل پڑی جس طرف پاتالی گئی تھی۔

میں وہاں اکیلا بیٹھا رہا۔ دل میں طرح طرح کے خیال آرہے تھے کہ ابھی جنگل میں نہ جانے کیا کچھ نہیں ہوگا۔ خدا جانے کیسی کیسی چیخیں بلند ہوں گی۔ کیسی کیسی ڈراؤنی آوازیں آنے لگیں گی۔ آخر یہ بدروحوں کی جنگ تھی۔ دو بلیوں کی لڑائی ہوتی ہے تو وہ آسمان سر پر اٹھا لیتی ہیں اور یہ تو ایک بدروح اور ایک خطرناک بدروح کے آسیب کی جنگ ہے۔''

نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ گھڑی میرے پاس نہیں تھی۔ جنگل پر ایک دہشت ناک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اچانک اندھیرے میں میں نے دُرگا کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے نہیں بلکہ زمین سے دو فٹ بلند ہو کر اندھیرے میں تیرتی ہوئی میری طرف آرہی تھی۔ چٹان کے شگاف میں آکر وہ میرے پاس شگاف کے کنارے کھڑی ہو گئی۔ کہنے لگی۔ ''میں نے پاتالی کو بدروحوں کے علاقے میں

داخل ہوتے دیکھ لیا ہے۔ وہ بالکل ٹھیک کام کر رہی ہے۔ مالینی کے منتر نے پورا اثر دکھایا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''دُرگا! تمہیں پاتالی کے ساتھ جانا چاہئے تھا۔''

اُس نے کہا۔ ''ہم بدروحوں کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ہم اس حد کے اندر نہیں جا سکتیں۔''

میں نے کہا۔ ''لیکن اگر پاتالی تمہاری غلام بدروح جا سکتی ہے تو تم کیوں نہیں جا سکتیں؟''

دُرگا نے کہا۔ ''یہ تم نہیں سمجھ سکو گے۔ اس کو سمجھنے کے لئے تمہیں خود بدروح کی شکل میں جنم لینا ہوگا۔''

میں نے بے اختیار کہا۔ ''خدا اس عذاب سے اپنی پناہ میں رکھے۔''

دُرگا کہنے لگی۔ ''تم مسلمانوں کی یہ بات بھی مجھے پسند ہے کہ تم ہر لمحے اپنے خدا کو یاد رکھتے ہو اور اس کی پناہ مانگتے ہو۔''

میں کچھ کہنے لگا تو دُرگا نے سرگوشی کی۔ ''شی! خاموش!''

میں کچھ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔ دُرگا نے کوئی آواز سنی تھی جو میں نہیں سن سکا تھا لیکن اس کے بعد جو آواز آئی وہ میں نے ضرور سنی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی جوالا مکھی پھٹ پڑا ہو۔ ایک دھماکہ تھا۔ ایسا دھماکہ جس نے اس چٹان کو ایسے ہلا دیا جیسے بھیانک زلزلہ آگیا ہو۔

دُرگا نے کہا۔ ''گھبرانا مت شیروان! پاتالی نے ننالیا کے آسیب پر حملہ کر دیا ہے۔''

میں بھی اپنی جگہ سے ہل گیا تھا۔ مگر اپنے حواس کو پوری طرح سے قابو میں رکھے ہوئے تھا۔ خوفناک دھماکے کے بعد جنگل میں ایک سناٹا چھا گیا۔ پھر اچانک جنگل ایک بھیانک چیخ کی آواز سے گونج اُٹھا۔ دُرگا نے اونچی آواز میں کوئی منتر پڑھ کر پھونکا اور

کہا۔ ”پاتالی! پیچھے مت ہٹنا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

اس چیخ کے بعد ایک بار پھر گہری خاموشی چھا گئی۔ چند سیکنڈ کے بعد جنگل میں سے پاتالی کی آواز سنائی دی۔ ”دُرگا میا! میں نے کام کر دیا ہے۔“

دُرگا کے حلق سے خوشی کی چیخ بلند ہوئی۔ اُس نے کہا۔ ”پاتالی! پاتالی!“

دوسرے لمحے پاتالی ہمارے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں وحشت برس رہی تھی۔ اُس نے دونوں ہاتھ دُرگا کے آگے کر دیئے۔ اس کے ایک ہاتھ میں کھوپڑی کا ایک ٹکڑا تھا اور دوسرے ہاتھ میں کھوپڑی کا دوسرا ٹکڑا تھا۔ کہنے لگی۔ ”دُرگا میا! یہ نتالیا بدروح کی کھوپڑی ہے۔“

دُرگا نے خوش ہو کر پاتالی کا منہ چوم لیا۔ یہ سن کر کہ یہ نتالیا بدروح کی کھوپڑی ہے میری جان میں جان آ گئی۔ دُرگا نے کہا۔ ”شیروان! تمہیں مبارک ہو۔ نتالیا بدروح کی لعنت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہیں چھٹکارا مل گیا ہے۔“

میں نے پاتالی اور دُرگا دونوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پوچھا۔ ”مگر روہنی کہاں ہے؟“

دُرگا نے کہا۔ ”اس کی فکر نہ کرو۔ وہ بھی بہت جلد تمہارے پاس آ جائے گی۔“

پھر دُرگا مجھے اور پاتالی کو لے کر چٹان کے شگاف سے باہر آ گئی۔ اُس نے پاتالی سے کہا۔ ”نتالیا کی کھوپڑی کے ٹکڑے زمین پر رکھ دو۔“

پاتالی نے کھوپڑی کے دونوں ٹکڑے زمین پر رکھ دیئے۔ دُرگا نے کوئی منتر پڑھ کر اُس پر پھونکا۔ اچانک کھوپڑی کے دونوں ٹکڑوں کو آگ لگ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے کھوپڑی کے دونوں ٹکڑے راکھ بن گئے۔

دُرگا نے پاتالی سے کہا۔ ”اس راکھ کے اُوپر مٹی ڈال دو۔“

پاتالی نے راکھ پر مٹی ڈال دی۔ دُرگا نے میری طرف دیکھا اور کہا۔ ”شیروان! تم بڑے خوش قسمت ہو کہ تمہیں ایک بدروح سے ہی نہیں بلکہ بدروح کے خطرناک

آسیب سے نجات مل گئی ہے۔ ایک مصیبت سے ہمیشہ کے لئے تمہارا اور روہنی کا پیچھا چھوٹ گیا ہے۔ اب تمہارا صرف ایک ہی دشمن باقی ہے اور وہ ہے پجاری رگھو کی بدروح..... جو روہنی کو اس لئے دوبارہ اپنے قبضے میں کرنا چاہتا ہے کہ وہ اس کی بدروح ہے اور چونکہ تم نے اس کی غلام بدروح کو آزاد کر دیا تھا اس لئے وہ تمہیں ہلاک کر کے تم سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”کیا پجاری رگھو کی بدروح سے چھٹکارا پانے کے لئے تم ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتیں؟“

دُرگا نے کہا۔ ”پجاری رگھو کا مقابلہ کرنے کے سلسلے میں میری کچھ مجبوریاں ہیں۔ اسے تم نہیں سمجھ سکو گے۔ یہ میں روہنی کو بتاؤں گی۔“

میں نے کہا۔ ”مگر روہنی کہاں ہے؟“

”ویران محل میں چل کر بتاتی ہوں۔“ دُرگا نے کہا۔

O

اسی رات ہم سری لنکا کے کروناپلی کے جنگلوں سے نکل کر جے پور کی طرف روانہ ہوگئے۔ ہم واپس بھی اسی طرح آئے جس طرح گئے تھے یعنی ہم ہوا میں پرواز کر رہے تھے۔ دُرگا بدروح آگے آگے تھی۔ میں اور پاتالی پیچھے تھے۔ رات کے اندھیرے نے چھٹنا شروع کر دیا تھا کہ ہم جے پور کے ویران محل میں پہنچ گئے۔

دُرگا ہمیں اپنے آسیبی تہہ خانے میں لے آئی۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ”شیروان! یہاں سے ہمارا اور تمہارا ساتھ ہمیشہ کے لئے ختم ہوتا ہے۔ آج کے بعد ہماری ملاقات نہیں ہوگی۔“

میں نے کہا۔ ”لیکن ابھی تو مجھے روہنی سے بھی ملنا ہے اور رگھو پجاری سے بھی نجات حاصل کرنی ہے۔“

دُرگا نے کہا۔ ”اس بارے میں، میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتیں۔“

”تو پھر کون مدد کرے گا؟“ میں نے کہا۔

دُرگا کہنے لگی۔ ”روہنی تمہاری مدد کرے گی۔ تمہارا خدا تمہاری مدد کرے گا۔ اب معاملہ روہنی اور تمہارے خدا کے ہاتھ میں ہے۔“

میں چپ ہوگیا۔ میں نے پوچھا۔ ”مگر روہنی کہاں ہے؟ وہ یہاں کیوں نہیں آئی۔ وہ تو اب نتالیا کے آسیب کی قید سے آزاد ہو چکی ہے۔“

دُرگا نے کہا۔ ”تم بھول گئے ہو کہ روہنی اب بدروح نہیں رہی۔ اس کے وہ

برے کرم جو اس کے زندگی میں گناہوں سے اس کی روح کے ساتھ چمٹ گئے تھے اب اس کی روح سے جھڑ کر الگ ہو چکے ہیں۔ جتنی سزا اس نے بھگتنی تھی بدروح کی شکل میں اُس نے بھگت لی ہے۔ وہ پہلے بھی اتنی گھناؤنی بدروح نہیں تھی اور ہماری طرح اس نے مرنے کے بعد بدروح کی حیثیت سے جنم نہیں لیا تھا کیونکہ وہ مرنے سے پہلے مسلمان ہو چکی تھی اور مسلمانوں میں دوسرا جنم نہیں ہوتا۔ ہاں ایک روح کو اس کے برے اعمال کی سزا ضرور ملتی ہے۔ روہنی یعنی سلطانہ کی روح کو بھی اتنی ہی سزا مل رہی تھی لیکن ایک خاص مدت گزر جانے کے بعد اس کی روح کے گناہ دُھل گئے ہیں اور اب وہ ایک نیک روح بن چکی ہے۔ چونکہ وہ نیک روح بن چکی ہے اس لئے نہ وہ ہمارے قریب آ سکتی ہے اور نہ ہم اس کے قریب جا سکتی ہیں۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ جہاں روشنی ہو جاتی ہے وہاں اندھیرا نہیں ٹھہر سکتا۔ روہنی سلطانہ اب روشنی ہے اور ہم اندھیرے ہیں۔ ہم اس کے پاس نہیں جا سکتیں۔ اندھیرا روشنی کے پاس نہیں جا سکتا اور روشنی ہمارے پاس آئی تو ہم غائب ہو جائیں گی کیونکہ ہم اندھیرے کی مخلوق ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب تم میری بات اچھی طرح سے سمجھ گئے ہو گے۔“

دُرگا نے مجھے اتنی وضاحت کے ساتھ کھول کر سمجھایا تھا کہ ساری حقیقت میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ میں نے کہا۔ ”اس کا مطلب ہے کہ مجھے خود ہی روہنی سے جا کر ملنا ہو گا۔“

”ہاں۔“ دُرگا نے کہا۔

”وہ مجھے کہاں ملے گی؟“ میں نے پوچھا۔

دُرگا نے کہا۔ ”یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی کہ روہنی تمہیں کہاں ملے گی۔ ابھی میں تمہیں ایک ایسی چیز دینا چاہتی ہوں جو تمہارے دشمن پجاری رگھو کا ناش کرنے میں تمہاری مدد کرے گی۔ تمہارے پاس پاتالی کی انگوٹھی بھی ہے جس کو پہن کر تم

غائب ہو سکتے ہو۔ تمہارے بازو پر کالے جادوگر کا تعویذ بھی بندھا ہوا ہے۔ اب میں تمہیں ایک شبد بتاتی ہوں۔ یہ ایک لفظ کا شبد ہے۔ اس کو تم اس وقت پڑھو گے جب تمہیں روہنی کہے گی۔ اب میں تمہیں وہ شبد بتاتی ہوں۔ اپنا کان میرے قریب کرو۔''

میں نے اپنا کان دُرگا کے منہ کے قریب کیا تو اس نے مجھے ایک لفظ کا شبد بتایا۔ یہ لفظ، یہ شبد مجھے اُس وقت یاد تھا مگر عجیب بات ہے کہ اب بالکل یاد نہیں رہا۔ اس کے بعد دُرگا کہنے لگی۔ ''اب میں تمہیں بتاتی ہوں کہ روہنی تمہیں کہاں ملے گی۔''

اُس نے کہا۔ ''روہنی سلطانہ کی نیک روح کہاں رہتی ہے؟ یہ مجھے نہ معلوم ہے نہ میں معلوم کر سکتی ہوں۔ مگر میں تمہیں اتنا بتا سکتی ہوں کہ وہ تمہیں کہاں ملے گی۔ یہاں سے تم بھارت کی راجدھانی دلی جاؤ گے۔ دلی میں شہر کے شمال کی جانب مغلیہ زمانے کی ایک قدیم مسجد ہے۔ اسے بڑی مسجد کہا جاتا ہے۔ بڑی مسجد کے قریب ہی ایک ندی بہتی ہے۔ ندی کے کنارے سنگ مرمر کی ایک پرانی بارہ دری ہے۔ رات کے وقت تم اُس بارہ دری میں جا کر بیٹھ جاؤ گے۔ روہنی سلطانہ تمہیں وہیں آ کر ملے گی.....''

میں نے کہا۔ ''کیا میں غائب حالت میں دلی جاؤں گا یا انگوٹھی اُتار کر جانا ہو گا۔ کیونکہ میں غائب ہو کر خود نہیں اُڑ سکتا۔''

دُرگا نے کہا۔ ''اگر تم اُڑ کر جانا چاہتے ہو تو اُڑ کر بھی جا سکتے ہو۔ تمہیں صرف یہ کہنا ہو گا 'مجھے دلی لے چل' اور پاتالی کی انگوٹھی کا طلسم تمہیں ہوا میں اُڑاتا ہوا دلی پہنچا دے گا۔ راستے میں اگر تم کسی جگہ اُترنا چاہو تو تمہیں صرف یہ کہنا ہو گا 'میں نیچے اُترنا چاہتا ہوں' اور تم اپنے آپ نیچے اُتر آؤ گے۔ اگر تم زندہ انسانی شکل میں ریل گاڑی کے ذریعے سفر کرنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''میں ریل گاڑی میں کیسے سفر کر سکتا ہوں۔ میرے پاس تو ایک

پیسہ بھی نہیں ہے اور میں پاتالی کی طرح پرس میں سے کرنسی نوٹ بھی نہیں نکال سکتا۔''

دُرگا کہنے لگی۔ ''یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ جب تم یہاں سے جاؤ گے تو تمہاری جیب میں سب کچھ ہو گا۔ تم جتنے پیسے نکالنا چاہو گے جیب میں ہاتھ ڈال کر نکال سکو گے۔''

میں نے کہا۔ ''پھر میں ٹرین کے ذریعے ہی سفر کروں گا۔''

دُرگا نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ تم ریل گاڑی میں ہی سفر کرنا۔ اب صبح ہونے والی ہے۔ میرا واپس جانے کا وقت ہو گیا ہے۔ پاتالی بھی میرے ساتھ ہی جائے گی۔''

دُرگا نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ کہنے لگی۔ ''میں تمہارے زندہ انسانوں کے طریقے سے ہی تم سے جدا ہونا چاہتی ہوں۔''

پاتالی نے بھی مجھ سے ہاتھ ملایا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ کہنے لگی۔ ''شیروان! تمہارے ساتھ میرے بڑے اچھے دن گزرے ہیں۔ خاص طور پر ماڈرن ہوٹلوں میں گزارے ہوئے لمحے مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے۔''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''پاتالی! یہ دن مجھے بھی یاد آیا کریں گے۔''

میں کچھ اور کہنے لگا تو دُرگا اور پاتالی دونوں ایک ساتھ غائب ہو گئیں۔ میں تہہ خانے سے باہر نکل آیا۔ پاتالی کی انگوٹھی میری انگلی میں ہی تھی اور میں غیبی حالت میں تھا۔ دُرگا کا بتایا ہوا شبد بھی مجھے یاد تھا۔ یہ شبد مجھے روہنی سلطانہ کو جا کر بتانا تھا اور اس نے اس سلسلے میں میری راہ نمائی کرنی تھی۔ پاتالی کی انگوٹھی کے طلسمی اثر سے میں غیبی حالت میں چل بھی سکتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ چلتے ہوئے میرے جسم کا بوجھ آٹھ گنا کم ہوتا تھا اور زمین پر چلتے ہوئے میرے پاؤں ذرا سی کوشش کے ساتھ ہی اُوپر کو اٹھ جاتے تھے اور پھر بڑے آرام سے زمین پر پڑتے تھے۔ پہلے میں نے سوچا کہ اسی طرح چلتے ہوئے سٹیشن تک جاتا ہوں لیکن پھر خیال آیا کہ سٹیشن کافی دور ہے مجھے

جلدی پہنچنا چاہئے ہو سکتا ہے اس وقت دلی جانے والی کوئی گاڑی مل جائے۔

چنانچہ میں نے آہستہ سے کہا۔ "میں اُڑنا چاہتا ہوں۔"

اس کے ساتھ میں اپنے آپ زمین سے بلند ہونا شروع ہو گیا۔ جب میں زمین سے چھ سات منزلہ بلند ہو گیا تو میں نے کہا۔ "بس میں اسی بلندی پر اُڑنا چاہتا ہوں۔" میں وہاں قائم ہو گیا اور آگے کی طرف اُڑنے لگا۔ اُڑتے ہوئے رُخ بدلنے کی خاطر مجھے بازوؤں کو دائیں یا بائیں کرنا پڑتا تھا۔ سٹیشن کا راستہ مجھے معلوم تھا۔ اس وقت صبح ہو چکی تھی۔ اچانک مجھے خیال آگیا کہ دیکھنا چاہئے دُرگا نے میری جیب میں اپنے طلسم کے زور سے کتنے پیسے ڈالے ہیں۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو مجھے اپنا بٹوہ پھولا ہوا لگا۔ کھول کر دیکھا تو اُس میں سو، سو کے کتنے ہی نوٹ تھے۔ میں نے بٹوہ بند کر کے جیب میں رکھ لیا۔ میں بڑی جلدی جے پور ریلوے سٹیشن پہنچ گیا۔ معلوم ہوا دلی جانے والی گاڑی دو گھنٹے بعد چلے گی۔ یہ میں نے گاڑیوں کی آمد و رفت کے بورڈ پر پڑھا تھا۔

میں نے سوچا کہ ناشتہ کر لینا چاہئے۔ اس کے لئے میرا اصلی حالت میں واپس آنا ضروری تھا۔ سٹیشن پر کافی لوگ تھے۔ میں ان کے سامنے ظاہر نہیں ہونا چاہتا تھا۔ میں ویٹنگ روم کے باتھ روم میں چلا گیا۔ ابھی میں باتھ روم میں داخل ہوا ہی تھا کہ ایک مسافر اندر آگیا اور اُس نے باتھ روم کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ یہی سمجھا کہ باتھ روم خالی ہے کیونکہ میں اُسے دکھائی تو دے نہیں رہا تھا۔ میں ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اُس مسافر نے جیب سے پستول نکالا اور اس میں گولیاں بھرنے لگا۔ میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا کہ یہ تو کسی کو قتل کرنے والا ہے۔

گولیاں بھر کر اُس نے پستول جیکٹ کی اندر والی جیب میں رکھا اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا اور دھیمی آواز میں اپنے آپ سے کہا۔ "ست پرکاش! تم نے میری محبت پر ڈاکہ ڈالا ہے اور میری محبوبہ سے شادی کر کے اب ہنی مون

منانے جا رہے ہو۔ مگر میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اتنا کہہ کر وہ دروازہ کھول کر غسل خانے سے نکل گیا۔ نہ جانے کیوں میں نے اسی وقت دل میں فیصلہ کر لیا کہ میں اس شخص کو کسی نئی نویلی دلہن کا سہاگ اجاڑنے نہیں دوں گا۔ میں اسی غیبی حالت میں باتھ روم سے نکل کر اس آدمی کے پیچھے چل پڑا۔ یہ سانولے رنگ کا گھنگریالے بالوں والا آدمی تھا۔ عمر تیس پینتیس کے درمیان ہو گی شکل ہی سے جرائم پیشہ لگتا تھا۔ یہ آدمی پلیٹ فارم پر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ میں بھی اس کے پاس آگیا۔ وہ بڑے غور سے مسلسل پلیٹ فارم کے گیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے مسافر داخل ہو رہے تھے۔

ایسے لگتا تھا کہ اسے کسی کا انتظار ہے۔ میں بھی گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں گیٹ پر ایک ریشمی ساڑھی میں ملبوس لڑکی ایک سوٹڈ بوٹڈ نوجوان کے ساتھ داخل ہوئی۔ ایک ملازم اُن کے ساتھ تھا جس نے دو سوٹ کیس اٹھا رکھے تھے۔ یہ نو بیاہتا جوڑا لگتا تھا۔ اس کو دیکھتے ہی پستول والا آدمی جلدی سے آڑ میں ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ اسے اس جوڑے کا انتظار تھا۔ پلیٹ فارم پر آکر ملازم نے سوٹ کیس رکھ دیئے۔ لڑکی نے زیور پہن رکھے تھے۔ اُس کے خاوند نے اس کو کچھ کہا اور ملازم کو ساتھ لے کر گیٹ سے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی پستول والا آدمی تیز تیز چل کر لڑکی کی طرف بڑھا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی گیا۔

اُس آدمی کو دیکھ کر نو بیاہتا دلہن پریشان ہو گئی۔ کہنے لگی۔ "راکیش! تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ ست پرکاش ریزرویشن کروانے گیا ہے اس نے دیکھ لیا تو بہت بُرا ہو گا۔"

پستول والے آدمی نے کہا۔ "گوری! تم نے میری محبت کو دھوکا دیا ہے اور مجھے چھوڑ کر ست پرکاش سے شادی رچا لی ہے۔"

لڑکی نے کہا۔ "اب کچھ نہیں ہو سکتا راکیش! بھگوان کے لئے چلے جاؤ۔ میری

زندگی برباد نہ کرو۔"

پستول والے آدمی کا نام راکیش تھا۔ وہ کہنے لگا۔ "گوری! اب بھی وقت ہے میرے ساتھ بھاگ چلو۔ ہم بمبئی جاکر نئی زندگی شروع کریں گے۔"

لڑکی سخت گھبرائی ہوئی تھی۔ اُس نے کہا۔ "راکیش! میں تیرے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ بات ختم ہو چکی ہے۔"

راکیش نے غصے میں آکر کہا۔ "بات کو تو میں ختم کروں گا۔"

اور یہ کہہ کر وہاں ے واپس چل پڑا۔ میں اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا کہ اگر اس نے پستول نکال کر لڑکی کو گولی مارنی چاہی تو میں اس کے ہاتھ سے پستول چھین لوں گا اور اُسے ایسا سبق سکھاؤں گا کہ پھر کبھی اس نوبیاہتا جوڑے کو پریشان نہ کر سکے گا۔ مگر اُس نے ایسی کوئی حرکت نہ کی۔ حقیقت میں وہ یہاں اس لڑکی کے خاوند کو قتل کرنے کا ارادہ لے کر آیا تھا۔ اب مجھے نوبیاہتا دلہن کے خاوند کو اس بدمعاش سے بچانا تھا۔

یہ شخص پلیٹ فارم پر لوہے کے ایک ستون کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔ میں اُس کے سر پر موجود تھا۔

لڑکی کا خاوند ست پرکاش آگیا تھا اور اسے ٹکٹ نکال کر دکھا رہا تھا۔ شاید اس نے سیٹوں کی ریزرویشن کروالی تھی۔ میرا ست پرکاش کو جاکر یہ کہنا کہ ایک آدمی اس کو قتل کرنے والا ہے اور وہ پولیس کو اطلاع کر دے بیکار تھا۔ اول تو میں غیبی حالت میں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ست پرکاش میری آواز سن کر ڈر جاتا۔ میں پستول والے راکیش کی جیب سے پستول چھین کر اسے مار کر وہاں سے بھگا سکتا تھا مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ پھر کسی وقت ست پرکاش کو ہلاک کر سکتا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ میں اس وقت تک اس پستول والے شخص کے خلاف کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا جب تک مجھے یقین نہیں ہو جاتا کہ وہ ست پرکاش پر قاتلانہ حملہ کرنے والا ہے۔

وقت گزرتا گیا۔ اتنے میں دلی جانے والی ٹرین آکر پلیٹ فارم پر کھڑی ہو گئی۔ مسافر ٹرین کی طرف لپکے۔ نوبیاہتا جوڑا بھی ایک بوگی میں سوار ہو گیا۔ میں بھی ان کے ساتھ ہی اس بوگی میں چڑھ گیا۔ یہ کاریڈور والی ٹرین تھی۔ چھوٹے چھوٹے کمپارٹمنٹس تھے جن کے آگے راہداری تھی۔ نوبیاہتا جوڑا ایک کمپارٹمنٹ کے باہر لکھا ہوا نمبر پڑھ کر اس میں داخل ہو گیا۔ میں باہر کاریڈور میں کھڑکی کے پاس کھڑا رہا۔ میاں بیوی نے اپنے کیبن میں داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر دیا تھا۔ قاتل مجھے کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ راہداری ایسی تھی کہ ٹرین کے پہلے ڈبے سے لے کر انجن تک چلی گئی تھی۔ قاتل نہ باہر پلیٹ فارم پر تھا اور نہ راہداری میں نظر آرہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد انجن نے سیٹی دی اور پھر ٹرین چل پڑی۔

مجھے یقین تھا کہ قاتل ٹرین میں سوار ہو چکا ہے۔ اب مجھے اس کے نمودار ہونے کا انتظار تھا۔ غائب ہونے کے بعد میری یہ حالت ہو جاتی تھی کہ نہ مجھے تھکان محسوس ہوتی تھی، نہ بھوک لگتی تھی، نہ پیاس لگتی تھی۔ میں ایک ہی جگہ گھنٹوں کھڑا رہ سکتا تھا۔ چنانچہ میں نوبیاہتا جوڑے کے کیبن کے باہر راہداری میں ٹرین کی کھڑکی کے پاس کھڑا تھا اور قاتل کا انتظار کر رہا تھا۔ میرا کوئی حرج نہیں ہو رہا تھا۔ یہ ٹرین دلی جا رہی تھی اور مجھے بھی دلی جانا تھا۔

جے پور سے دلی ٹرین میں سفر کرتے ہوئے راستے میں الور اور ریواڑی دو بڑے سٹیشن آتے ہیں۔ ریواڑی کے بعد دلی آجاتا ہے۔ یہ کوئی زیادہ لمبا فاصلہ نہیں ہے۔ مجھے احساس تھا کہ اگر قاتل نے ست پرکاش کو قتل کرنا ہے تو وہ کچھ دیر کے بعد آجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دور سے مجھے قاتل آتا دکھائی دیا۔ وہ راہداری میں ٹرین کی کھڑکیوں کے قریب ہو کر اس کیبن کی طرف آرہا تھا جو نوبیاہتا جوڑے کا کیبن تھا اور جو اس وقت کیبن میں موجود تھے۔ قاتل نے دونوں ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈال

رکھے تھے۔ مجھے معلوم تھا اس کے ایک ہاتھ میں جیب کے اندر پستول ہے۔

وہ میرے قریب آ کر رُک گیا۔ مجھے تو وہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ میرے سوا کاریڈور میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ ٹرین پوری رفتار سے جا رہی تھی۔ وہ یہی سمجھا کہ کاریڈور خالی ہے۔ پھر بھی قاتل نے دائیں بائیں دیکھا اور اسی طرح جیب میں ہاتھ ڈالے نو بیاہتا جوڑے کے کیبن کی طرف بڑھا۔ میں بھی اس کے ساتھ آگے ہو گیا۔

اس نے کیبن کے دروازے پر دستک دی۔ دوسری بار دستک دینے پر ست پرکاش نے دروازہ کھول کر قاتل کو دیکھا تو حیران ہو کر بولا۔ ”تم؟“

اس کا مطلب تھا کہ وہ راکیش کو جانتا تھا اور اسے معلوم تھا کہ وہ اس کی بیوی سے محبت کی پینگیں بڑھایا کرتا تھا۔

قاتل نے کہا۔ ”ہاں! میں۔“

اس کے ساتھ ہی قاتل نے جیب سے پستول نکال لیا اور ست پرکاش کو اندر کی طرف دھکا دیا۔ وہ اس پر فائر کرنے ہی والا تھا کہ پستول اس کے ہاتھ سے اچھل کر غائب ہو گیا۔ ست پرکاش نے فوراً کیبن کا دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگا دی۔

قاتل ہکا بکا سا کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ پستول کہاں چلا گیا۔

میں نے اُسے کہا۔ ”راکیش! تمہارا پستول میرے پاس ہے۔“

قاتل نے حیرت زدہ ہو کر دائیں بائیں دیکھا۔ اسے کوئی آدمی نظر نہ آیا تو وہ گھبرا گیا۔ میں نے کہا۔ ”میں تمہارے پاس ہی کھڑا ہوں مگر تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔“

قاتل گھبرا کر راہداری میں آگے کی طرف بھاگ اُٹھا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی گیا۔ میں اس کے بالکل ساتھ لگا ہوا تھا۔ میں نے کہا۔ ”تم بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ تم جہاں جاؤ گے میں وہاں موجود ہوں گا۔“

وہ رُک گیا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ لرزتے ہونٹوں کے ساتھ بولا۔ ”تم..... تم کون ہو؟“

میں نے کہا۔ ”میں یم دُوت ہوں۔“

یم دُوت ہندی بلکہ سنسکرت میں موت کے ایلچی کو کہتے ہیں۔ یہی یم دُوت ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق موت کے وقت جان نکالنے آتا ہے۔ یم دُوت کا نام سن کر قاتل انجن کی طرف دوڑ پڑا۔ میں اس کے ساتھ ہی تھا۔ میں نے کہا۔ ”میں تمہاری جان نکالنے آیا ہوں۔ تم یم دُوت سے بھاگ کر کہاں جا سکتے ہو؟“

اُس آدمی کو اور تو کچھ نہ سوجھا اُس نے کھڑکی میں سے باہر چھلانگ لگا دی۔ اس وقت آگے کوئی سٹیشن آ رہا تھا اور ٹرین کی رفتار ہلکی ہو گئی تھی۔ باہر ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے اور جنگلی جھاڑیاں تھیں۔ وہ اُن پر جا کر گرا۔ میں بھی کھڑکی سے نکل کر ہوا میں اُڑتا ہوا اس کے پاس آ گیا۔ قاتل ریت پر سے اُٹھا اور لنگڑاتا ہوا ایک طرف کو بھاگا۔ میں نے اُس کی گردن دبوچ کر اسے نیچے گرا دیا اور کہا۔ ”اب میں تمہاری جان نکالنے لگا ہوں۔“

قاتل رونے لگا۔ ”ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ ”یم دُوت مہاراج! میری جان نہ نکالیں۔ میں ابھی نہیں مرنا چاہتا۔“

میں نے کہا۔ ”تم قاتل ہو۔ اگر میں وقت پر نہ آ جاتا تو تم نے ست پرکاش کو قتل کر دینا تھا۔ تم قاتل ہو۔ تمہاری سزا موت ہے۔“

وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ ”مجھے نہ ماریں یم دُوت مہاراج! مجھے نہ ماریں۔ میں ست پرکاش کے پاؤں پڑ کر اُس سے معافی مانگ لوں گا۔ میری جان بخشی کر دیں۔“

میں نے کہا۔ ”اگر تم دل سے وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی ست پرکاش کو قتل کرنے کا خیال دل میں نہیں لاؤ گے تو میں یم دیوتا کے آگے سفارش کر کے تمہاری جان بخشی کروا دوں گا۔“

قاتل راکیش کو میں دکھائی تو دے نہیں رہا تھا اُس نے میری آواز کے رُخ پر زمین پر سجدہ کر دیا اور پھر سر اُٹھا کر بولا۔ ”یم دُوت مہاراج! میں دل سے وعدہ کرتا

ہوں کہ کبھی بھول کر بھی میں ست پرکاش یا اس کی بیوی کو نقصان پہنچانے کا خیال بھی دل میں نہیں لاؤں گا۔"

میں نے کہا۔ "تم ان کے سامنے بھی کبھی نہیں جاؤ گے۔"

قاتل نے گڑگڑا کر کہا۔ "میں اُن کے سامنے بھی کبھی نہیں جاؤں گا۔"

میں نے کہا۔ "یاد رکھو! اگر تم اپنے وعدے سے پھر گئے تو میں اسی وقت تمہارے سر پر پہنچ کر تمہارا گلا گھونٹ کر تمہاری جان نکال کر لے جاؤں گا اور تمہارا اگلا جنم کنکھجورے کا ہوگا۔"

قاتل تھر تھر کانپ رہا تھا۔ "نہیں نہیں مہاراج! میں ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔"

میں نے اُس کی گردن پر زور سے ایک مکا مارا۔ وہ زمین پر گر پڑا اور ہاتھ جوڑ کر تھر تھر کانپنے لگا۔ میں نے کہا۔ "میں تمہاری سفارش کرنے یم دیوتا کے پاس جا رہا ہوں۔ اگر یم دیوتا نے تمہاری جان بخشی کر دی تو میں تمہاری جان نکالنے نہیں آؤں گا لیکن اگر تم نے اس نو بیاہتا جوڑے گوری اور ست پرکاش کو نقصان پہنچانے کا سوچا تو میں اسی وقت آکر تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔"

ریت پر پڑے پڑے ہاتھ جوڑے کانپتے کپکپاتے ہوئے قاتل نے کہا۔ "نہیں نہیں۔ میں ایسا نہیں کروں گا۔ اگلے جنم میں بھی ایسا نہیں کروں گا۔"

میں نے قاتل کی ٹانگیں بچا کر ریت پر پستول سے دو فائر کئے اور کہا۔ "یہ میری نشانی ہے کہ میں جا رہا ہوں۔"

میں وہاں سے پرواز کر گیا۔ اب مجھے دلی کی طرف جاتی ہوئی ٹرین کو پکڑنا تھا کیونکہ مجھے دلی کا فضائی راستہ معلوم نہیں تھا۔ میں فضا میں راستے سے بھٹک سکتا تھا۔ میں نے ریلوے لائن کے اوپر پرواز شروع کر دی۔ کچھ ہی دیر بعد مجھے ٹرین نظر آ گئی۔ میں ایک کھڑکی میں سے ٹرین میں داخل ہو کر راہ داری کے آخری ڈبے کی

کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ مجھے نو بیاہتا جوڑے کے کیبن میں جا کر انہیں تسلی دینے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اب قاتل راکیش اس جوڑے کے قریب بھی نہیں پھٹکے گا۔

میں دلی پہنچ گیا۔ دُرگا نے کہا تھا کہ "دلی کے شمال کی جانب مغلیہ زمانے کی ایک قدیم مسجد ہے۔ اسے بڑی مسجد کہا جاتا ہے۔ بڑی مسجد کے قریب ہی ایک ندی بہتی ہے۔ ندی کے کنارے سنگ مرمر کی ایک پرانی بارہ دری ہے۔ تم اس بارہ دری میں جا کر بیٹھ جاؤ گے۔ مگر تم رات کے وقت جاؤ گے۔ روہنی تمہیں وہیں آکر ملے گی۔"

اس کی ہدایت کے مطابق میں دلی شہر کے شمال کی جانب پرواز کرتا آ گیا۔ یہاں مجھے مغلیہ طرز تعمیر کی ایک قدیم مسجد کا گنبد دکھائی دیا۔ میں نیچے اُتر آیا۔ مسجد کے صحن میں ایک بزرگ بیٹھے قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ میں سر جھکائے خاموشی سے گزرتا ہوا مسجد کے عقب میں آ گیا۔ دیکھا کہ نیم کے گھنے درختوں کے درمیان ایک ندی بہہ رہی تھی۔ ندی کے کنارے کچھ فاصلے پر ایک بارہ دری پر نظر پڑی۔ میں قریب چلا گیا۔ یہ سنگ مرمر کی بارہ دری تھی مگر وقت گزرنے کے ساتھ اُس کی حالت شکستہ ہو رہی تھی۔

اسی بارہ دری میں رات کے وقت روہنی نے مجھ سے ملنا تھا۔

میں نے بارہ دری دیکھ لی تھی۔ وہاں سے پرواز کرتا ہوا شہر کی طرف آ گیا۔ مجھے سارا دن کسی جگہ گزارنا تھا۔ میں نے سوچا کہ یہ وقت کسی اچھے سے ہوٹل میں بیٹھ کر گزارنا چاہئے۔ دلی کے ہوٹلوں سے اب میں اچھی طرح واقف ہو گیا تھا۔ میں ایک ماڈرن ہوٹل کے احاطے میں موقع دیکھ کر اُتر گیا اور انگوٹھی اُتار کر جیب میں رکھ لی اور ظاہر ہو گیا۔ میں پارکنگ میں گاڑیوں کے پیچھے ظاہر ہوا تھا۔ کسی نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اس ہوٹل میں ایک کمرہ لے لیا۔ سب سے پہلے اعلیٰ قسم کا کھانا منگوا کر کھایا پھر کمرے میں سو گیا۔ تیسرے پہر سو کر اُٹھا، غسل کیا، کپڑے تبدیل کئے اور

چائے منگوا کر پی اور کمرے میں بیٹھا ٹی وی کے پروگرام دیکھتا رہا۔ جب رات ہو گئی تو تھوڑا بہت ڈنر کیا اور کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ جب رات کے گیارہ بجے تو میں نے انگوٹھی پہنی اور غائب ہو کر کمرے کی کھڑکی میں سے نکل کر شہر کے شمال کی طرف پرواز کر گیا۔

O

چاندنی رات تھی۔ ہر طرف چاندنی کا سنہری غبار سا پھیلا ہوا تھا۔ قدیم مغلیہ مسجد پر ایک پُر جلال تقدس جھلک رہا تھا۔ میں مسجد کے قریب ہی پرانے باغ میں اُتر گیا۔ یہ مغلوں کے زمانے کا باغ تھا جس میں جگہ جگہ سرو کے درخت خاموش کھڑے تھے۔ باغ جہاں ختم ہوتا تھا وہاں ندی کے کنارے سنگ مرمر کی بارہ دری چاندنی رات میں بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔ میں بارہ دری میں آ کر بیٹھ گیا اور سلطانہ کا انتظار کرنے لگا۔ اب میں روہنی کو اس کے ہندو نام روہنی سے نہیں یاد کروں گا بلکہ اس کو اس کے اسلامی نام سلطانہ سے یاد کروں گا۔ آپ سے گزارش ہے کہ جب میں سلطانہ کا نام لوں تو آپ سمجھ جائیے گا کہ میرا مطلب روہنی ہی سے ہے جو گناہوں کی بخشش کے بعد اب ایک اچھی رُوح بن چکی ہے۔

کچھ دیر تک میں بارہ دری میں بیٹھا رہا۔ پھر سوچا کہ اُٹھ کر ندی کنارے خوبصورت چاندنی رات کی سیر کرتا ہوں۔ جب سلطانہ بارہ دری میں نمودار ہو گی تو اس کے پاس آ جاؤں گا۔ میں بارہ دری سے اُتر کر ندی کی طرف چلا ہی تھا کہ مجھے مسجد کی جانب سرو کے درختوں میں ایک سفید انسانی ہیولا دکھائی دیا۔ میں وہیں رُک گیا۔ سفید سایہ آہستہ آہستہ میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک مجھے ایک ایسی خوشبو محسوس ہوئی جو سلطانہ کی روح کی بخشش کے بعد مجھے اس کے سفید لباس میں سے آتی اکثر محسوس ہوا کرتی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ سلطانہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

میں بھی اُس کی طرف بڑھا۔ وہ سلطانہ ہی تھی۔ اُس کے چہرے پر چاندنی نور بن کر جھلک رہی تھی۔ وہ میرے پاس آ کر رُک گئی اور مسکراتے ہوئے بولی۔ ”شیروان!

اللہ کی رضا اور تمہاری کوشش سے آخر مجھے نتالیا کے آسیب سے رہائی مل ہی گئی۔"

میں نے کہا۔ "سلطانہ! نتالیا کا آسیب نتالیا کو ساتھ لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جل کر بھسم ہو چکا ہے۔ اب وہ ہمیں کبھی کوئی گزند نہ پہنچا سکے گی۔"

سلطانہ بولی۔ "ہاں شیروان! میں جانتی ہوں۔ اللہ نے ہم پر بڑا کرم کیا ہے کہ ہمیں ایک بہت بری شیطانی عورت کے آسیب سے نجات مل گئی ہے۔"

میں نے کہا۔ "لیکن سلطانہ! ابھی پجاری رگھو کی بدروح ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ شاید اب وہ تمہارا تو کچھ نہ بگاڑ سکے گی لیکن اگر میں اُس کے پھندے میں آ گیا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔"

سلطانہ نے کہا۔ "اللہ نے چاہا تو اس بدروح سے بھی تمہارا پیچھا چھوٹ جائے گا اور تم پھر سے ایک سادے نارمل انسان کی طرح زندگی بسر کرنے لگو گے۔"

میں نے کہا۔ "دُرگا اور پاتالی نے میرا بڑا ساتھ دیا تھا۔ دُرگا نے مجھے ایک لفظ بھی یاد کرا دیا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ اسے یاد کر لو اور یہ لفظ اگر تم رگھو کی بدروح کے سامنے دہراؤ گے تو اُس کا ناش ہو جائے گا اور اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ سلطانہ ہی تمہیں بتائے گی کہ یہ لفظ تمہیں کب اور کہاں بولنا ہے۔"

سلطانہ کہنے لگی۔ "ہاں۔ اُس نے ٹھیک کہا ہے۔ میں تمہیں سب کچھ سمجھا دوں گی۔ چلو بارہ دری میں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

ہم سنگ مرمر کی بارہ دری میں آ کر بیٹھ گئے۔ میں نے سلطانہ سے پوچھا۔

"سلطانہ! میرا دشمن پجاری رگھو ہمارے خلاف جو کوئی نئی سازش تیار کر رہا ہے کیا تم اس سے باخبر ہو؟"

سلطانہ نے کہا۔ "شیروان! جب سے اللہ تعالٰی کے حضور میرے گناہوں کی بخشش ہوئی ہے اور میں ایک اچھی روح بن گئی ہوں میں رگھو، دُرگا اور پاتالی کی پہنچ سے باہر ہو گئی ہوں۔ میرے گناہ کا آخری مرحلہ وہ تھا جب میں نتالیا کے آسیب کی

قید میں تھی۔ جب خدا نے مجھ پر اپنی رحمت نازل فرمائی تو میرے گناہ کا آخری مرحلہ بھی گزر گیا اور میں نتالیا کے آسیب سے آزاد ہو گئی۔ اب اگر نتالیا کا آسیب زندہ بھی ہوتا تو میرے قریب آنے سے پہلے ہی جل کر راکھ ہو جاتا۔ یہی حال پجاری رگھو کی بدروح کا ہے۔ جیسا کہ میں نے شاید پہلے بھی تمہیں بتایا تھا کہ اچھی روح اور بری روح کے درمیان فرق یہ ہوتا ہے کہ اچھی روح روشنی ہے اور بدروح اندھیرا ہے اور روشنی اور اندھیرا کبھی اکٹھے نہیں ہوتے۔"

میں نے کہا۔ "تو پھر تم پجاری رگھو سے مجھے کیسے بچا سکو گی؟ میں تو ایک عام انسان ہوں۔ رگھو ایک بدروح ہے جس کے پاس جادو کی طاقت ہے۔"

سلطانہ کہنے لگی۔ "تمہارے پاس ایمان کی طاقت ہے جس کا مقابلہ دنیا کا بڑے سے بڑا اور برے سے برا جادوگر بھی نہیں کر سکتا۔ ایمان کی طاقت کے آگے کوئی بدروح نہیں ٹھہر سکتی۔ تم خدا پر بھروسہ رکھو اور پھر تمہاری راہ نمائی کو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم بہت جلد اس بدروح کو بھی اس کے آخری عبرت ناک انجام تک پہنچا دو گے۔ صرف تمہیں تھوڑی سی جرات سے کام لینا ہو گا۔"

میں نے کہا۔ "یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ میں جرات نہ بھی کروں تو بھی مجھے جرات کرنی ہی پڑے گی۔ اس کے علاوہ اپنے اللہ پر میرا ایمان چٹان کی طرح مضبوط ہے۔ چٹان کسی طوفان میں اپنی جگہ سے گر کر ٹوٹ سکتی ہے لیکن میرا ایمان اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا۔"

سلطانہ نے خوش ہو کر کہا۔ "شیروان! تمہاری یہ بات سن کر مجھے روحانی سکون ملا ہے۔ گوشت پوست کے جسم میں ہونے کی وجہ سے تمہارے ساتھ کچھ کمزوریاں، کچھ مجبوریاں بھی لگی ہوئی ہیں۔ لیکن جو آدمی نیکی کے راستے پر چلتا ہے اللہ کے حکم سے نیکی کی غیبی طاقتیں اس کی مدد کرتی رہتی ہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

سلطانہ کہنے لگی۔ ''تم وہی کرو گے جو میں تمہیں کہوں گی۔''

میں بارہ دری میں سلطانہ کے سامنے بیٹھا تھا۔ اُس نے کہا۔ ''تم یہی پوچھنا چاہتے ہو کہ تمہارے دشمن رگھو نے تمہارے خلاف اب کون سا نیا پھندا تمہیں پھانسنے کے لئے تیار کیا ہے۔ میں تمہیں یہ کہوں گی کہ وہ جتنے پھندے چاہے تیار کرلے لیکن اگر تم اپنی جگہ پر ثابت قدم رہو گے اور تھوڑی سی جرات سے کام لو گے تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔''

''مگر یہ شیطانی بدروح کہاں پڑ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

سلطانہ نے کہا۔ ''پجاری رگھو کی بدروح ہمارے اُس روہت گڑھ والے پرانے قلعے کے محل میں ہے جہاں اُس نے مجھے قتل کر کے میری روح کو قید کیا تھا اور جہاں سے تم نے میری روح کو اس کی قید سے آزاد کیا تھا اور پھر وہ تمہارا دشمن بن گیا تھا۔''

میں نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ مجھے ایک بار پھر اسی جگہ پر جانا ہو گا جہاں سے میری مصیبتوں کا آغاز ہوا تھا۔''

سلطانہ نے جواب دیا۔ ''ہاں شیروان! تمہیں وہیں جانا ہو گا۔''

میں نے تشویش کے ساتھ کہا۔ ''کہیں ایسا نہ ہو کہ میں پھر کسی پہلے سے بھی بڑی مصیبت میں پھنس جاؤں۔''

سلطانہ نے کہا۔ ''نہیں شیروان! ایسا نہیں ہو گا۔ تم یوں سمجھ لو کہ جہاں سے تمہاری مصیبتوں کا آغاز ہوا تھا وہیں تمہاری تمام مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔''

''خدا کرے کہ ایسا ہو۔'' میں نے کہا۔

سلطانہ بولی۔ ''یقین رکھو۔ ایسا ہی ہو گا۔''

میں نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ یہاں سے مجھے قلعہ روہت گڑھ کے ویران محل میں جانا ہو گا۔''

سلطانہ نے کہا۔ ''ہاں۔ مگر تم اکیلے نہیں ہو گے۔ ایک خاص حد تک میں

تمہارے ساتھ ہوں گی۔ پھر اس کے بعد بھی میں تمہیں دیکھ رہی ہوں گی اور تمہاری راہ نمائی کر رہی ہوں گی۔''

''ہمیں اس آخری مہم پر کب روانہ ہونا ہو گا؟''

سلطانہ نے کہا۔ ''کل منگل کی رات ہے۔ پجاری رگھو کی بدروح ہر منگل کی رات کو پرانے محل کے بڑے کمرے میں آکر تمہارے اور میرے خلاف خطرناک خفیہ منتروں کا کیرتن کرتی ہے۔ اگرچہ اسے معلوم ہے کہ میں اب اس کی پہنچ سے باہر ہو چکی ہوں لیکن وہ اب بھی مجھے دوبارہ قابو کرنے کے جتن کئے جا رہا ہے۔ البتہ تمہارے بارے میں تو اسے یقین ہے کہ اس بار تم اس کے حملے سے نہیں بچ سکو گے۔ تم کل اسی وقت یہاں آ جانا۔ ہم یہیں سے قلعہ روہت گڑھ والے پرانے محل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔''

اس کے بعد میں تھوڑی دیر تک سلطانہ کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر کل آنے کا کہہ کر وہاں سے اپنے ہوٹل واپس آ گیا۔

مجھے ایک تشویش سی لگ گئی تھی کیونکہ اس سے پہلے میرا کبھی کسی بدروح سے آمنے سامنے کا مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے ایک بہت ہی خطرناک بدروح کے سامنے جانا پڑ رہا تھا۔ اگرچہ سلطانہ نے مجھے حوصلہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ میرے ساتھ ہو گی اور میرا دل بھی مضبوط تھا۔ لیکن پھر بھی انسان کمزور ہوتا ہے اور جان اس کو پیاری ہوتی ہے۔ میں سوچتا کہ اگر مجھ سے ذرا سی بھی غفلت ہو گئی یا عین وقت پر سلطانہ میری مدد کو نہ پہنچ سکی یا دُرگا کا بتایا ہوا طلسمی لفظ کارگر ثابت نہ ہوا تو میں تو مارا جاؤں گا۔

اگلے دن میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں ہی رہا اور خدا سے دعا مانگتا رہا کہ یا خدا! اس آخری مہم میں بھی میری مدد فرمانا..... رات جب ذرا گہری ہو گئی تو میں سلطانہ سے ملنے ندی کنارے والی بارہ دری کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں ہوا میں پرواز کرتے

ہوئے جا رہا تھا۔ سلطانہ بارہ دری میں میرے پہنچنے کے فوراً بعد ہی آ گئی۔ کہنے لگی۔ ''ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے اور اسی وقت قلعہ روہت گڑھ والے محل کی طرف چل پڑنا چاہئے۔''

سلطانہ کو اب میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ساتھ اُڑانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اپنے آپ پرواز کر سکتا تھا۔ چنانچہ ہم دونوں دلی کی چاندنی رات میں فضا میں بلند ہو کر جھانسی کی طرف پرواز کرنے لگے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ قلعہ روہت گڑھ جھانسی سے کچھ فاصلے پر روہت گڑھ نامی سٹیشن سے تھوڑی دور جنگل میں واقع ہے ہمیں اپنی منزل پر پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ جب ہم روہت گڑھ کے قصبے کے اُوپر سے گزر رہے تھے تو سلطانہ کہنے لگی۔ ''شیروان! ہم پرانے محل سے کچھ فاصلے پر ہی ایک جگہ جنگل میں اُتریں گے۔''

میں نے کہا۔ ''جیسے تمہاری مرضی۔''

روہت گڑھ قصبے کی ریلوے لائن کے پار تھوڑی دور آگے جا کر جنگل شروع ہو جاتا ہے۔ چاندنی رات میں ہم جنگل کے اوپر سے گزر رہے تھے اور درختوں کی چوٹیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ پرواز کرتے کرتے سلطانہ ایک جگہ نیچے اتر آئی۔ میں بھی اس کے ساتھ نیچے اتر پڑا۔ جہاں وہ اتری تھی وہاں ایک شکستہ کھنڈر کی چار دیواری باقی رہ گئی تھی۔ اس چار دیواری کے اندر ایک چبوترہ سا بنا ہوا تھا۔

سلطانہ اس چبوترے پر بیٹھ گئی اور مجھے بھی اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ کہنے لگی۔ ''تم اپنی زندگی کی شاید سب سے خطرناک مہم پر جا رہے ہو۔ اگرچہ میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ رہوں گی لیکن میری مدد اور راہ نمائی صرف ایک حد کے اندر ہو گی اس کے آگے تمہیں اپنی ہمت اور قوت ارادی سے کام لینا ہو گا۔ ایک بات یاد رکھنا تم اگر اس مہم میں کامیاب ہو گئے تو تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بدروحوں کے عذاب سے نجات حاصل کر لو گے۔ کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟''

میں نے کہا۔ ''سلطانہ! مجھے تیار ہونا ہی پڑ رہا ہے۔ میرے سامنے دوسرا کوئی راستہ نہیں۔''

سلطانہ نے کہا۔ ''انشاء اللہ تم کامیاب اور سرخرو ہو کر واپس آؤ گے۔ مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔ تم محل کے خفیہ راستے سے اندر داخل ہو گے۔ یہ خفیہ راستہ تم نے دیکھا ہوا ہے اس کے بعد تم محل کی تاریک سیڑھیاں چڑھ کر محل کے بڑے کمرے کی گیلری میں آ جاؤ گے۔ یہ وہی گیلری ہے جہاں سے تم نے رگھو پجاری کے ہاتھوں میرے قتل ہونے کے پرانے منظر کو ایک بار پھر ابھرتے دیکھا تھا۔ تمہیں یاد ہے نا؟''

میں نے کہا۔ ''ہاں مجھے یاد ہے۔''

سلطانہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''تم وہاں اسی طرح چھپ کر بیٹھ جاؤ گے جس طرح تم پہلے دن وہاں چھپ کر بیٹھے تھے۔ تمہارے بازو پر بندھا ہوا کالے جادوگر کا ہڈی والا تعویذ اپنے طلسمی اثر سے پجاری رگھو کو تمہاری موجودگی کا علم نہیں ہونے دے گا۔ اس طلسمی تعویذ کی وجہ سے پجاری رگھو تم پر براہ راست حملہ نہیں کر سکے گا۔''

میں نے پوچھا۔ ''تو کیا مجھے رگھو کی بدروح پر حملہ کرنا ہو گا؟''

سلطانہ نے کہا۔ ''ہاں۔ تمہیں رگھو کی بدروح پر حملہ کرنا ہو گا۔ لیکن دُرگا نے تمہیں جو لفظ بتایا ہے وہ حملہ کرنے کے فوراً بعد تمہیں رگھو کی بدروح پر پڑھ کر پھونک دینا ہو گا اس کے بعد تم خود دیکھ لو گے کہ کیا ہوتا ہے۔''

میں دل میں ڈر رہا تھا۔ ایسا خطرناک کام میں نے زندگی میں کبھی نہیں کیا تھا۔ میں سلطانہ سے کیا پوچھتا، کیا سوال کرتا۔ اب پوچھنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔ وہ تو مجھے بھڑکتے ہوئے آتش فشاں کے دہانے کی طرف بھیجنے کا فیصلہ کر چکی تھی اور میں بھی مجبور تھا۔ اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے سلطانہ سے پوچھا۔ ''رگھو کی بدرُوح پر میں کس چیز سے حملہ کروں گا؟''

میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ ایک پستول تھا وہ میں نے راستے میں ہی پھینک دیا تھا۔"

سلطانہ نے کہا۔ "تمہیں کسی ہتھیار کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تم دل میں کلمہ پاک کا ورد کرتے ہوئے جب میں تمہیں کان میں کہوں گی رگھو کی بدروح پر سامنے سے حملہ کرنے کے لئے بڑھو گے۔ اور جب میری طرف سے تمہیں اشارہ ملے گا تو تم دُرگا کا بتایا ہوا لفظ پڑھ کر بدروح پر پھونک دو گے۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

میں بڑی توجہ سے سلطانہ کی ایک ایک بات کو سن رہا تھا اور اسے دل میں بٹھا رہا تھا تاکہ وقت آنے پر مجھ سے کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ جب سلطانہ مجھے اچھی طرح سے سمجھا چکی اور اس کی تسلی بھی ہو گئی تو اُس نے کہا۔ "اب تم ویران محل کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ میں اسی جگہ بیٹھی تمہیں دیکھ رہی ہوں۔"

مین نے اللہ کا نام لیا اور چپکے سے اٹھ کر روہت گڑھ کے قدیم قلعے کی جانب چل پڑا۔ وہاں سے قلعہ تھوڑے فاصلے پر ہی تھا۔ اس قلعے میں، میں پہلے بھی آ چکا تھا۔ مجھے اس کے خفیہ راستے کا بھی پتہ تھا۔ میں خاموشی اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جنگل کے چپ چاپ کھڑے درختوں کے نیچے سے گزر رہا تھا اور دل میں خدا سے اپنی کامیابی کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ آخر مجھے دیو قامت پرانے قلعے کی دیوار نظر آ گئی۔ میں دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا اس جگہ آ گیا جہاں سے ایک خفیہ راستہ قلعے کے اندر ویران محل کو جاتا تھا۔ یہ راستہ ایک غار کی شکل میں تھا جس کا دہانہ جنگلی جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ میں جھاڑیوں کو ہٹا کر سرنگ میں داخل ہو گیا۔ غار میں داخل ہونے سے پہلے میں نے کلمہ پاک پانچ مرتبہ پڑھ لیا تھا۔

اس غار میں آگے جا کر ایک زینہ اُوپر کو جاتا تھا جو محل کے ایک خفیہ کمرے میں نکلتا تھا۔ اس قسم کے خفیہ راستے شاہی محلات میں ضرور رکھے جاتے تھے کہ اگر دشمن کی فوج محل میں داخل ہو جائے تو شاہی خاندان کے افراد محل سے فرار ہو سکیں۔

زینے پر سے ہوتا ہوا میں محل کے خفیہ کمرے میں آ گیا۔ یہاں گھپ اندھیرا تھا۔ غائب ہونے کی وجہ سے اندھیرے میں بھی مجھے سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ خفیہ کمرے کے تنگ دروازے میں سے نکل کر میں نے ایک اور زینہ طے کیا اور بڑے کمرے کی گیلری میں نکل آیا۔

یہی وہ بڑا کمرہ تھا جہاں پجاری رگھو کی بدروح نے رات کو اپنے کسی خاص عمل یا کیرتن کے لئے آنا تھا۔ مجھے وہ پہلا دن یاد آ گیا۔ اسی کمرے میں، میں نے سلطانہ یعنی روہنی کے تین سو سال پہلے ہو چکے قتل کے منظر کو دوبارہ دیکھا تھا اور اسی جگہ سے میری مصیبتوں کا آغاز ہوا تھا۔ میں گیلری میں سنگ مرمر کی جالی کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ بڑا کمرہ ویران پڑا تھا۔ درمیان میں جو چبوترہ بنا تھا وہ بھی خالی پڑا تھا۔ سلطانہ نے مجھے کہا تھا کہ تم مجھے دل میں بھی آواز دے کر نہ بلانا۔ موقع دیکھ کر میں خود ہی تمہیں ہدایات دیتی رہوں گی۔

میں خاموش بیٹھا پجاری رگھو کی بدروح کا انتظار کر رہا تھا۔ اندھیرے ویران کمرے میں ایسی خاموشی طاری تھی کہ مجھے اپنے دل کی دھڑکن سنائی دینے لگی تھی۔ مجھے وہاں بیٹھے آدھ گھنٹہ ہی گزرا ہو گا کہ کمرے میں پھڑ پھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ میں نے چونک کر نیچے دیکھا۔ مجھے ایک سیاہ فام بدروح نظر آئی جو کمرے کی فضا میں اِدھر اُدھر اُڑتے ہوئے جائزہ لے رہی تھی۔ وہ غائب تھی لیکن مجھے نظر آ رہی تھی۔

میرے کان میں سلطانہ کی دھیمی سرگوشی کی آواز آئی۔ اُس نے میرے کان میں کہا۔ "شیروان! سانس روک کر اپنی جگہ ساکت ہو کر بیٹھے رہنا۔ یہ پجاری رگھو کی خاص محافظ بدروح ہے۔ اسے رگھو نے یہ معلوم کرنے کے لئے پہلے بھیجا ہے کہ ویران محل میں جا کر دیکھے کہ کسی دشمن نے کوئی جادو کا عمل تو نہیں کر رکھا۔ بالکل ساکت ہو کر بیٹھے رہو۔ اُٹھ کر بھاگو گے تو بدروح کو تم نظر آ جاؤ گے اور پھر تمہاری جان خطرے میں گھر جائے گی۔"

میں نے سانس روک لیا اور جب سانس کی ضرورت محسوس ہوتی تو میں بہت ہی آہستہ آہستہ سانس لینے لگتا۔ میری نگاہیں غیبی بدروح پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ بہت بڑے چمگادڑ کی طرح کمرے کی فضا میں اِدھر اُدھر چکر لگا رہی تھی۔ چکر لگاتے ہوئے وہ اوپر گیلری کی طرف بھی آ گئی۔

میرے کان میں سلطانہ کی سرگوشی سنائی دی۔ ”شیروان! کسی قسم کی حرکت نہ کرنا۔ یہ تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“

میں اور زیادہ ساکت ہو گیا۔ بدروح پھڑپھڑاتی، غوطے لگاتی میرے بالکل قریب سے ہو کر گزر گئی۔ وہ پھر گیلری کی طرف آئی۔ میں اسی طرح پتھر کا بت بن کر بیٹھا رہا۔ بدروح غوطہ لگا کر سیدھی میری طرف آئی۔ میں کچھ گھبرا گیا۔ وہ تیزی سے آئی اور میرے غیبی جسم میں سے گزر کر دوسری طرف نکل گئی۔ میں اپنی جگہ پر لرز سا گیا جیسے تیز ہوا کا جھونکا درخت کی شاخوں میں سے گزر جائے تو شاخیں لرزنے لگتی ہیں۔ سلطانہ نے ٹھیک کہا تھا بدروح کو میرے غیبی وجود کا احساس تک نہ ہوا۔

بدروح نے بڑے کمرے کے مزید دو تین چکر کاٹے اور غائب ہو گئی۔ وہاں ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔ اتنے میں دو سیاہ پوش بدروحیں نمودار ہوئیں۔ ان کے ہاتھوں میں دو پیالے تھے جن میں سلگتے ہوئے لوبان کا دھواں نکل رہا تھا۔ انہوں نے دونوں پیالے چبوترے پر ایک دوسرے کے متوازی رکھ دیئے اور چبوترے سے اُتر کر ایک طرف ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔ اس کے بعد ایک سیاہ فام آدمی نمودار ہوا۔ یہ بھی کوئی بدروح تھی مگر انسانی شکل میں تھی۔ اس کے سر پر بالوں کی لمبی بودی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کوئی کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ اُس نے چبوترے پر وہ کپڑا بچھا دیا۔

یہ کسی جانور کی سیاہ کھال تھی۔ یہ بدروح بھی ایک جانب کھڑی ہو گئی۔ اس کے بعد بالکل اُس روز کی طرح پجاری رگھو کی بدروح داخل ہوئی۔ پجاری رگھو ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ دو بدروحوں نے کرسی کندھوں پر اُٹھا رکھی تھی اور وہ کچھ منتر پڑھتے

ہوئے آ رہے تھے۔ چبوترے کے پاس آ کر انہوں نے کرسی فرش پر رکھ دی۔ پجاری رگھو کی بدروح کو میں نے صاف پہچان لیا تھا۔ اسی طرح اس کا سر منڈھا ہوا تھا، کانوں میں مندریاں تھیں، جسم سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا تھا، ہاتھ میں ترشول تھا۔ پجاری رگھو نے کرسی سے اُتر کر چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ مجھے ڈر تھا کہ یہ بڑی شیطانی طاقت والی بدروح ہے۔ یہ ضرور مجھے غیبی حالت میں بھی گیلری میں بیٹھا ہوا دیکھ لے گا۔ مگر میں اسے نظر نہیں آیا تھا۔ اس کی نگاہیں گیلری پر سے ہوتی ہوئی واپس چلی گئیں۔ پجاری رگھو نے کھڑائیں پہن رکھی تھیں۔

چبوترے کے پاس آ کر اس نے کھڑائیں اُتاریں اور چبوترے پر چڑھ کر جانور کی کھال پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ ترشول اُس نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ میں اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ پجاری رگھو نے منتروں کا جاپ شروع کر دیا۔ اُس کے منتر میری سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ یہ بدروحوں کے منتر تھے۔ وہ منتر پڑھتا جاتا تھا اور سلگتے ہوئے لوبان کے پیالوں میں کچھ پھینکتا جاتا تھا۔ وہ دیر تک یہ عمل کرتا رہا۔

پھر ایسا ہوا کہ شاید اس نے فضا میں میری بو محسوس کر لی تھی یا اسے اس کے منتروں کی وجہ سے احساس ہوا تھا، پجاری رگھو منتر پڑھتے پڑھتے رُک گیا۔ اُس نے اونچی آواز میں کہا۔ ”یہاں کوئی زندہ انسان موجود ہے۔“

ایک بدروح جلدی سے سامنے آ گئی اور بولی۔ ”مہاراج! میں کونہ کونہ دیکھ گئی تھی یہاں کسی زندہ انسان کی جرات نہیں کہ داخل ہو۔“

پجاری رگھو نے بلند آواز میں کہا۔ ”میرے منتر جھوٹ نہیں بولتے۔ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ یہاں ایک زندہ انسان موجود ہے مگر وہ غیبی حالت میں ہے۔“

یہ کہہ کر پجاری رگھو اُٹھ کھڑا ہوا۔ ترشول اس نے ہاتھ میں پکڑ لیا اور بولا۔

”میں خود اس ملیچھ کو تلاش کر لوں گا۔“

میرے کان میں سلطانہ کی سرگوشی سنائی دی۔ "شیروان! اپنی جگہ سے اُٹھ کر چھت کے ساتھ لگ جاؤ۔ گھبرانا نہیں۔ رگھو کو تم نظر نہیں آؤ گے۔"

میں اسی وقت گیلری سے بلند ہو کر اُوپر چھت کے ساتھ لگ گیا۔ میں نیچے دیکھ رہا تھا۔ پجاری رگھو ایک دم غائب ہو گیا مگر میں اسے دیکھ سکتا تھا۔ غائب ہونے کے بعد وہ کمرے کی فضا میں اِدھر اُدھر اُڑنے لگا۔ وہ پہلی بدروح کی طرح ایک ایک جگہ کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ کبھی اُڑ کر ایک کونے میں جاتا کبھی وہاں سے غوطہ لگا کر دوسرے کونے میں چلا جاتا اور پھر وہاں سے دوسری طرف نکل جاتا۔ غلام بدروح اور عورتوں کی سیاہ فام بدروحیں ایک طرف کھڑی پجاری رگھو کی بدروح کو کمرے کی فضا میں غوطے لگاتے دیکھ رہی تھیں۔ پجاری رگھو کی بدروح ایک بار اُڑتے ہوئے میرے قریب سے ہو کر نکل گئی۔ وہ میرے قریب سے غوطہ لگا کر گزرا تو مجھے گرم ہوا لگی۔ تب مجھے خیال آیا کہ یہ آگ سے بنی ہوئی جہنمی مخلوق ہے۔

اس نے بھی مجھے نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی مجھے نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ واپس چبوترے پر آ کر انسانی شکل میں ظاہر ہو گیا اور ترشول کو زور سے چبوترے کے فرش پر مارتے ہوئے بولا۔ "مجھے میرے دشمن منتروں کا جاپ کرنے سے روک رہے ہیں مگر وہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ میں اپنا کیرتن، اپنی تپسیا ضرور پوری کروں گا۔"

اور اس نے ایک بار پھر منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ اتنے میں میرے کانوں میں سلطانہ کی سرگوشی سنائی دی۔ "تم نے دیکھ لیا ہے کہ پجاری رگھو کو بھی تم نظر نہیں آئے۔ اب جس وقت میں کہوں بے خوف ہو کر اُس پر حملہ کر دو۔ خدا کی مدد تمہارے ساتھ ہے۔ تم کامیاب ہو گے۔"

میں سلطانہ سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا مگر اس نے مجھے آواز نکالنے سے سختی سے منع کیا ہوا تھا چنانچہ میں خاموش رہا۔ سلطانہ کی سرگوشی ایک بار پھر سنائی دی۔ "اب نیچے اُتر کر چبوترے پر جا کر پجاری رگھو کے بالکل سامنے جا کر کھڑے ہو جاؤ۔"

میں دل میں خوف محسوس کر رہا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ اگر میں پجاری رگھو کی بدروح کے بالکل سامنے جا کر کھڑا ہو گیا تو وہ ضرور مجھے دیکھ لے گا مگر اس وقت ایک طرح سے میں سلطانہ کے کنٹرول میں تھا اور وہی مجھے گائیڈ کر رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ چھت سے نیچے اُترنے لگا۔ پھر چبوترے کے بالکل اوپر آ گیا۔ اس کے بعد چبوترے پر جہاں رگھو پجاری بیٹھا منتروں کا جاپ کر رہا تھا اس کے بالکل سامنے تین قدموں کے فاصلے پر اُتر کر کھڑا ہو گیا۔ میں پجاری رگھو کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس کے منڈھے ہوئے سر پر پسینے کے قطرے تک دکھائی دے رہے تھے۔ مجھے لگا کہ میں موت کے سامنے کھڑا ہوں۔

میرا یقین بڑا پختہ تھا مگر پھر بھی میں ایک کمزور انسان تھا کسی وقت شک پڑتا کہ ہو سکتا ہے میرے سارے حربے ناکام ہو جائیں اور یہ بدروحیں مجھے اسی جگہ بھسم کر دیں۔ شاید سلطانہ کو میرے دل کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ "شیروان! دل کو مضبوط رکھو۔"

میں نے دل میں کلمہ پاک کا ورد شروع کر دیا۔ میرا کھویا ہوا یقین اور اعتماد واپس آ گیا اور میں اپنی جگہ پر قائم ہو گیا۔ میں دل میں برابر کلمہ پاک پڑھے جا رہا تھا اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ دُنیا کی کوئی شیطانی طاقت مجھے شکست نہیں دے سکتی۔ اب میں بڑی بے تابی سے انتظار کر رہا تھا کہ سلطانہ مجھے رگھو پر حملہ کرنے کا کب اشارہ کرتی ہے۔ پجاری رگھو منتر پڑھتے پڑھتے ایک بار پھر رُک گیا۔ اُس نے آنکھیں کھول کر اس طرف دیکھا جہاں میں کھڑا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ مجھے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا ہے۔ شاید اس صورتِ حال کو سلطانہ نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ اچانک پجاری رگھو نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "تم..... میرے دشمن....."

عین اُسی وقت میرے کانوں میں سلطانہ کی سرگوشی سنائی دی۔ "شیروان! مالینی کا شبد پڑھ کر اس پر پھونک دو۔"

میں نے مالینی کا بتایا ہوا لفظ دہرایا اور زور سے پجاری رگھو کی طرف پھونک ماری۔ میرا خیال تھا کہ پجاری رگھو ایک دم جل کر راکھ ہو جائے گا مگر یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ مالینی کے بتائے ہوئے شبد نے پجاری رگھو پر کوئی اثر نہیں کیا تھا۔

پجاری رگھو نہ صرف یہ کہ مجھے دیکھ چکا تھا بلکہ اُس نے مجھے پہچان بھی لیا تھا۔ اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور اُس نے ڈراؤنی آواز میں بدروحوں کو حکم دیا۔

''اس ملیچھ کو پکڑ لو۔''

اور یہ کہہ کر پجاری رگھو نے ترشول سنبھال کر کوئی خفیہ منتر پڑھ کر ترشول سے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں جلدی سے ایک طرف ہو گیا۔ یہ میں نے بشری کمزوری کے تحت ایسا کیا تھا حالانکہ میں غائب تھا مگر کچھ پتہ نہیں تھا کہ پجاری رگھو کا ترشول میرے غیبی جسم میں سے نکل جانے کی بجائے میرے انسانی جسم کو چھلنی کر دیتا۔ میں واقعی اس وقت گھبرا گیا تھا۔ ہر کلمہ گو مسلمان کی طرح مصیبت کی اس گھڑی میں مجھے سوائے خدا کے اور کسی کا خیال نہ آیا۔ میں نے فوراً اعوذ باللہ پڑھ کر بلند آواز میں کہا۔

''یا اللہ پاک! مجھے شیطان سے اپنی پناہ میں رکھنا۔''

ان الفاظ کا میری زبان سے نکلنا تھا کہ پجاری رگھو کے جسم کو آگ لگ گئی۔ بھڑکتے شعلوں نے اُس کے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ چبوترے پر چکر کھانے لگا۔ اُس کے حلق سے بڑی ڈراؤنی آوازیں نکلنے لگیں۔ یہ دیکھ کر اس کی غلام بدروحیں ایک سیکنڈ میں چیختی چلاتی غائب ہو گئیں۔ اب اس ویران محل کے کمرے میں، میں تھا اور پجاری رگھو کی شعلوں میں لپٹی چکر کھاتی ہوئی بدروح تھی۔ میرے دیکھتے دیکھتے پجاری رگھو کا جسم سیاہ ہڈیوں کا پنجر بن گیا۔ ہڈیوں کا پنجر بھی آگ میں جل رہا تھا۔ پھر ہڈیوں کا پنجر بھی بھسم ہو کر راکھ بن گیا۔ اس کے بعد کمرے میں ہیبت ناک سناٹا طاری ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ کمرہ بالکل خالی ہو چکا تھا۔ نہ بدروحیں تھیں، نہ وہ کرسی تھی جس پر بیٹھ کر پجاری رگھو آیا تھا اور نہ چبوترے پر سلگتے ہوئے

لوبان والے پیالے ہی تھے۔ سب بلائیں دفع ہو چکی تھیں۔ میرے دل سے اللہ کے خوف کے سوا سارے خوف دُور ہو چکے تھے۔ مجھے سلطانہ کی سرگوشی سنائی دی۔ سلطانہ کی سرگوشی بھی جذبہ ایمانی میں سرشار تھی۔ ''سبحان اللہ! سبحان اللہ! سبحان اللہ!'' اس نے تین بار سبحان اللہ کہا اور بولی۔ ''شیروان! تم نے اللہ کے پاک کلام کی مدد سے بدی کی ایک شیطانی طاقت کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''اب تو میں بول سکتا ہوں نا؟''

سلطانہ کی آواز آئی۔ ''کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟''

میں نے کہا۔ ''میں تمہارے پاس واپس آ رہا ہوں۔''

سلطانہ کی سرگوشی سنائی دی۔ ''میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔''

اور میں اس منحوس محل میں سے نکل کر جنگل کے درختوں کے اُوپر سے ہوتا ہوا سلطانہ کے پاس آ گیا۔ وہ کھنڈر کی چار دیواری سے باہر نکل کر میرا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔ ''شیروان! جب مالینی کے شبد نے رگھو پر کوئی اثر نہ کیا تو میں ڈر گئی تھی۔ اب شیطان صفت رگھو کچھ بھی کر سکتا تھا لیکن عین وقت پر اعوذ باللہ پڑھ کر جو تم نے اللہ کو مدد کے لئے آواز دی تو اللہ کے پاک کلام نے تمہیں اپنی پناہ میں لے لیا۔''

میں نے کہا۔ ''سلطانہ! اب تو ساری بدروحوں سے ہمارا اور خاص طور پر میرا پیچھا چھوٹ چکا ہے ناں یا اب بھی کوئی بلا باقی ہے؟''

سلطانہ نے کہا۔ ''نہیں شیروان! اب ساری بلائیں دفع ہو چکی ہیں۔ خدا نے تمہاری اور میری غلطیاں اور قصور بخش دیئے ہیں۔''

میں نے شکر الحمد للہ پڑھ کر کہا۔ ''آج میں اپنے آپ کو دُنیا کا سب سے خوش قسمت آدمی سمجھتا ہوں۔''

سلطانہ کہنے لگی۔ ''اب ہمیں واپس چلے جانا چاہئے۔ یہ جگہ ہمارے لئے اچھی

نہیں ہے۔"

اسی وقت ہم روہت گڑھ کے جنگل سے پرواز کر کے دلی کی سمت روانہ ہو گئے۔

رات کا پچھلا پہر شروع ہو گیا تھا جب ہم مغلیہ مسجد کے پیچھے ندی کنارے بارہ دری میں آ گئے۔

میں نے سلطانہ سے کہا۔ "سلطانہ! اب میں واپس اپنے وطن پاکستان جانا چاہتا ہوں تاکہ وہاں جا کر ایک نئی زندہ شروع کروں۔"

سلطانہ نے کہا۔ "شیروان! اب مجھے بھی تم سے جدا ہونا ہو گا۔ میں صرف تمہاری خاطر یہاں ٹھہر گئی تھی لیکن میں تمہیں پاکستان پہنچانے کے بعد نیک روحوں کی دنیا میں جاؤں گی کیونکہ تم اکیلے پاکستان نہیں جا سکو گے اس لئے کہ تمہارے پاس پاسپورٹ نہیں ہے۔"

میں نے کہا۔ "میں غائب ہو کر ہوا میں اُڑتا ہوا پاکستان چلا جاؤں گا۔ مجھے پاسپورٹ کی بھلا کیا ضرورت ہے؟"

سلطانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بدروحوں کا طلسم ٹوٹ چکا ہے شیروان..... سورج کی پہلی کرن کے ساتھ پاتالی کی انگوٹھی کا اثر بھی ختم ہو جائے گا اور تم اپنے آپ ظاہر ہو جاؤ گے اور پھر نہ غائب ہو سکو گے، نہ ہوا میں اُڑ سکو گے۔ اسی طرح کالے جادوگر کی ہڈی جو تم نے اپنے بازو پر باندھ رکھی ہے اس کا طلسم بھی ختم ہو جائے گا۔"

میں نے خوش ہو کر کہا۔ "سلطانہ! ان لعنتوں سے بھی میرا پیچھا چھوٹ جائے گا تو میں خدا کا شکر ادا کروں گا۔ میں اب ایک نارمل مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں....."

سلطانہ نے کہا۔ "تم نے بڑا نیک فیصلہ کیا ہے۔ لیکن رات ڈھلنے لگی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس سے پہلے کہ تم غیبی حالت سے ظاہر ہو کر انسانی شکل میں واپس آ

جاؤ تمہیں پاکستان پہنچا دوں۔ آؤ میرے ساتھ۔ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لو۔"

میں نے سلطانہ کا ہاتھ تھام لیا۔ اُس نے کہا۔ "اللہ کا نام لے کر آنکھیں بند کر لو۔"

میں نے ایسا ہی کیا۔ ہوا کا تیز جھونکا میرے جسم کو چھو کر گزر گیا۔ پھر جیسے میں ہوا میں سے گزر رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد سلطانہ نے مجھے آنکھیں کھول دینے کو کہا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ آسمان پر چاند ڈھل رہا تھا۔ میں ایک خوبصورت روشوں اور فواروں والے باغ میں چار میناروں والی ایک مغلیہ عمارت کے پاس کھڑا تھا۔ میرے قریب ہی سلطانہ موجود تھی۔ کہنے لگی۔ "تم نے اس عمارت کو نہیں پہچانا؟"

میں نے عمارت کو غور سے دیکھا اور خوش ہو کر کہا۔ "یہ تو مجھے مقبرہ جہانگیر لگتا ہے۔ اس کا مطلب ہے میں اپنے پیارے وطن پاکستان کے پیارے شہر لاہور میں ہوں۔"

سلطانہ مسکرا دی تھی۔ کہنے لگی۔ "ہاں فیروز! تم اپنے پیارے اور مملکت خداداد پاکستان کے خوبصورت شہر لاہور میں جہانگیر کے مقبرے میں ہو۔"

میں نے تعجب کے ساتھ سلطانہ سے پوچھا۔ "تم نے پہلی بار مجھے میرے اصلی نام فیروز سے بلایا ہے۔ تم نے پہلے ہمیشہ مجھے شیروان کے نام سے پکارا تھا۔ یہ تبدیلی کیسے ہوئی؟"

سلطانہ نے کہا۔ "فیروز! شیروان ایک خواب تھا۔ وہ خواب ٹوٹ چکا ہے۔ کچھ دیر کے بعد میں بھی تم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو جاؤں گی۔ مجھے بھی ایک خواب سمجھ کر بھلا دینا اور پاکستان میں ایک سچے پاکستانی اور سچے مسلمان کی حیثیت سے نئی زندگی شروع کرنا۔ میں نے بدروح کی حیثیت سے گناہوں کا عذاب بھی دیکھا ہے اور اچھی روح بن کر نیکیوں کا ثواب اور خدا کی رحمت کو بھی نازل ہوتے دیکھا ہے۔ میں تمہیں، تم سے جدا ہوتے ہوئے یہی کہوں گی کہ برائی سے، برے کاموں سے، برے

خیالوں سے بچنا۔ خلق خدا کی خدمت کرنا۔ کوئی تمہارے ساتھ برائی کرے تو اُسے معاف کر دینا۔ اللہ اور اُس کے رسول پاک ﷺ کے دکھائے ہوئے راستے پر چلنا۔ کوئی سیدھی راہ سے بھٹکا ہوا تمہارے پاس آ جائے تو اسے سیدھی راہ دکھا دینا۔ پانچ وقت نماز پڑھنا۔ نماز دل کے میل کو دھو ڈالتی ہے اور بندے کو اس کے رب کے قریب لے جاتی ہے.....“

سلطانہ کی باتوں نے مجھ پر ایک عجیب رقت کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ میں اُس کی طرف دیکھ رہا تھا اور اُس کی آواز سن رہا تھا۔ وہ بھی غائب تھی اور صرف مجھے نظر آ رہی تھی۔ میں بھی غائب تھا اور صرف وہی مجھے دیکھ سکتی تھی۔ آسمان پر صبح کا نور پھیلنے لگا اور پھر سورج کی پہلی سنہری کرن مشرقی افق پر بلند ہوئی تو مجھے اپنا جسم نظر آنے لگا۔ میں نے اپنے جسم کو غور سے دیکھا۔ میں واقعی اب غائب نہیں تھا۔

میں نے سلطانہ سے کہا۔ ”سلطانہ! میں غائب نہیں رہا۔“

سلطانہ نے کہا۔ ”بدروحوں کا طلسم سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ٹوٹ گیا ہے فیروز۔ اب تم ایک نارمل انسان ہو۔“

میں نے اپنی انگلی کو دیکھا۔ پاتالی کی انگوٹھی غائب ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے بازو کو ٹٹول کر دیکھا۔ کالے جادوگر کا ہڈی والا تعویذ بھی غائب تھا۔ میں سلطانہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس نے کہا۔ ”بری بلاؤں اور بدروحوں کے ساتھ اُن کی منحوس نشانیاں بھی غائب ہو گئی ہیں فیروز..... خداوند کریم کا شکر ادا کرو۔ خدا حافظ!“

اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے سلطانہ بھی غائب ہو گئی۔ مجھے ایسے لگا جیسے میں ایک خواب دیکھ رہا تھا جو ایک دم ختم ہو گیا ہے۔ دور کسی مسجد کے سپیکر سے قرآن پاک کی تلاوت کی آواز سنائی دی۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں قبلہ رو ہو کر سجدے میں گر گیا۔

اس کے بعد میری زندگی بالکل ہی بدل گئی۔ سلطانہ کی نیک روح نے مجھے جو

نصیحتیں کی تھیں میں نے اُن پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ میں پانچوں وقت نماز پڑھتا ہوں۔ اپنے وطن پاکستان سے محبت کرتا ہوں۔ اللہ اور نبی پاک ﷺ کے دکھائے ہوئے راستے پر چلنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کوئی برا خیال ذہن میں آ جائے تو اسے فوراً اعوذ باللہ پڑھ کر ذہن سے نکال دیتا ہوں۔ کبھی کسی بات پر غصہ نہیں کرتا۔ کوئی میرا دل دکھائے تو میں اسے معاف کر دیتا ہوں۔ اپنی محنت کی کمائی سے بازار سے دال روٹی خرید کر کھا لیتا ہوں اور ہر لمحے خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ جن بھیانک واقعات سے میں گزر چکا ہوں انہیں میں نے اپنے ذہن سے بھلا دیا ہے۔ میں غریبی کی زندگی بسر کر رہا ہوں لیکن میرا دل اللہ کے خوف اور خلق خدا کی محبت سے لبریز ہے۔ یہی میری سب سے بڑی دولت ہے۔ یہ وہ دولت ہے جو کم نہیں ہوتی بلکہ جتنی خرچ کرو اتنی بڑھتی جاتی ہے۔ جسے یہ دولت مل جائے اسے اور کیا چاہئے.....“

یہاں اس شخص کی کہانی ختم ہوتی ہے۔ میرے پر زور اصرار کے باوجود اُس شخص نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ مجھے اپنی داستان سنا کر وہ چلا گیا اور اس کے بعد اس سے پھر کبھی ملاقات نہ ہو سکی۔ شاید وہ لاہور چھوڑ کر پاکستان کے کسی دوسرے شہر یا کسی گاؤں میں چلا گیا ہے اور وہاں محنت مزدوری کر کے رزق حلال کی روکھی سوکھی کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے خلق خدا کی خدمت میں مصروف ہو گا۔

(ختم شد)